دل گداز تحریریں، زندگی کی تصویریں

ماہنامہ

سچی کہانیاں

کراچی

MAY
2018

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ونرز

عابدہ مغل کراچی

عامر شہزاد ننکانہ صاحب

خواجہ حسین منچن آباد

☆.....2 خوبصورت اور دلنشین سلسلے.....

☆.....دلچسپ سفرنامہ، لوگوں کے مسائل کے روحانی حل

☆.....اور 20 سے زائد سچی کہانیاں

ماہنامہ سچی کہانیاں کراچی

E-mail:pearlpublications@hotmail.com

بانی سہام مرزا

مدیر اعلیٰ: منزہ سہام

مدیر: دانیال شمسی

مدیر اعزازی: محمد سلیم اختر

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتا: 88-C II فرسٹ فلور خیابانِ جامی کمرشل ڈیفنس فیز-7، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی

مینیجر مارکیٹنگ

زین علی

0331-8221212

مینیجر سرکولیشن

آفتاب عالم

0334-3193174

انکم ٹیکس ایڈوائزر

مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹس)

رابطے کے لیے

021-35893121

021-35893123

قیمت فی شمارہ: 70 روپے ✵ جلد: 35 - شمارہ: 05 ✵ مئی 2018ء

ایڈیٹر، پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

07 آخری رمضان — منزہ سہام
08 احوال — مدیرہ
25 غلام جوہنے سردار — ام ایمان (غزالہ عزیز)
29 پھندا — سید علی ارسلان
47 52 چوکھٹ والی... — شاید رفیق سید
53 تعارف — تحسین جنید
55 غلط فہمی — تحسین جونیجو
60 ایسا بھی ہوتا ہے — رفعت محمود
66 زرباز — جاوید راہی
81 پچھتاوہ — انوشہ راشد
88 اتنی سی بات — رانا محمد شاہد
93 کال گرل — انیلا حمید
107 ٹائم پاس — مور شاہد
116 پتھر کا صنم — زوین کنور
131 ریشم کے دھاگے — رانا نعیم سبین سہارو

144 سنگدل — حامد شکور
148 ڈرامہ — ڈاکٹر طارق آکاش
153 مایا جال — محمد ثاقب
161 خون کا رشتہ — محمد شہزاد
164 صنف نازک — خواجہ حسین
167 دعاؤں کا حصار — فوزیہ سرور
179 اچھی بیٹی — [illegible] اختر
184 املتاس — شازیہ سعید مغل
197 دوشیزہ کا سفر — منزہ سہام
214 لال ٹین — شمینہ مشتاق
229 آج کا نثر نگار — ساحل علی ابڑو
235 ترکی میں عباسی — نور علی عباسی (مردو)
248 مسئلہ ہے — ادارہ
253 آپ کی ڈائری — قارئین

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 1000 روپے افریقہ 75 ڈالر کینیڈا آسٹریلیا 75 ڈالرز ایشیا یورپ 65 ڈالرز

فون: 021-35893121-35893122 / پرنٹر: حسام گی الدین عباسی "نی پریس 7-QB تالپور روڈ۔ کراچی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

عامل کامل

کالے جادو کی بھیانک دنیا میں ایک خدا رسیدہ عامل کی داستان.....

کالی دنیا' جادو' جنات' ٹونے ٹوٹکوں' سیاہ دل لوگوں کی کالی دنیا سے جہاں دوشیزاؤں کو جادو کی بھینٹ چڑھانا' شیطان کو خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا اس دنیا میں ایک دین دار اور ایمان والے نے کس طرح ٹکر لی اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں پیش آنے والے دلچسپ عبرت ناک' سبق آموز واقعات.....

دین و ایمان کی کشمکش کی سچی داستان

پیر شاہ محمد قادری

سچی کہانیاں کے سینئر ترین قلم کار کاوش صدیقی کے جادو گر قلم سے ایک بار پھر سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے جلد سچی کہانیاں کے ابتدائی صفحات پر.....

فوری طور پر اپنا شمارہ بک کروالیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ

اس غیر معمولی داستان کی قسط آپ سے مس ہو جائے۔

آخری رمضان

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اُس نے اس بار پھر ہمیں ''وبصوم غدنویت ن شہر رمضان'' کہنا نصیب فرمایا۔ بے شمار لوگ جو پچھلے رمضان' ہمارے ساتھ والوں کے ساتھ تھے..... سحری اور افطار میں پسندیدہ لوازمات کے [illegible] ہاتھ اٹھاتے تھے اب اپنی آخری منزل کی جانب روانہ ہو چکے [illegible] ہماری دعاؤں میں ہی رہیں گے۔ دنیا کی سب سے بڑی اور اٹل [illegible] ہے زندگی کی مخالفت کرتی ہے اور جس دن میرے رب کا [illegible] جاتا ہے زندہ انسان جنازہ بن جاتا ہے اور اس کے بہت پیارے ہی اُسے قبر کی تاریکیوں میں اتارتے ہیں۔ سانس بند ہوتے ہی سب ختم ہو جاتا ہے اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال کی بنیاد پر شرمسار ہونے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال کی درستگی کی طرف توجہ دیں۔ میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے وہ معافی ضرور عطا کرتا ہے۔ دنیا دھوکا ہے فقط دھوکا' ہمارے ابدی سفر کا تعین صرف ہمارے اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ جو اس زمین پر بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

آیئے اس کا عہد کریں کہ بس اب صرف اپنے رب کو راضی کریں گے اس کے بندوں سے محبت کریں گے..... کیا پتہ یہ میرا اور آپ کا آخری رمضان ہو.....

منزہ سہام

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

احوال

از: میر علی

قارئین کے درمیان رابطہ' آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

قابل احترام احوالیوں! خوش رہیے' مئی کا شمارہ آپ کے سامنے ہے' کیسا ہے یہ تو آپ مجھے بتائیں گے۔ اس بار پہلی بہترین کہانی عابدہ مغل محبت برائے فروخت دوسری بہترین کہانی ڈاکٹر عامر شہزاد معصوم محبت اور بہترین خط حسین خواجہ سخن آباد قرار پائے۔ ان تینوں لکھاریوں کو انعامی رقم بذریعہ ایزی پیسہ ارسال کی جارہی ہے۔ عبدالغفار عابد خیر سے بیٹے کے باپ بن گئے ہیں۔ عابد بھائی بہت بہت مبارک ہو اللہ نومولود کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے..... آمین۔ میں امید کرتی ہوں کہ کہانیوں اور خطوط کا معیار ماند سے بلند تر ہوگا۔ چلیے بڑھتے ہیں پہلے خط کی جانب.....

عامر شہزاد نکانہ صاحب سے لکھتے ہیں محترمہ ایڈیٹر صاحبہ' اسٹاف دیگر لکھنے والے اور قارئین' السلام علیکم! اپریل کا شمارہ 4 تاریخ کو ملا اعزازی کاپی ارسال کرنے پر آپی منزہ سہام صاحبہ کا بہت شکریہ اس شمارے کے کیا کہنے سرورق بہت جاندار اور خوبصورت دکھا جس پر یقیناً ادارے نے بہت محنت کی ہوگی خوبصورت حسین وجمیل لڑکی کی تصویر اوپر سے ستم یہ کہ رسالہ بھی عشق نمبر ہائے رے یہ عشق..... احوال میں نظر علی برمانی' فوزیہ اختر' خضر حیات' ارم ایوب' صائمہ صدیقی' عبدالحمید' امان حیدر' ارشد اقبال چوہان' مریم شاہ بخاری' عمران مظہر' ایم حسن نظامی' منشی عزیز مئے' حسین خواجہ' قاضی طاہر مقصود' حنا بشریٰ اور ساحل ابڑو نے بہترین اور جامع تبصرے لکھے۔ میری تحریر پسند کرنے پر مور شاہد حسین قمبر صاحب کا شکریہ کہانیوں میں رفعت محمود کی 'کانٹی سروپ' عابدہ مغل کی محبت برائے فروخت افتخار چوہدری کی عشق میں حساب کیسا ریما نور کی تم ایسی محبت مت کرنا ریحانہ خالد کی عشق جو ہم سے روٹھ گیا سحرش بانو کی عشق لاحاصل فریدہ فری کی خالہ خیر نازیہ بتول کی احساس محبت شگفتہ شفیق کی آج کا نثر نگار حنا بشریٰ کی شمع عشق حنا اصغر کی دھند کے اُس پار نزہت جبیں کی انوکھا وعدہ اور سیدہ زینب ندا کی وہ لوٹ آئی بہترین کہانیاں ثابت ہوئیں تمام رائٹرز نے انتہائی لگن اور محنت سے لکھ کر لکھنے کا حق ادا کر دیا بقیہ کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ اس شمارے میں سب سے خاص تحریر محترمہ منزہ سہام صاحبہ کی دوشیزہ کا سفر ہے۔ کیونکہ اس میں ہر دلعزیز' نہایت قابل عزت' محترم جناب سہام مرزا صاحب کی نہایت اچھی اور خوبصورت تصاویر شائع ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر دل ہی نہیں روح خوش ہوگئی۔ نیز منزہ آپی نے میری کہانی معصوم محبت شائع کر کے بہت حوصلہ افزائی کی جس کی وجہ سے دل خوش ہوگیا نیز یہ کہ اب مختلف نمبرز وغیرہ ختم کر کے مکس رسالہ شائع کرنے کی میری درخواست قبول کر کے مجھے عزت بخشی۔ آپ کی ڈائری میں خضر حیات' محمد دانیال' فریدہ فری' ایم حسن نظامی' مریم شاہ بخاری' عبدالحمید خان' انیلا طالب' راحیلہ ذاکر' سائرہ خان' سید عابد علی' اُم زہرا اور نبیل قریشی نے دل کو چھو لینے والی بہترین اور سبق آموز تحاریر لکھیں محترمہ منزہ آپی صاحبہ میں نے آپ کو ایک اور کہانی آسیبی مسکن' کے نام سے ارسال کی ہے امید ہے کہ کسی قریبی شمارے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گی دعائے خیر ہے کہ سچی کہانیاں دن رات ترقی کرتا رہے اور تا قیامت قائم ودائم رہے زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی خدا حافظ۔

بظاہر تو محبت تھی حقیقت میں مجبور رہا
اسے شہرت ملی ہم سے وہ سوچوں میں مغرور رہا
ہم سے اگر ملتا تو اسے کچھ اور بنا دیتے
وہ تو پاس رہ کر بھی ہم سے بہت دور رہا

☆ عامر بھائی آپ جنیں ہزاروں سال' آپ کی تجویز دل کو لگی تھی اس لیے فوری عمل کیا پھر یہ یقین بھی تھا کہ [illegible] سے محبت کرنے والے اس کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتے ہیں میں آئندہ بھی آپ کی تجاویز کی منتظر رہوں گی [illegible] تبصرہ تبسم کش کے لیے اشعار بھیجے تھے مگر میں نے آپ کے خط کے ساتھ ہی شائع کر دیے۔

☆ [illegible] خان' حیدر آباد سے لکھتے ہیں۔ بخدمت جناب ایڈیٹر منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم' بعد سلام عرض [illegible] امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ اس سے پہلے بھی ایک کہانی' آباد ویرانے [illegible] اور ایک کہانی چند دن میں روانہ آنے والا ہوں دو غزل بھیج رہا ہوں امید ہے [illegible] پاس موجود ہیں جلد شائع کروں گی شمارے پر تبصرہ تو کیا کریں میں اگلے [illegible]

☆ [illegible] السلام علیکم ایڈیٹر منزہ آپی کیسی ہیں آپ؟ سچی کہانیاں سے دس سالہ [illegible] کچھ اور کچھ ہماری کچھ سستی ہے کچھ اور نہیں۔ انکل ناصر [illegible] یہ دھلہ ہم سب کا سانجھا ہے۔ پرچہ پہلے کی [illegible] ہیں بالکل ہماری' آپی منزہ آپی' بہت اچھا کام کر رہی [illegible] تھا ایسے ہی طرز اور فریش ٹائٹل دیا کریں جوتے کا سفر ہٹنے پر مجبور کر گیا۔ احوال میں جو [illegible] ہوں ہمارے لیے باعث ہوگیا ایسی حوصلہ افزائی ضرور ہونی چاہیے۔ ہمارے پرچے کو سجانے' [illegible] کے لیے جو آپ نے تجاویز دی ہیں وہ خوش آئند ہیں اور مزید نکھارنے کے لیے آپ کے ساتھ ہم بھی [illegible] ہیں تجویز دے کر ایک اونٹی کی کوشش کر رہی ہوں۔ سلسلے وار ناول دو سے زیادہ نہ چلائے جائیں۔ کہانیوں کی تعداد اتنی ہی رکھیں مگر پلیز آپی دو تین شاعری کے لیے مختص کر دیں کیونکہ شاعری سچ بولتی ہے' احوال کے صفحے بالکل نہ بڑھائیں جائیں احوالیوں کے خط نمبر وار شائع کریں اگر سب کی شرکت ہر ماہ یقینی ہو تو بس پھر احوال ہی ہوگا۔ احوالی بھی اصرار نہ کریں اور آپی کا ساتھ دیں تبسم کش کے ساتھ ایک صفحہ مزاحیہ سوال وجواب کا کر دیں مزہ دوبالا ہو جائے گا کیونکہ پرچے میں سب رنگ ہیں مزا کا رنگ بالکل بھی نہیں ہے۔ انٹرویو والا سلسلہ بہت اچھا ہے ہم منتظر ہیں اب ذرا تبصرہ ہو جائے۔ کانٹی سروپ (رفعت محمود) ویلڈن۔ جی بہت ہی اچھا لکھا ہے لفظ لفظ موتی کردار نگاری بہت ہی اچھی' مزہ آ گیا۔ عشق لاحاصل بہترین خالہ خیر ان متاثر نہ کر سکی ڈائنامو ہوگئی معصوم محبت کنواری ہاں ادھوری محبت کی مکمل کہانی بس ٹھیک تھیں قرینہ عشق کچھ سمجھ نہ آئی اب بات کروں گی شمع عشق کی حنا بشریٰ کی تحریر دل کو چھو گئی بہت زبردست لکھا آپ نے بہت مبارک ہو زرقا دل دکھانے کتنی زرقا روز جیتی روز مرتی ہیں بھارتی فوج کی کشمیر میں کھلے عام دہشت گردی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اے میرے پروردگار ہمارے کشمیری بہن بھائیوں کی عزت وآبرو محفوظ رکھ انہیں آزادی جیسی لازوال نعمت سے سرفراز فرما آمین۔ التماس بہت اچھا مگر آہستہ جا رہا ہے انوکھا وعدہ اچھی لگی وہ لوٹ آئی سو ساتھی باقی ترکی میں عباسی کیا کہنے مجھے یوں بھی سفرنامے بہت متاثر کرتے ہیں تبسم کش میں اور ابوہریرہ بلوچ اور شائلہ اختر کا شعر پسند آیا آپ کی ڈائری میں خضر حیات تھل کی غزل پسند آئی اُم زہرہ کی خیال آرائی دل کو بھائی' آخر میں سب بہن بھائیوں سے التماس ہے میرے لیے صحت کی دعا کریں اکثر میری طبیعت خراب رہتی ہے۔ ایک بات آپ کو بتاؤں آپی ماہنامہ سچی کہانیاں ایسے دور

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

افتادہ گاؤں تک رسائی حاصل کر چکا ہے جن کے نام سے لوگ واقف نہیں اور میرا آبائی گھر اور گاؤں تلمبہ اور میاں چنوں ہیں عبدالحکیم کے اردگرد خانیوال روڈ' ڈڑی شاہ' نوری سہاگ' غوث پور' چیچہ وطنی کے گرد و نواح چک نمبر 66.9 ٹاہلی موڑ یہ سب بہت پسماندہ علاقے ہیں مگر سچی کہانیاں وہاں تک پہنچ گیا ہے اور میاں چنوں پل کر اٹ کچا کھوہ یہاں سب بھی پرچے کے مداح ہیں اللہ کرے میرا ماہنامہ مزید ترقی کرے میرے میاں چنوں کے ریڈر لکھاری سچی کہانیاں میں موجود ہیں (میرے سمیت الحمدللہ) یہ پرچے کی بہت بڑی کامیابی ہے اللہ آپ کو اور ماہنامہ سچی کہانیاں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے صدق دل سے یہی دعا ہے۔ آخر میں ایک بات رنجشوں کو دل سے نکال دیں معاف کرنا سیکھیں معافی اللہ کو نہایت پسند ہے اپنے دل کو ظرف کو قوت برداشت کو بڑا کیجیے۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی احوال کے ذریعے اللہ حامی و ناصر ہو۔

من کی اُجڑی بستی کا ہم سے ذکر مت چھیڑو
ہم اداس بیٹھے ہیں یہ نگر بسا کر بھی
عشق بھول ہی تو ہے سمجھ سے لوگوں کی
جس میں کچھ نہیں ملتا آبرو گنوا کر بھی

☆ بھئی عابدہ یہ تو بڑی زیادتی ہے دس سال میں صرف دو خط' اداریہ اور ٹائٹل پسند کرنے کا بہت شکریہ تم لوگوں کا ساتھ رہا تو آئندہ بھی سب اچھا ہی ہوگا۔ میں چاہتی ہوں نہ کسی کی دل آزاری ہو نا کسی کے ساتھ زیادتی تمہاری تجاویز اچھی ہیں۔ عابدہ میری خواہش بھی یہی ہے کہ سچی کہانیاں پاکستان کے ہر شہر' قصبے' ہر جگہ پہنچے کیونکہ یہ عام آدمی کا رسالہ ہے اور ہم سب بہت ہی عام ہیں۔ عابدہ میں تمہاری محبتوں کی مقروض ہوں اللہ تمہیں مکمل صحت عطا فرمائے اور تم ہر ماہ احوال میں شرکت کرو۔

☆ فوزیہ فرید کراچی سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! میں اپنی ایک اور تحریر 'وہ روح تھی' کے عنوان سے ارسال کر رہی ہوں اور امید کرتی ہوں پچھلی تحریر کی طرح یہ بھی اشاعت کے قابل ہوگی۔ یہ جو واقعہ ہے یہ بھی بالکل سچا واقعہ ہے اور ہمارے محلے میں رہنے والے ایک صاحب کے ساتھ پیش آیا تھا اکثر اُن کی ذہنی رو بھٹک جایا کرتی تھی جب وہ نارمل حالت میں ہوتے تھے اس دوران وہ اکثر و بیشتر اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے جس میں نے اپنے الفاظ میں تحریر کیا ہے۔ اشاعت کے لیے شکریہ۔

☆ پیاری فوزیہ! تمہاری تحریر دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہی تو وہ شاہکار ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔ سرورق بھی تمہاری تحریر تھی مگر نام غلط شائع ہوا لڑکی ہر تحریر پر اپنا نام ضرور لکھا کرو اور فون نمبر بھی.....

☆ نظر علی برمانی' دادو سے لکھتے ہیں۔ قابل منزہ باجی السلام علیکم! عشق نمبر تین تاریخ کو مل گیا سرورق بہت اچھا لگا۔ اداریے میں آپ نے جوتے کے محو پرواز ہونے کا ذکر کیا۔ میں بھی آپ کی اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ اختلاف رائے میں بھی تہذیب کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لیکن پتا نہیں کس احمق نے یہ کہا ہے کہ سیاست میں سب جائز ہے اور اسی قول پر آج کے سیاست دان عمل پیرا ہیں آج کل کے سیاستدانوں نے تو سیاست کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔ خیر چھوڑیں ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اپنے پرچے کی بات کرتے ہیں۔ احوال میں آپ نے بتایا کہ شیخ معظم صاحب نے کہانی نہیں چرائی تھی بلکہ ان کا نام ادارے کی غلطی سے چھپ گیا۔ جس کی وجہ سے مجھے بھی غلط فہمی ہوگئی جس کے لیے شیخ صاحب سے معذرت کرتا ہوں۔ منزہ باجی آپ نے مجھے تعارف ارسال کرنے کا کہا ہے میں تو بہت نروس ہو گیا کہ اپنا تعارف کیسے لکھوں لیکن آپ نے مجھے اتنی اپنائیت سے کہا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اپنا تعارف لکھ کر بھیجنا ہی پڑا جو کہ شاید اب تک آپ کو مل چکا ہوگا اگر قابل اشاعت لگے تو ضرور شائع کیجیے گا اگر آپ اس کو ٹھیک کرنا چاہیں تو وہ بھی کر لیجیے گا۔ آپ نے مجھے اتنا مان دیا اور اپنا پن دیا جو کہ شاید میں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ باجی آپ نے مجھے آفس آنے کی بھی دعوت دی یہ بھی آپ کی محبت ہے لیکن شاید میں آفس

نمائندہ خصوصی سرگودھا

ممتاز احمد 0321-6540200

سرگودھا میں سچی کہانیاں ملنے میں دشواری پر نمائندہ خصوصی سے رابطہ کریں۔

نہ آسکوں کیونکہ مجھے صرف اتوار کو فرصت ملتی ہے اور اتوار کو آفس بند ہوتا ہے لیکن اگر قسمت میں ملاقات لکھی ہوگی تو انشاء اللہ ایک دن آفس ضرور آؤں گا اور اچھی سی چائے بھی پیوں گا۔ احوال میں سب دوستوں کے خطوط خوبصورت تھے۔ منشی عزیز مئے کی تجاویز بھی مناسب تھیں۔ عبدالغفار عابد نے اپنے خط میں بہت خوبصورت باتیں کیں۔ میں ان کی ہر ایک بات سے سو فیصد متفق ہوں ان کے جذبات قابل تحسین ہیں۔ میں ان کی باتوں پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا ان کی باتیں اس ادارے سے بے لوث محبت کی عکاس ہیں کاش کہ سب قارئین ان کی طرح سوچنے لگیں۔ رفعت محمود نے کانتی سروپ اور کملا دیوی کی عشق کی داستان بہت اچھے انداز میں پیش کی بہت حیرت انگیز اور دلچسپ کہانی تھی اختتام نے اداس کیا۔ عابدہ مغل کی کہانی 'محبت برائے فروخت' نے بے حد دکھی کیا۔ محبت کے نام پر معصوم لڑکیوں کی زندگی تباہ کرنے والے لوگ انسان نہیں بلکہ درندے ہوتے ہیں۔ جنہیں بنا دیر کے صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہیے۔ اس کہانی میں اعجاز مکافات عمل کی زد میں آ گیا لیکن اس کی بہن رانی کی زندگی اور عزت بچ جانے کی بہت خوشی ہوئی۔ اب حسن منیر کو چاہیے کہ اعجاز کو اس کی بہن سے ملا دے تاکہ اس کے دکھ اور پچھتاوے میں کمی ہو۔ افتخار چوہدری کی کہانی 'عشق میں حساب کیسا' متاثر کن تھی لیکن میاں نبیل نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اس نے بے حس اور بدمزاج رائمہ کو اتنی بڑی رقم کیوں دے دی یہ تو بتانا چاہیے تھا تاکہ تشنگی نہ رہتی۔ ریما نور رضوان کی کہانی 'تم ایسی محبت مت کرنا' میں بھی معصوم لڑکی کو محبت کے نام پر دھوکہ دیا گیا۔ ایسی کہانیاں پڑھ کر میں بہت افسردہ ہو جاتا ہوں سوچتا ہوں کہ کاش میں ایسے شیطان اور درندہ صفت لوگوں کو سزا دے سکتا عشق جو ہم سے روٹھ گیا میں رئیسہ خالد نے بالکل صحیح کہا۔ اگر مغربی پاکستان بنالیوں سے اچھا سلوک کرتا ان کی حق تلفی نہ کرتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن یہ اقتدار کی ہوس بہت بری چیز ہے۔ اسی ہوس نے مغربی پاکستان کے حکمرانوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور ان تاریخ اندیشوں کو اپنے اقتدار کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اور ان کی فاش غلطیوں سے ہمارا ملک دولخت ہوا۔ سحرش بانو کی کہانی 'عشق لاحاصل' بہت اچھی رہی پڑھ کر بہت مزا آیا۔ فریدہ فری کی مختصر کہانی خالہ خیرن پڑھ کر خوب ہنسی آئی ایسی مزاح سے بھرپور کہانیوں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کی کہانی ہر ماہ ہونی چاہیے۔ سید ابو محمد آزاد کی ڈائنا امر ہوگئی بہت اچھی رہی ڈائنا کی محبت میں اسی کی اولاد نے اس قدر فلاحی کام کیے کہ ڈائنا واقعی امر ہوگئی۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی کہانی 'معصوم محبت' نے بہت اداس کیا رابعہ کے جنون عشق نے بہت حیران کیا اس کہانی کو پڑھ کر میں بھی قائل ہو گیا کہ عشق واقعی اندھا ہوتا ہے کوئی رکاوٹ کوئی مجبوری نہیں دیکھا اور بس ہو جاتا ہے۔ آخر کار رابعہ نے مرنے سے پہلے عشق کی منزل پائی اس کے مرنے سے دل بہت اداس ہوا۔ لیکن شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ دوشیزہ کے سفر نے بہت متاثر کیا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ باقی سلسلے بھی بہت خوب جا رہے ہیں۔ خطوط اور کہانیوں پر انعام کا اعلان بھی بہت خوش آئند ہے اس سے لکھنے اور پڑھنے والوں کو تحریک ملے گی۔ منزہ باجی اگر آپ کی محنت یونہی جاری رہی تو انشاء اللہ سچی کہانیاں بہت ترقی کرے گا۔ باجی اب اجازت چاہوں گا زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گا۔

☆ نظر بھائی! آپ کا تعارف مجھے مل گیا جلد آپ کی کہانی کے ساتھ شائع کروں گی اور چائے کی دعوت کے ساتھ آپ کو لسکٹ بھی کھلاؤں گی اب آنے والے تو بتیں۔ سچی کہانیاں کا آفس اپنے تمام لکھاریوں کی آمد کا پہلے بھی منتظر تھا اور اب بھی ہے۔ لکھاریوں کو جھوٹ بول کر بدظن کیا گیا پھر گھر پر بلا کر ان سے خوب فائدے اٹھائے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

گئے میں سب جانتی ہوں وقت آنے پر کارروائی بھی کروں گی۔

❁ ساحل علی ابڑو بلوچستان سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے آپ کی خدمت میں ایک انٹرویو محمد خالد شاہان صاحب کا حاضر خدمت ہے۔ بانی انٹرویو آپ کو تازہ شمارہ پر کیا ہوا تبصرہ کے ساتھ مل جائے گا۔ اگر سچی کہانیاں کا ساتھ اسی طرح سے رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہر وقت ادب دوستی کا ثبوت دیں گے۔

☆ ساحل بھائی! آپ کا ارسال کردہ انٹرویو مل گیا ہے اور سچی کہانیاں کو اب سب کے ساتھ کی ضرورت ہے۔

❁ تحسین جونیجو بورڈی شریف سے لکھتی ہیں۔ بہت پیاری منزہ آپی اور قارئین کرام السلام علیکم! موسم گرما شروع ہو چکا ہے۔ ویسے بھی پاکستان کا شمار گرم ممالک میں ہوتا ہے یہاں گرمیوں میں درجہ حرارت 40 سے 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے اور جب درجہ حرارت زیادہ ہو تو گرمی نا صرف ناگوار خاطر بلکہ پُرخطر ہوتی ہے جب ہی تو سورج بھی قیامت کی گرمی لے کر طلوع ہوتا ہے۔ پچھلی گرمیوں میں اپنی آمد ہوتی تھی احوال میں پھر شمارہ لیٹ ملنے کی وجہ سے کئی ماہ حاضری لگوانہ سکی ابھی تک اپریل کا شمارہ ملا نہیں ہے لیکن بہت عرصہ منظر سے غائب رہنا بھی گوارا نہیں تو سوچا موجودگی کا احساس دلایا جائے۔ مارچ کا شمارہ بہت اعلیٰ رہا اس میں انٹرویوز کا اضافہ بہت بھایا جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ سب کو جاننے کا موقع ملے گا احوال میں سوائے چند کے تمام چہرے سامنے آتے ہیں۔ مور شاہد حسین بھائی آپ کا خلوص کہ ہر ماہ یاد رکھتے ہیں اپنی غیر حاضری کے باوجود سلامتی ہو بھائی تمام نئے احوالیوں کو خوش آمدید آپ کی ڈائری میں تمام شہ پارے انتخاب عمدہ ہیں کہانی کوئی نہیں پڑھی تو تبصرہ سے معذرت اگلی بار انشاء اللہ ایک دو ماہ بہت مصروف رہی بھائی کی شادی میں تو بالکل ٹائم نہ مل سکا۔ اجازت آپی۔

☆ پیاری تحسین! گرمی تو اب کراچی میں بھی خوب پڑھنے لگی ہے اوپر سے لوڈشیڈنگ بس دعا ہے کہ اب ہم سب کی قسمت بھی بدلے اور صرف سیاست میں سے ہی نہیں زندگی کے ہر شعبے سے چور ڈاکو اور فراڈ پرست بہت دور ہو جائیں۔ ہمارے احوال میں بھی وہ تمام لوگ شرکت کریں گے جو واقعی میں خود لکھتے تھے کیونکہ لکھاری کے لیے ڈائجسٹ کی اہمیت ہوتی ہے اس میں آنے جانے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

❁ عبدالغفار عابد' چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں۔ باجی منزہ اور اہل محفل کے تمام ممبران کو ناچیز کا سلام پہنچے کا پرچہ پڑھا جس پر تبصرہ حاضر خدمت ہے' آغاز باجی کے اداریے سے کرتا ہوں ہر انسانی اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے اور ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی توانائیاں' صلاحیتیں' ذرائع اور وسائل کو استعمال کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے اصول وضوابط کو پامال کر دیتے ہیں اور صحیح وغلط اور حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے سیاستدان بھی کامیاب اقتدار کی خاطر اداکار بن جاتے ہیں چند ماہ بعد یہ سیاستدان عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے عوام باشعور ہو چکے ہیں اب تو اِکا دُکا جوتوں کا دور ہے کچھ دنوں کے بعد ان مفاد پرست سیاستدانوں کو لوگ ہر جگہ جوتوں کے ہار پہنائیں گے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ قائداعظم کے بعد ہمیں سیاستدان تو بہت ملے مگر کوئی لیڈر نہ ملا' یہی وہ سیاستدان تھے جن کی مفاد پرستوں نے ہمیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو رئیسہ خالہ کی تحریر عشق جو ہم سے روٹھ گیا کا مطالعہ کریں۔ سیاستدانوں کی خواہشات صرف اقتدار کی کرسی ہوتی ہے۔ ان سیاستدانوں کے منفی کردار دیکھ کر لوگ جوتے اٹھانے پر مجبور ہیں۔ ان سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں پر جینا ہے تو کہیں سے مٹھی بھر زندگی لے آؤ۔ عشق نمبر کی ہر کہانی میں عورتوں کی توہین کی گئی مگر یہ وہ ستارہ ہے جو اپنے کھوئے ہوئے راستوں کی راہ بھی دکھا دیتا ہے۔ اعجاز بھی اگر گزند کرتا تو آج رسوائی اس کا مقدر نہ ہوتی۔ محبت کا جذبہ فطری ہے جس کی توہین گناہ ہے۔ عابدہ مغل نے اس کی وضاحت بہت خوبصورت انداز میں کی' سحرش بانو کی تحریر 'عشق لاحاصل' میں بھی محبت کی توہین کی گئی۔ اس دنیا کا دوسرا نام محبت ہے جو اس کی نفی کرتا ہے وہ انسان کہلانے کے حق

دعائے صحت

سچی کہانیاں کی مصنفہ حنا بشریٰ کے والدان دنوں شدید علیل ہیں ادارہ ان کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہے اور اپنے پڑھنے والوں سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہے۔ (ادارہ)

دار نہیں۔ عشق کے ساتھ دھوکہ کرنے سے بہت سے عزیزوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے مگر انسانیت سوگوار ہو جاتی ہے۔ اُداسی اس کیفیت کا نام ہے جس میں صرف اپنے بارے میں سوچا جاتا ہے مگر عشق میں اپنے آپ کو کھونا پڑتا ہے۔ افتخار چوہدری نے اپنی تحریر عشق میں عشق کی بے اختیاری کی وضاحت بیان کی۔ تم ایسی محبت مت کرنا ریما نور رضوان کی اس تحریر پر یہی لکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ امید ایک ایسا پل صراط ہے اس پر سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے اور اس طویل رہ گزر سے ضروری بھی نہیں کہ انسان کا سنبھلنا کام آ جائے پار اتر کر بھی انسان ڈگمگا جائے تو امید کا دیا بجھ جاتا ہے۔ نازیہ بتول رضا کی احساس محبت بہت کمال کی کہانی تھی اگر احساس پیدا ہو جائے تو انسانیت زندہ ہو جاتی ہے۔ محبت کی توہین اور اس سے نفرت کرنے والوں کے لیے سیدہ عروج فاطمہ نے ایک سبق آموز تحریر لکھی۔ عشق نمبر کی ہر کہانی غور طلب تھی کاش ہم حقیقت سے ہاتھ ملا لیں۔ آل پاکستان ساگر تقریب ایوارڈ پڑھی جس میں سچ کم اور جھوٹ زیادہ تھا میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا مختصر یہ کہ مہر پرویز دولوا اس تقریب میں شامل نہیں تھے سچی کہانیاں کئی سالوں سے ادب کی خدمت کر رہا ہے اس میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں یہ کوئی لانڈھی کا پیپر فارم نہیں یہاں ہر کوئی پکوڑے اور سموسے بیچتا بھرے' چوری کی کہانی کو حقیقت کا نام دے کر شہرت حاصل کرنا اب بہت مشکل ہے۔ باجی منزہ اصولوں پر کمپرومائز مت کیجیے گا اور سب پر کڑی نظر رکھیں۔

☆ بھائی غفار! آپ نے درست کہا ہمارے پاس چغادریوں کی کوئی جگہ نہیں میں بھی اصولوں پر کمپرومائز نہیں کروں گی جاہلوں کے ہاتھ میں قلم تھما کر بہت بڑی غلطی کر چکی ہوں۔ غفار بھائی آپ کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں آپ جس محنت اور لگن سے روز بروز سچی کہانیاں کے سالانہ خریداروں میں اضافہ کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

❁ شازلی سعید مغل کراچی سے لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ آپی' السلام علیکم! مجھے پوری امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش و خرم اور شاد و آباد رہیں۔ دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ تو زندگی میں ہوتا رہتا ہے مگر جب کوئی اپنا بزرگ اور وہ بھی محبت کرنے والا پُرخلوص بزرگ اچانک اس بے ثبات دنیا سے منہ موڑ لے تو اس وقت کی حالت زباں و بیان سے ہمیشہ باہر رہی ہے۔ ناصر رضا بھائی اسی طرح اس دنیا سے چلے گئے کہ مان و گمان بھی نہ تھا ہمیشہ املتاس کے سلسلے میں مہینے کی پہلی تاریخ کو فون یا میسج کرتے تھے یا میں خود کرتی تھی۔ اس مرتبہ بھی آپی اکتیس دسمبر کی سرد رات اُن کا میسج آیا تو پھر فون پر بات ہوئی۔ بیٹا کب دے رہا ہے تو قسط' اس طرح یہ لفظ تھے اور یہ اب تک کانوں میں گونجتے ہیں' یقین نہیں آتا مجھے سچی کہانیاں میں متعارف کرانے والے مہربان بزرگ اب نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے درجات بلند فرمائیں اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین ثم آمین۔ شمارے کی طرف آتی ہوں۔ منزہ آپی آپ ہر شمارہ خاص شمارہ بنا رہی ہیں ماشاء اللہ سرورق ہو یا کہانیوں کا انتخاب ہر ہر سطر دل باغ باغ کر دیتی ہے اور اس مرتبہ تو آپ کے احوال میں کیے گئے اعلانات نے خوش خبریوں نے دل جیت لیا۔ جس کے لیے بہت بہت شکریہ آپی' سچی کہانیاں میرا پہلا پلیٹ فارم ہے اور میرا پہلا رسالہ ہے جس کو ہوش سنبھالتے ہی پڑھنا شروع کیا اور جب لکھنا شروع کیا تو بھی اسی رسالے کو چنا اور اس نے سچی کہانیاں نے مجھے پذیرائی دی۔ وہ چاہے میرے خطوط ہوں کہانیاں یا میرا پہلا ناول تاشون سچی کہانیاں پڑھنے والے میرے قارئین نے مجھے ہمیشہ پذیرائی دی جس کے لیے میں ہمیشہ ممنون ہوں۔ اور سچی کہانیاں کی شکر گزار ہوں۔ اور سچی کہانیاں

http://www.books.urdufunbe.net/
http://www.urdufunbe.net/

میں کس جگہ
دوشیزہ
کے چرچے نہیں

آپ دوشیزہ کے خریدار ہیں کو ملک کو
زیادہ سے زیادہ بھیجیے

اندرون ملک =/1000 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے تک دستیاب ہے

کویت	65 امریکی ڈالرز	ایران	65 امریکی ڈالرز
سعودی عرب	65 امریکی ڈالرز	سری لنکا	65 امریکی ڈالرز
یو اے ای	65 امریکی ڈالرز	جاپان	65 امریکی ڈالرز
مصر	65 امریکی ڈالرز	لیبیا	65 امریکی ڈالرز
یونان	65 امریکی ڈالرز	ڈنمارک	65 امریکی ڈالرز
فرانس	65 امریکی ڈالرز	جرمنی	65 امریکی ڈالرز
برطانیہ	65 امریکی ڈالرز	ہالینڈ	65 امریکی ڈالرز
ناروے	65 امریکی ڈالرز	پولینڈ	65 امریکی ڈالرز
امریکہ	75 امریکی ڈالرز	کینیڈا	75 امریکی ڈالرز
افریقہ	75 امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	75 امریکی ڈالرز

زرسالانہ

نمائندہ خصوصی:

ساہیوال ڈویژن.....عبدالغفار عابد.....0333-6370659

قمبر / شہداد کوٹ.....مور شاہد حسین.....0301-2868143

آج ہی رابطہ کیجیے

88-C II فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121 - 35893122

اور آپ کے ساتھ پر مجھے فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عشق نمبر بہت خوبصورت اور حسین ٹائٹل کے ساتھ ملا۔ ایک سے بڑھ کر ایک کہانیاں عشق کا ہوشربا طلسم بیان کرتی تھیں کانتی سروپ ہندو معاشرہ کی تصویر بیان کرتی کہانی جسے رفعت محمود نے لکھا بے انتہا خوب تھی۔ عشق میں حساب کیسا افتخار چوہدری نے واقعی درست لکھا عشق میں حساب کیسا بہترین کہانی' عابدہ مغل بھی محبت برائے فروخت لے کر آئیں۔ دنیا کے سارے دھوکے ایک طرف محبت میں کھایا گیا دھوکہ ایک طرف پُراثر تحریر ریحانہ خالد کی عشق جو ہم سے روٹھ گیا آنکھوں کو بھی نہیں روح تک کو رُلا گئی اس کہانی کے لیے لفظ نہیں سحرش بانو کی عشق لاحاصل بہترین تحریر تھی۔ خالہ خیرن فریدہ فری مسکراہٹ بکھیرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ سید ابو محمد آزاد کی ڈائنا امر ہوگئی واقعی محبت امر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی معصوم محبت فون تحریر تھی۔ نازیہ بتول رضا کی احساس محبت واقعی محبت کے احساسات کو درجہ بند کرتی قربانیوں سے گوندھی سبق آموز کہانی تھی۔ شعیب صادق کی تحریر کنواری ماں بہت خوب سیدہ عروج فاطمہ کی ادھوری محبت کی مکمل کہانی واقعی مکمل کہانی تھی۔ حنا بشریٰ کی شمع عشق' عشق کی کاملیت کی اصل داستان عمدہ تحریر تھی۔ نزہت جبیں ضیاء کی پُراسرار کہانی انوکھا وعدہ اچھی تحریر تھی سیدہ زینب فدا کی تحریر وہ لوٹ آئی بہت خوب تھی۔ رسالہ ماشاء اللہ بہت خوبصورت کہانیوں سے مزین تھا۔ میں ان تمام پڑھنے والوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جو میری تحریر کو بھرپور پذیرائی سے نواز رہے ہیں۔ اس کے ساتھ آپی اب اجازت دیجیے۔

☆ پیاری شازلی! تمہیں اپنے درمیان پاکر بہت اچھا لگا اور یہ جان کر تو بہت خوشی ہوئی کہ شمارہ تمہیں بھا گیا۔ بڑی زیادتی کی ہے شازلی میں نے اپنے اس بچے کے ساتھ اب پوری توجہ دوں گی اور محبت سے پروان چڑھاؤں گی تم لوگوں کا بس تعاون درکار ہے۔

✍ حنا بشریٰ لاہور سے لکھتی ہیں۔ تمام نئے اور پرانے لکھنے والوں کو اور قارئین کو سلام' اللہ پاک تمام اُمت مسلمہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر غم و پریشانی سے محفوظ رکھے آمین۔ اپریل کا شمارہ بہت جلد مل گیا بے حد دلی خوشی ہوئی عشق نمبر بہت اچھا لگا۔ سب لکھنے والوں نے کہانیاں خوب محنت سے لکھیں۔ کانتی سروپ کیا کمال تحریر تھی۔ عشق میں حساب کیسا افتخار چوہدری نے خوب لکھا۔ محبت لاحاصل بھی بہت عمدہ تحریر تھی خالہ خیرن فریدہ فری صاحبہ نے بھی اچھا لکھا۔ کنواری ماں شعیب صادق کی تحریر بے حد جاندار لگی بہت اچھا میسج دیا۔ مدیحہ گل نے بھی اچھی تحریر دی۔ احساس محبت نے بھی مزہ دیا۔ میری تحریر شائع کرنے پر منزہ آپی بہت بہت شکریہ ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ۔ میرے ابو جان شدید علیل ہوگئے ہیں سب پڑھنے اور لکھنے والوں سے دعا کی درخواست ہے اللہ پاک سب کے والدین کو سلامت رکھے آمین۔

☆ ڈیئر حنا! اللہ تمہارے ابو کو مکمل صحت عطا فرمائے آمین' شمارہ پسند کرنے کا بہت شکریہ اور اچھی لڑکی تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنی اچھی تحریر بھیجی مجھے یقین ہے کہ تمہارا ساتھ اسی طرح مجھ سے اور سچی کہانیاں سے جڑا رہے گا۔

✍ خضر حیات روڈہ کھل سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم! محترمہ ایڈیٹر صاحبہ آپ کیسی ہیں امید کرتا ہوں آپ خیریت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو سدا خوش رکھے سلامت رکھے اور لمبی عمر دے آمین۔ سچی کہانیاں کے سب قارئین اور رائٹرز کی کہانیاں کو پڑھنے اور چاہنے والیوں کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو۔ اپریل کا شمارہ عشق نمبر ایک انتہائی خوبصورت دلکش اور حسین ٹائٹل کے ساتھ 8 اپریل کو مل گیا۔ ٹائٹل انتہائی دلکش اور حسین تھا کہ میں کیسے بیان کروں۔ اس نے تو پورے شمارے کا مزہ ہی دوبالا کر دیا۔ پورا شمارہ ایک طرف اور ٹائٹل ایک طرف جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا شمارہ ہر لحاظ سے سپرہٹ تھا۔ پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک سب کہانیاں بہت بہت ہی دلکش' خوبصورت اور حسین تھیں سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ واقعی عشق نمبر' عشق نمبر تھا۔ لاجواب اور باکمال عشق نمبر تھا میری طرف اتنا پیارا خوبصورت شمارہ نکالنے کی مبارکباد دیہ آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر میں کہانیوں کے نام لکھوں تو یہ بہت بہت ہی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

زیادتی ہوگی کہ فلاں کی ایسی تھیں فلاں کی ایسی تھی آپ کی ڈائری میں سب تحریریں پسند آئیں اور اچھی لگیں اپنی اور اپنے دوست کی تحریریں دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔ میں مزید کچھ تحریر بھیج رہا ہوں پلیز پلیز آپی مئی کے شمارے میں ضرور لگایئے گا پلیز خط مکمل لگایئے گا اب تک کے لیے اتنا ہی زندگی نے وفا کی تو آئندہ انہی صفحات کے ساتھ پھر ملاقات ہوگی۔ دعا ہے کہ سچی کہانیاں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ خضر! مجھے اچھا لگا تم نے بروقت خط لکھا شمارہ پسند کرنے کا شکریہ مجھے لگتا ہے تم کہانی بھی لکھ سکتے ہو ضرور لکھو میں شائع کروں گی۔ مجھے تمہارے اندر ایک اچھا لکھاری چھپا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

❁ نفیسہ فضل کراچی سے لکھتی ہیں۔ پیاری بہنا منزہ خوش رہو زندگی کی بہاریں دیکھو آمین۔ میں کیا تعریف کروں میرے الفاظ ختم ہوگئے ہیں شاید' کتنی محنت اور لگن سے کتنے ذوق وشوق سے یہ کارواں لے کر چلی ہو سبحان اللہ' میں تو سوچ رہی تھی کاشی بیٹا واپس آجائے گا مگر جس کا کوئی نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے۔ ہمت مرداں مدد خدا ہاں تو بیٹی اب آتی ہوں کہانیوں کی طرف کہانیاں سب ہی اچھی ہیں سب سے پہلے تو میں مسئلہ یہ ہے پڑھتی ہوں اللہ پاک بابا جی کو زندگی وصحت عطا فرمائے آمین۔ ان کے وظائف ومشوروں سے ہزاروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ پھر الماس بڑی پیاری دلچسپ اسٹوری ہے ویلڈن شازلی سعید ریشم کے دھاگے روشانے سبحین ہمارودی زبردست تحریر ہے وہ لوٹ آئی سیدہ زینب اچھا انتقام تھا روح کا انوکھا وعدہ' نزہت جبیں ضیا ایسی بہت سی کہانیاں سنی ہیں دوشیزہ کا سفر منزہ تم نے تو میری جوانی یاد دلادی میری پہلی کہانی اخبار جہاں میں رعنا فاروق نے ہی شائع کی تھی مصروفیت کے باعث ابھی باقی کہانیاں نہیں پڑھیں پرچہ 6 اپریل کو ملا تھا۔ میں نے اپنے شوہر کے انتقال کے ایک سال بعد چند اشعار کہے تھے جو غزل کی صورت آپ کو سچی کہانیاں کے لیے ارسال کررہی ہوں امید ہے پسند آئیں گے بیٹا ملازم حسین شیرازی بہت شکریہ آپ کی دعاؤں کا مگر اللہ چلتے ہتھ پیر رکھے آمین۔ میں اکیلی رہتی ہوں ایم حسن نظامی بیٹے آپ کی محبت کا شکریہ آپ میری تحریر پسند کرتے ہیں اللہ پاک سچی کہانیاں سے وابستہ تمام لکھاریوں اور قارئین کو خوش اور سلامت رکھے آمین۔

بستے بستے بس جائیں گی ویرانی یہ بستی
کتنے لوگ یہاں ہیں آئے چھوڑ کے سب اپنوں کو
گھر ویران کیا ہے سب نے بسے ہیں شہر خموشاں
جب ہم دیکھیں گھر میں ان کو آنکھیں ڈھونڈ نہ پائیں
روتے روتے جب سوجائیں خواب میں پھر آجائیں
جب ہم چاہیں ہاتھ پکڑنا آنکھیں پھر کھل جائیں
پھر ہم چاہیں کاش دوبارہ وہ نظر آجائیں
پر وہ ہم کو جل دے جائیں ہم روتے رہ جائیں

☆ پیاری آنٹی! یقین مانیں آپ کے خط سے بہت حوصلہ ہوا اور خوش بھی ملی۔ مجھے تو خود پتہ نہیں تھا کہ میرے سچی کہانیاں کے لکھاری اس قدر سلجھے ہوئے اور اچھے ہیں جس طرح ان سب نے میرا ساتھ دیا میں قائل ہوگئی کہ لکھنے پڑھنے والے لوگ دنیا میں کہیں بھی ہوں وہ ایک ہوتے ہیں۔

❁ نعمان احمد کوڑی ضلع جام شورو سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ ماہ فروری میں احوال پر تبصرہ لیٹ ہوگیا جو بذریعہ میل ارسال کیا تھا اسی وجہ سے ماہ مارچ میں شامل نہ ہوسکا۔ ناصر رضا کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا رب کائنات اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے اگر فارغ وقت مل گیا تو میں ان میں ایک واقعہ ماہ مئی میں تحریر کردوں گا سچی کہانیاں میں شامل تمام سلسلے اچھے ہیں اور آخر میں تمام احوالیوں' قارئین اور رائٹرز کے لیے سلامتی' خوشحالی' تندرستی کی دعا

اور جن کے عزیز واقارب اس دنیائے فانی سے پردہ کرچکے ہیں ان کے لیے دعائے مغفرت اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ نعمان خط لکھنے کا شکریہ' میں تمہاری تحریر کی منتظر رہوں گی۔

❁ سیمیں غزالہ نہاں کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ' السلام علیکم! امید ہے خیریت ہوں گی۔ تقریباً دو مہینے سے میری طبیعت خراب ہے۔ اس لیے تمام ایکٹویٹی بند ہوکر رہ گئی ہے۔ دراصل عرق النساء کے درد نے مجھے بے حال کردیا تھا۔ اب اللہ کا شکر ہے درد میں کافی کمی آگئی ہے۔ ویسے بھی یہ درد تو دورے کی طرح اٹھتا ہے۔ ہوتا ہے تو بہت ہوتا نہیں ہوتا تو کافی دنوں تک نہیں ہوتا اور اب تو میں عادی ہوگئی ہوں۔ اس ماہ سچی کہانیاں مجھے آٹھ تاریخ کو ملا۔ ابھی دو تین کہانیاں ہی پڑھی ہیں۔ اسی پر اپنی ناقص رائے پیش کررہی ہوں۔ اداریہ تو خیر ہوتا ہی بہترین ہے مگر اس ماہ جوتے کا سفر Thought Ful کے علاوہ دلچسپ بھی تھا۔ کہانیوں میں خالہ خیرن کا کردار فریدہ فری کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کو ملتا رہتا ہے۔ بہرحال اچھا تھا۔ محبت برائے فروخت عابدہ مغل کی سبق آموز اور بہترین کہانی ہے عشق میں حساب کیسا افتخار صاحب کی کہانی سچے عشق کی کہانی ہے کانتی سروپ کا عشق سچا عشق ٹھہرا جو اپنی شریک حیات سے تھا۔ معصوم محبت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ محبت کا اتنی بے باکی سے اظہار عشق تو نہیں کہلاتا۔ ریما نور رضوان صاحبہ کی کہانی تم ایسی محبت مت کرنا سبق آموز ہے۔ دوشیزہ کا سفر بہت اچھا لگا۔ جیلانی بانو سے ملنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے سنا تھا پاکستان آنے والی ہیں مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پروگرام ملتوی ہوگیا ہے۔ جیلانی بانو کی دیوانی آج کل میرے گھر میں کرایہ دار ہیں ان سے معلوم ہوا ہے۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھ سکی ہوں۔ ایک اور کہانی میں نے آپ کو بھیجی ہے۔ رشتوں کا فریب شاید یہ آپ کو مل گئی ہوگی پھر یہ ہی کہوں گی کہ معیاری ہو تو حاصلہ افزائی کیجیے گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سچی کہانیاں نے مجھے بڑا حوصلہ بخشا ہے۔ اس لیے سب کو چھوڑ کر اس کی ہوگئی اور ہاں میری کہانی آگاہی کا عذاب جس نے پسند کیا ان کا شکریہ اب اجازت دیں خدا حافظ۔

☆ اچھی سی سیمیں! اللہ تمہیں صحت کلی عطا فرمائے عرق النساء کا درد کس قدر شدید ہوتا ہے مجھے اندازہ ہے میں نے امی کو ایک عرصے تک اس میں مبتلا دیکھا۔ تمہاری کہانیاں میرے پاس موجود ہیں۔ ڈیئر پوری کوشش ہے کہ میرے لکھاریوں کو اب مزید انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

❁ ارشد اقبال چوہان جڑانوالہ سے لکھتے ہیں۔ پیاری بہنا منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! شمارے میں میرا مارچ کے لیے لکھا ہوا خط شامل کرنے کا بہت شکریہ' مگر آپ نے میرا اپریل کا اسکور کم کردیا ہے۔ آپ نے تجویز مانگی ہے تو حاضر ہے۔ خطوط کے سطور غیر ضروری نکال دیا کریں۔ امید ہے نتیجہ اچھا ہوگا۔ انشاء اللہ..... ناصر صاحب سے درخواست کر کے کہانی کی تفسیر کے لیے (سہام مرزا صاحب کی طرز پر) شعر کی درخواست کی تھی جس کو انہوں نے پذیرائی بخشی' مگر آپ نے یہ روایات ختم کردی ہیں یہ کام محنت طلب ہے مگر سب پر نہیں تو دو چار پر ہی کوئی شعر اُن کے متعلقہ اگر مل جائے تو دے دیا کریں شکریہ' میرے خط کے جواب میں جو شوہر صاحب کی بے بسی بیان کی ہے تو میرا خیال ہے دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام ہم کو راضی کرنا ہے۔ کمپیوٹر تو بک گیا مگر لیپ ٹاپ کا کیا کریں؟ غصہ نہ میری بہن کریں حالانکہ بات تو آپ کی راؤی کے خلاف ہے کتابت کی کافی غلطیاں ہوتی ہیں قابل قبول کو قابل لکھ دیا جاتا ہے ذرا توجہ دیں شکریہ۔ دھند کے اُس پار تو ختم ہوگئی ہے۔ الماس اور ریشم کے دھاگے ختم ہونے پر صرف ایک ناول ہی قسط وار شائع کریں اور زیادہ صفحات کے ساتھ مگر ناول وہ شائع کریں جو مکمل آپ کے پاس ہو' تاکہ پرچہ لیٹ نہ ہو..... شمارہ اپریل جلدی مل گیا اور سارا پڑھ بھی لیا..... تبصرہ حاضر ہے مشق نمبر کا سرورق ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ بہت خوب' مگر پہلی کہانی نے ہی مایوس کیا۔ ہندو کلچر کو فروغ دینا سچی کہانیاں کو جچتا نہیں' عابدہ مغل کی محبت برائے فروخت سبق آموز ہے کاش ہماری نئی نسل کو عقل آجاوے' میرے خیال میں اعجاز کو بہت سزا مل چکی ہے اُس کی ندامت کے بدلے اب رانی سے ملوا دینے میں کوئی حرج نہیں افتخار چوہدری صاحب کی عشق میں

http://www.bookstube.net/
http://www.urdutube.net/

حساب کیسا نے کوئی خاصر تاثر نہیں چھوڑا۔ دائمہ خان جیسے لوگ کسی کی قدر کر ہی نہیں سکتے۔ ریما نور رضوان صاحبہ کی تم ایسی محبت مت کرنا لڑکیوں جو تمہیں غلاظت کی کھائی میں اوندھے منہ پھینک دے سنہری الفاظ ہیں' ریکسہ خالہ نے ہماری قوم کو آئینہ دکھایا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا' مگر اب یہ دعا ہے کہ اللہ ہمارے بنگلہ دیشی بھائی بھی ترقی کریں اور اللہ باقی ماندہ پاکستان کو بھی اپنی امن میں رکھے آمین۔ سحرش بانو صاحبہ کی مشق لاحاصل میں یہ الفاظ نچوڑ ہیں کہانی کا کہ محبت میں سب کچھ جائز ہونے کے باوجود' خود غرضی جائز نہیں' بہرحال انجام متاثر کن ہے اب جیا فاروق بھی ضرغام کو معاف کر دیں تو یہ اُن کی عظمت ہوگی۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی معصوم محبت میں رابعہ کے دردناک انجام نے اُداس کر دیا۔ نازیہ بتول کی احساس محبت میں عدین اور فریحہ کے فیصلے عظمت بھرے ہیں۔ لیکن ایک بات سمجھ نہ آسکی کہ فریحہ جازم کی پھوپی زاد ہے تو کہانی میں جگہ جگہ ممانی کو پھوپی کیوں بنا دیا گیا ہے۔ کیا یہ نازیہ صاحبہ کی غلط ہے یا کتابت کی..... لیکن یہ اچھی بات نہ ہے..... دوشیزہ کا سفر خوشگوار یادوں کو تازہ کر گیا' حنا بشریٰ کی یہ عشق دین اسلام کے آفاقی ہونے کا ثبوت ہے۔ املتاس بہت اچھی جا رہی ہے۔ دھند کے اُس پار ختم ہونے کے بعد امید ہے اس کے صفحات میں اضافہ کیا جائے گا۔ سیدہ زینت کی وہ لوٹ آئی کے ملک ہادی جیسوں کا یہ ہی انجام ہونا چاہیے قمر علی عباسی نے ترکی کی خاص تاریخ سے آگاہی کروادی بہت شکریہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ' بابا جی کی عمر اللہ لمبی کرے اور وہ بھی لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہیں آمین۔ آخر میں تمام اہالیوں کو سلام اللہ پاک آپ کی کاوشوں کو جلا بخشے آمین' انعامات کا سلسلہ بہت اچھا ہے کتاب سے نئی نسل کا سلسلہ جو ختم ہو رہا ہے اللہ کرے پھر سے جاری ہو جائے آمین بہت سی نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

☆ ارشد بھائی خط تو بڑا زبردست لکھا ہے آپ نے بہت جامع اور مختصر..... شعر مجھے بھی اچھے لگتے ہیں مگر کچھ عرصے کے لیے میں سچی کہانیاں کا فارمیٹ بدل رہی ہوں' اگر کوئی لکھاری اپنی تحریر کے ساتھ شعر بھیجے گا تو وہ ضرور لگاؤں گی اسی طرح تیر نیم کش کا سلسلہ فی الحال ختم کر رہی ہوں کیونکہ چند لوگوں کے علاوہ اس میں پڑھنے والوں کی شرکت برائے نام ہے۔

☆ منشی محمد عزیز مئے' لڈن وہاڑی سے لکھتے ہیں۔ اچھی آپی منزہ سہام' السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ چھ اپریل کی شام کو سچی کہانیاں کے مدیر اعزازی اور ہمارے ہر دلعزیز اور پیارے سے من موہنے سے لکھاری محمد سلیم اختر صاحب کا فون آیا' جسے سن کر دل کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ مدیر اعزازی کا بذات خود مجھ عاجز کو فون کرنا میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ سلیم صاحب نے مختصر وقت میں سچی کہانیاں کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی اور بتایا کہ سچی کہانیاں مارکیٹ میں آچکا تھا۔ حالانکہ مجھے تب تک تازہ ترین شمارہ موصول نہیں ہوا تھا اور مجھے حیرت تھی۔ خیر جب سات اپریل کو سچی کہانیاں ملا تو دل کو طمانیت سی محسوس ہوئی۔ حسب روایت سب سے پہلے احوال کا جائزہ لیا۔ جہاں ہمارے پرانے دوست نظر علی برمانی صدارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھے۔ وعلیکم السلام برمانی پیارے اور جوابی دعائیں' شاد و آباد رہیں۔ تبصرہ بھرپور تھا' نشست نمبر تیرہ پر اپنا نام تھا بہت شکریہ کہ آپ نے میری تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے انعامی سلسلے شروع کر دیے ہیں۔ مارکیٹنگ منیجر زین شمسی اعزازی ایڈیٹر محمد سلیم اختر اور آپ کی طرف سے انعامی رقم کے اعلان یقیناً مثبت انداز میں اثر انداز ہوں گے۔ اس بار احوال میں پرانے دوستوں کے علاوہ کافی نئے نام بھی نظر آئے جو کہ خوش آئند بات ہے۔ سب نیو کمرز کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید' اس بار کا سرورق پر ایک' ملکہ نما' ماڈل زیورات سے لدی پھندی نظر آئی اداریہ میں محترمہ منزہ سہام مرزا نے بجا طور پر لکھا کہ جوتے کا سفر پیروں تک محدود رہے تو بہتر ہے اور واقعی میں سیاستدان چاہے کسی بھی پارٹی کا ہو جوتے مارنے کا کام میری نظر میں غلط ہے اور مہذب قوموں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ حامد شکور غالباً عظمی شکور کے رشتے دار ہیں؟ تبصرہ کی پسندیدگی پر ڈاکٹر عامر شہزاد آف ننکانہ صاحب (ننکانہ صاحب پڑھ کر مجھے سچی کہانیاں کی بزرگ لکھاری مرحومہ حمیدہ ناصرہ نقوی یاد آگئیں۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے) ایم حسن نظامی' مور شاہد حسین' فیصل ندیم بھٹی' ملازم حسین

شیرازی کا مشکور ہیں۔ عشق نمبر کی پہلی تحریر کانتی سروپ میں ایک ہندو جوڑے کی سچی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ محبت برائے فروخت (عابدہ مغل) میں اعجاز اپنے کیے پر نادم نظر آیا۔ بہت سبق آموز تحریر تھی۔ حسن منیر کا جذبہ قابل ستائش ہے جو اس نے اعجاز کی بہن رانی سے شادی کر لی۔ ویسے تو یہ تحریر ہر لحاظ سے مکمل اور بھرپور تھی مگر ایک التجا مصنفہ سے کرنا چاہوں گا کہ خدارا انگریزی کے الفاظ کم سے کم استعمال کیا کریں اردو زبان کے فروغ کو ترجیح دیں۔ شکریہ اور میری بات کا برا بھی نہیں ماننا' افتخار چوہدری کی تحریر عشق میں حساب کیسا کا انجام خوشگوار تھا۔ ریما نور رضوان صاحبہ نے اپنی تحریر کے ذریعے لڑکیوں کو نام نہاد محبت کے نام پر لٹنے سے آگاہ کیا ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے پس منظر میں ریکسہ خالد کی لکھی تحریر عشق جو ہم سے روٹھ گیا میں سیاست کی چالبازیوں کو خوب اجاگر کیا۔ عشق لاحاصل میں سیاست کی چالبازیوں اور محبت ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ خالہ خیرن پڑھتے ہوئے فرح کی شرارتیں خندہ زیر لب کا کام کرتی رہیں۔ ماضی کی خوشگوار یادوں کو فریدہ جاوید فری نے ہلکے پھلکے انداز میں خوب بیان کیا۔ سید ابو محمد آزاد' عزم و ہمت کا پیکر مسز ڈانٹا کی داستان حیات سنا رہے تھے۔ مشعل راہ ہوتے ہیں ایسے عظیم لوگ جو اوروں کے لیے محبت اور ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عامر شہزاد ایک طالبہ کی اپنے پروفیسر سے بے لوث اور ریاکاری و تصنع سے پاک محبت کا ناکام فسانہ لے کر حاضر تھے۔ شگفتہ شفیق اس بار ایک نثر نگار شعیب صادق پر مختصر مضمون کے ساتھ حاضر تھیں۔ لگے ہاتھوں اُن کی تحریر کنواری ماں بھی پڑھ ڈالی۔ سیدہ عروج فاطمہ نے اپنی تحریر میں ان والدین کو پیغام دیا ہے جو اپنی اولاد کی خوشی محض اپنے خون کے رشتوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ ساحل ابڑو نے جعفر آباد میں ہونے والی ایوارڈ تقریب کا احوال اور تصاویر دے کر خوب محظوظ کیا۔ ایوارڈ یافتگان' خاص طور پر مقصود احمد بلوچ' مہر پرویز دولو' ملک این اے کاوش کو مبارکباد' محمد اسلیم آزاد پیارے دوست کا نام بطور چیئرمین اور ساحل ابڑو کا نام بطور وائس چیئرمین پڑھ کر دل کو گونا گوں مسرت ہوئی۔ قرینہ عشق میں مصنفہ نے اپنے ماضی کی خوبصورت یادوں کو بڑے دل آویز اور دلفریب انداز بیان میں پیش کیا ہے' خصوصاً چڑیل والا پڑھ کر بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ دوشیزہ کا سفر اور تصاویر تو گویا ایک نایاب خزانہ ہیں جو کہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہمیں ملتا رہے گا۔ بہت خوب منزہ آپی یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ باریک بینی سے شائع کیجیے گا' بے شک جتنا بھی طویل ہو جائے پروا نہیں حنا بشریٰ کی تحریر عشق میری نظر میں اس ماہ کی بہترین تحریر تھی اور اس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ پہلی پُراسرار تحریر انوکھا وعدہ میں نزہت صاحبہ نے صدقہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ صدقہ رد بلا ہے' دوسری پُراسرار تحریر وہ لوٹ آئی میں ارن و زرار اور زین کا موضوع چنا گیا ہے کہ یہ جاگیردار لوگ زمین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ سفرنامہ میں قمر علی عباسی سفرنامہ کے ساتھ تاریخ سے بھی روشناس کراتے رہتے ہیں اور یوں ایک ٹکٹ میں دو مزے ہو جاتے ہیں۔ آپ کی ڈائری میں ایم حسن نظامی کی غزل' مریم شاہ بخاری کا ادھورا پن اندھے اور بہرے صائمہ اقبال کی خیال آرائی پسند آئی۔ تیر نیم کش میں انعام یافتگان کے اشعار کہاں ہیں؟ اب اللہ حافظ۔

کوچ کرنے سے پہلے دعا کر رہا ہوں کہ وہ بھی ظفر
شہر والوں کے ہمراہ آ کے کہے میری جان ! الوداع

☆ عزیز بھائی! کچھ لوگ بچھو جیسی فطرت رکھتے ہیں آپ کچھ کریں وہ ڈنک ضرور ماریں گے۔ خیر چھوڑیں شمارہ اچھا لگا بہت شکریہ' دوشیزہ کا سفر اس بار اختتام پذیر ہو گیا امید ہے اگلا بھی ایسا ہی ہوگا۔

☆ حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے لکھتے ہیں۔ پیاری سی بیٹی منزہ سہام' سدا خوش رہو اور دوسروں کی زندگیوں کو جلا بخشتی رہو۔ السلام علیکم سلام مسنون کے بعد خیریت کا طالب اللہ کے فضل سے خیریت سے ہے اور آپ کی خیریت کے لیے خداوند قدوس سے دعا گو ہوں۔ خط کا آغاز کرنے سے پہلے کافی کش مکش میں ہوں کہ میں آپ کو کس لقب سے پکاروں پیاری سی بیٹی کہوں یا اچھی سی بہن' عزیزہ لکھوں یا غیروں کی طرح محترمہ کے لفظ سے یاد

http://www.books.urdutube.net/

کروں بس اسی مخمصے میں پڑا ہوا ہوں اگر مجھے آپ کی کچھ عمر کا اندازہ ہوتا تو پھر میرے لیے اس میں اپنائیت کا لفظ چھپنا آسان ہو جاتا مگر اپنی عمر کے تقاضے کے مطابق بیٹی لکھ دیا ہے کیونکہ میرا اپنا بیٹا ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔ اس لیے مائنڈ نہ کرنا اگر میں غلطی کر بیٹھا ہوں تو پہلی اور آخری سمجھ کر درگزر کرنا۔ کافی عرصہ سے سچی کہانیاں کا خاموش قاری ہوں لیکن خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں کافی عرصے پہلے 'جواب عرض' 'ملتے رنگ' 'سچی آپ بیتیاں' میں کہانیاں اور غزلیں لکھتا رہا ہوں اب ایک سال سے ڈرٹی ڈائجسٹ میں لکھ رہا ہوں آپ کے شمارے میں حاضر ہونے کا سہرا میرے عزیز بلکہ بہت ہی عزیز ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب کے سر ہے۔ اپریل کا شمارہ 'عشق نمبر' کے سرورق پر دوشیزہ کانوں میں جھمکے اور ماتھے پر جھومر سجائے بڑے کروفر سے گردن تان کر بیٹھی عشق نمبر کی نشاندہی کر رہی ہے۔ پیاری سی بیٹی آپ نے جوتے کا سفر کتنے حسین انداز میں پیش کیا ہے۔ اس میں آخرت کی یاد دلائی گئی ہے اگر کوئی اس بات کو سمجھے تو آپ نے جیسے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے اس کا اجر تو آپ کو اللہ تعالیٰ ضرور عطا کرے گا مگر میری طرف سے بہت بہت مبارکباد قبول فرمائیں۔ خطوط میں آپ نے اپنے احوالیوں سے جو حال احوال بیان کیے یہ بھی قابل دید ہیں انعامی سلسلہ جاری کر کے بہت ہی اچھا کیا ہے اس اسکیم سے انشاء اللہ یہ ڈائجسٹ اور زیادہ بلندیوں کو چھوئے گا کیونکہ تمام قارئین کے ساتھ اس میں میری بھی دعائیں شامل ہیں۔ اس خط کے ساتھ ایک غزل بھی روانہ کر رہا ہوں اگر اچھی لگے تو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لینا جلد ہی کہانی بھی لکھ کر بھیج دوں گا۔ یوں تو اپریل کے شمارے میں سب کہانیاں بہت اچھی ہیں لیکن عابد مغل کی 'محبت برائے فروخت' افتخار چوہدری کی 'عشق میں حساب کیسا' ریما نور رضوان کی 'تم ایسی محبت مت کرنا' بہت اچھی کہانیاں ہیں ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب کی معصوم محبت بہت ہی اچھی کہانی ہے بلکہ ایک منفرد اور سچی کہانی ہے' ڈاکٹر صاحب کو اچھی کہانی لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو' کچھ کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں ان پر رائے دینا جھوٹ کو دعوت دینا ہے بلکہ گناہ کی دلدل میں پھنسنا ہے۔ مسئلہ یہ ہے بہت عمدہ سلسلہ ہے آپ کی ڈائری میں حیدر آباد سے عبدالحمید صاحب کی گلنار کی یاد' اور خدا کو بھولے بہت ہی عمدہ الفاظ کا استعمال کیا گیا یوں جیسے لفظوں کے موتیوں کی مالا پرو دی ہے اللہ تعالیٰ قلم میں اور زیادہ نکھار پیدا کرے آمین۔ آخر میں سب قارئین اور ادارے کے واسیوں کو بہت بہت سلام اور سچی کہانیاں کے لیے بہت بہت دعائیں یہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین جناب حسن نظامی قبولہ شریف کو بہت بہت سلام ہو پرانی واقفیت ہے جواب عرض کی اور جہانیاں منڈی مجیں ایک شادی میں اکٹھے شرکت کرنے کی آگے آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

☆ محترم حنیف صاحب! خاتون کسی بھی عمر کی ہوں رہنا تو وہ کم سن ہی چاہیں گی لہٰذا آپ کا بیٹی کہنا مجھے بہت اچھا لگا' میں ڈاکٹر عامر شہزاد کی بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے آپ جیسے ادب دوست انسان کو سچی کہانیاں سے متعارف کرایا' اداریہ پسند کرنے کا بہت شکریہ' امید کرتی ہوں کہ آپ کا اور سچی کہانیاں کا تعلق اب اٹوٹ ہوگا۔

☆ مور شاہد حسین قمر شہداد کوٹ سے لکھتے ہیں۔ ڈیئر آپی منزہ سہام' السلام علیکم! عشق نمبر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ دیدہ زیب سرورق نے دل موہ لیا سب سے پہلے اداریہ پڑھا' جوتے کا سفر' لفظ لفظ موتی لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنوں کی محبتوں کی محفل احوال میں قدم رکھا۔ نمائندہ خصوصی مقرر کرنے پر بے حد نوازش' اپنے محبوب رسالے کے لیے کام کرنے پر بے حد خوشی ہوگی۔ انشاء اللہ ہم سب مل کر سچی کہانیاں کو آسمان کی بلندیوں تک ضرور پہنچائیں گے۔ بہترین کہانی اور بہترین خط پر انعامی اعلان نے دل خوش کر دیا۔ انشاء اللہ میں بھی جلد کوئی انعامی اعلان کروں گا۔ عبدالحمید' امان بھائی خوش آمدید آتے رہیے گا۔ مریم شاہ بخاری آپ عرصہ بعد آئیں بے حد اچھا لگا۔ سلامتی کی دعائیں' منشی عزیز' خواجہ حسین' فیصل ندیم بھٹی' ملازم حسین شیرازی' ایم حسن نظامی' نظر علی برمانی' عمران مظہر' ساحل ابڑو' بارش علی بارش' سلام دعائیں کیسے ہیں آپ لوگ؟ ادی' تحسین جونیجو' ادی زرینہ جونیجو' سلامتی کی دعائیں' بہنو آپ بھی محفل احوال کو چار آٹھ چاند لگائیں عبدالغفار عابد آداب بھیا' احوال کا نیا انداز بے حد اچھا لگا۔ رفعت محمود کانتی سروپ' عابد مغل محبت برائے فروخت' سحرش بانو' محبت لاحاصل' حنا بشریٰ شمع

عشق بہت عمدہ تحریریں پڑھنے کو دیں بے حد شکریہ' نزہت جبیں ضیاء انوکھا وعدہ سیدہ زینب ندا وہ لوٹ آئی اسرار سے پُر تھیں۔ حنا اصغر دھند کے اس پار آخری قسط بھی ہمیشہ کی طرح بہترین تھی۔ شازلی سعید مغل املتاس' روشانے سبحین ریشم کے دھاگے عمدگی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ قرینہ عشق' کنواری ماں' ڈائنا امر ہوگئی' معصوم محبت' خالہ خیرن' تم ایسی محبت مت کرنا' اچھی تھیں۔ بے حد پسند آئیں نازیہ بتول احساس محبت کیا کہنے بہت خوب' آپ کی ڈائری اچھا سلسلہ ہے۔ آپی شمارے کے ورق ورق سے آپ کی محنت خوب جھلک رہی تھی۔ رسالے کی مزید ترقی کے لیے دعائیں آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ میرے تایا جان کی طبیعت ناساز ہے اُن کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

☆ بھائی شاہد! سب سے پہلے تو آپ کے تایا کے لیے صحت یابی کی خلوص دل سے دعا آپ کی طرف سے اب اعلان کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ مجھے یقین ہے کہ آپ نمائندہ خصوصی کے میرے انتخاب کا مان رکھیں گے اور اپنے سچی کہانیاں کو پورے شہداد کوٹ میں پھیلائیں گے۔

☆ ملازم حسین شیرازی بھکر سے لکھتے ہیں۔ محترمہ مدیرہ اعلیٰ تسلیمات' مارچ 2018ء کے شمارے کا سرورق اپنے ست رنگوں سے سجا۔ خوبصورتی سے مزین ہے ٹائٹل واقعی دیدہ زیب ہے شمارہ کی پروف ریڈنگ کسی قسم کی غلطیوں سے مبرا' شمارہ خوب سے خوب تر کی منازل پر احسن طریقے سے گامزن ہے۔ بلاشبہ ادبی دنیا کی فضاؤں کی جبیں پر جھومر ہے اور اپنے جلو میں قوس وقزح کے رنگ سمیٹے۔ اداریہ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس ارمانی کا سوٹ زیب تن کیے ہوئے اے ون کی دیدہ زیب شرٹس' سینٹ مائیکل کی ٹائیاں' کلف زدہ کپڑے لیونڈر آئل سے شرابور' گریبوں میں نعلین نہ ہوں تو آدمی کتنا مضحکہ خیز لگتا ہے اگر یہی جوتے پیروں کی بجائے سر' سینے اور چہرے پر پڑیں تو عزت نفس خاک میں مل جائے عام آدمی کے لیے تو یہ ناقابل برداشت ہے لیکن ہمارے خود ساختہ بے ضمیر ارب پتی لیڈر صاحبان لاکھوں کے سامنے جوتے کھا کر بتیسی نکال رہے ہوتے ہیں۔ غیرت' عزت وقار کی انہیں قطعی پرواہ نہیں۔ محمد سلیم اختر کا اسم گرامی مدیر اعزازی پڑھا تو بہت خوشی ہوئی حقیقتاً وہ اس کے مستحق ہیں ادارہ ان کے وسیع تجربہ سے یقیناً مستفید ہوگا کانتی سروپ رفعت محمود محبت اگر سچی ہو تو آگ کے شعلے اور شرارے پھول پتیاں بن کر جسم کو امر کر دیتے ہیں ہندو میتھالوجی کے زیر اثر اچھوتی کہانی' عشق میں حساب کیسا رکھنے یاد تے کرنے لیکھے عشق میں حساب کتاب سوداگری ہے عشق کے موضوع پر اچھی تحریر' تم ایسی محبت مت کرنا از قلم ریحانہ نور جنہیں ماں باپ کی عزت کا پاس نہیں ہوتا گھر کی دہلیز چھوڑ کر زمانے کی ٹھوکریں اُن کا مقدر بنتی ہیں۔ جھوٹی محبت اور ہوس زدہ سوچ پت جھڑ کے پتے کی طرح انہیں اڑاتی پھرتی ہے بہترین کہانی' عشق جو ہم سے..... رئیسہ خالد جن عظیم شخصیات نے پاکستان بنانے میں دل وجان سے کاوشیں کیں ہم نے اُن کی قدر نہ کی غداری کا لیبل چسپاں کیا جمہوریت کو پیروں تلے روندا نتیجہ کیا نکلا' رات کو سوئے پاکستان' صبح اٹھے بنگلہ دیش..... خالہ خیرن فریدہ فری ایک ہنستی مسکراتی مزاحیہ تحریر بہت خوب' ڈائنا امر ہوگئی انسان دوستی پر بہترین تحریر' معصوم محبت عشق ومحبت کی ناقابل یقین داستان' اگر ڈاکٹر صاحب رابعہ سے شادی کر لیتے تو اُس کی زندگی بچ سکتی تھی۔ مذہب' شریعت انسانیت میں اس کی اجازت ہے۔ آج کا سفر نگار' ثقافت شفیق نے ایک اچھے قلم کار پر خوبصورت تحریر لکھی' کنواری ماں شعیب صادق جن عظیم شعراء ادباء قلم کاروں نے ادبی علمی خدمات انجام دیں اکثریت ان فنکاروں نے کسمپرسی کی زندگی گزاری' دکانوں کے تھڑوں کے نیچے پاسنگ شوا ور بغلہ کی سگریٹس پھونکتے رہے اور جنہیں ادب سے واسطہ نہیں محض خلق داری کی وجہ سے آئے روز انہیں ایوارڈز سے نوازا جا رہا ہے اب تو ان کے گھروں میں ایوارڈز رکھنے کی جگہ نہیں بچی ہے بہت بڑا المیہ ہے۔ آل پاکستان ایوارڈ تقریب شاندار رہی' دوشیزہ کا سفر منزہ سہام' ماشاء اللہ تفصیلاً قارئین کو آگاہ کیا گیا۔ مرحوم سہام مرزا صاحب کی تصاویر دیکھ کر ذہن ماضی کی طرف لوٹ گیا۔ پریس کلب شیزان ریسٹورنٹ ویج ریسٹورنٹ ان جگہوں میں ان کے ہم شریک ابراہیم جلیس' الیاس رشیدی' ڈاکٹر جمیل جالبی' شوکت صدیقی و دیگر ہوتے کیا محفلیں

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تھیں مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی ہیں علم و حکمت کے خزینے وا ہو رہے ہیں انہی کے ذریعے ان سے تعارف رہا بہت کچھ سیکھا یہ سب ان کے مرہون منت ہیں۔ شمع عشق جنابشری عشق حقیقی اگر دلوں میں جذب ہو جائے تو ایسے انسانوں کو شیطان یا دیگر جناتی و ماورائی مخلوقات بھٹکا نہیں سکتی۔ بہترین تحریر دھند کے اس پار ایک بہترین ناول جو دلچسپیاں سمیٹے اختتام پذیر ہوا۔ مبارک باد املتاس شازلی سعید مغل ایک دلچسپ اور اسرار میں لپٹا سلسلہ جو قارئین کو جکڑے رہتا ہے کامیاب تحریر ریشم کے دھاگے اچھوتا موضوع بہترین سلسلہ' ان کے علاوہ عشق لاحاصل احساس محبت' قرینہ عشق انوکھا وعدہ بہترین تحریریں تھیں آپ کی ڈائری' مسئلہ یہ ہے تیر نیم کش لاجواب رہیں۔ احوال نامے اب آتے ہیں احوال نامے کی طرف' مسند صدارت پر نظر علی برمانی براجمان ہیں پرانے قاری ہیں سچی کہانیاں سے لپنا رشتہ خوب نبھا رہے ہیں۔ اپنا تعارف ضرور ارسال کریں' خضر حیات خوبصورت خط لکھا شاعری کا انتظار گے' ڈاکٹر عامر شہزاد آپ کا خط اور کہانی دونوں بہترین اور دلچسپ ہیں مکس شمارہ کی تجویز کی تائید کرتے ہیں۔ کریم شاہ بخاری آپ کی کہانیوں کے منتظر ہیں لیکن تبصرہ میں بھی شرکت لازماً کریں' ایم حسن نظامی آپ کی تحریر دلچسپی کی حامل ہوتی ہے لیکن آپ کی اکثر غیر حاضری کھٹکتی ہے اسے ریگولر بنائیں۔ منشی عزیز مئے جس لگن اور دلچسپی سے سچی کہانیاں میں بذریعہ تحریر اپنا حصہ ڈال رہے ہیں وہ لائق صد تحسین ہے وفاداری شرط استواری ہے سلام عرض ہے۔ حسین خواجہ خوبصورت خط لکھنے کے لیے داد و تحسین قبول فرمائیں۔ سلام عرض ہے۔ عبدالغفار عباد آپ نے صحیح فرمایا کہ بعض لکھاری اپنے خطوط یا بے معنی و بے مقصد کہانیاں شائع کرانے کے لیے مدیرہ اعلیٰ سے الجھتے ہیں ادب میں میرٹ کی کسوٹی نہ ہو تو لوگ کتاب سے دور رہیں گے۔ مور شاہد حسین آپ کا خط شمارے کی زینت ہوتا ہے کہانیاں بھی لاجواب ہوتی ہیں میرے تبصرہ کو پسند فرمایا شکریہ سلام عرض ہے۔ فیصل ندیم بھی آپ کے خطوط پسندیدگی سے پڑھے جاتے ہیں اپنی آراء سے ادارہ کو مستفید فرماتے ہیں' آپ نے سلام بھیجا عین نوازش عنایت' ارشد اقبال چوہان وعلیکم السلام سکھی وسلامت رہیں آپ نے صحیح فرمایا کہ خطوط زیادہ سے زیادہ شائع کئے جائیں تاکہ ہر ایک کی حوصلہ افزائی ہو۔ دل تو بہت چاہتا ہے کہ ہر کہانی خط پر بھرپور تبصرہ کریں لیکن ادارے میں موجود تیز رفتار قینچی کی دھار سے ڈر لگتا ہے اس لیے ہاتھ ہولہ کرنا پڑتا ہے خط کے طوالت کے پیش نظر ہاتھ روکنا پڑ رہا ہے۔ میری طرف سے مدیرہ اعلیٰ صاحبہ کشمی برادران و دیگر احباب کو سلام' اجازت دیجیے اگلے ماہ ملاقات ہوگی انشاء اللہ خدا حافظ۔

☆ شیرازی بھائی! خوبصورت خط سیر حاصل تبصرہ..... آپ کی کہانی جلد شائع کروں گی۔

☆ ساحل علی ابڑو بلوچستان سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ اپریل کا تازہ شمارہ سچی کہانیاں میرے سامنے ٹیبل پر پڑا ہے خوبصورت دیدہ زیب ٹائٹل پر بیٹھی حسینہ کسکوں کی مہارت لیے تشنہ لب سے ہمیں کچھ تبسم دے رہی تھی۔ اداریہ پڑھ کر احوال میں پہنچا تو بہت سارے رائٹرز ایک دوسرے کو محبت کے خلوصیت نامے پیش کر رہے تھے۔ ان کے درمیان اپنا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ باجی منزہ ملی ادبی فاؤنڈیشن کی رپورٹ تصویروں کے ساتھ شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ اور انعامی سلسلہ دوبارہ شروع کر کے ہمارے درمیان جو ادبی ماہان کی عزت بخشی ہے تو یقیناً تمام رائٹرز کے لیے ایوارڈ کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ یہی تو کامیابی کی کڑی ہوتی ہے۔ جو رائٹر کی محنت رائیگاں نہیں بلکہ انہیں مزید اچھا سے اچھا لکھنے کا موقع اور پلیٹ فارم دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ لوگوں کی کھوپڑیاں بارود اور کروڑوں روپوں سے بھری ہوتی ہے۔ اور ادیب کی کھوپڑیاں تو اپنی جگہ معہ بھی خالی ہوتا ہے۔ یہ ادیب بے چارے تو فقیر ہوتے ہیں جو اپنی عزت اور شوق کے لیے لکھتے ہیں۔ جو عزت آپ نے تمام یکجا رائٹروں کو دے رہی ہیں تو اس کی قدر سارے رائٹر ہی جانتے ہیں۔ باجی منزہ میں تمام کہانیوں پر تبصرہ نہیں کر سکتا جس کی وجہ ہے سچی کہانیاں کا بہت لیٹ ملنا میں اپنی طرف سے بہت کوشش کروں گا کہ اگلے شمارے میں کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

☆ بھائی ساحل! شمارہ پسند کرنے کا شکریہ آخری پیراگراف ہذف کر دیا ہے اس لیے کہ آپ سچی کہانیاں کے

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

پھلبہری

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

STERIODS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

ملٹی ایوارڈ ہولڈر

اجمل زیدی ماہر برص کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

ASIAN EXCELLLENCE PERFORMANCE AWARD

AWARD BEST ACHIEVEMENT

AWARD PILLAR OF LEUCODERMA

اسلام آباد

مستقل بکنگ

9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری

مکان نمبر 62، اسٹریٹ نمبر 20، سیکٹر G-8/1
سرینا چوک (تعلیمی چوک) اسلام آباد
فون: (051)2854595-2255880
موبائل: 0300-8566188

لاہور

گلف سینٹر

14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون قیام
14-اکتوبر تا 27 اکتوبر

آفس نمبر 16-فیروز پور روڈ، مزنگ چونگی نزد صنم مارکیٹ لاہور
موبائل: 0300-8566188

پشاور

ہوٹل لین

یکم فروری تا 11 فروری
یکم جون تا 11 جون قیام
یکم اکتوبر تا 11 اکتوبر

جی ٹی روڈ نزد ہشتنگری چوک پشاور شہر
موبائل: 0300-8566188

ملتان

ہوٹل سوریہ

28-مارچ تا 6 اپریل
28-جولائی تا 6 اگست قیام
28-نومبر تا 7 دسمبر

ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل ملتان
فون: (061)4518061-62
موبائل: 0300-8566188

کراچی

فیرچن سینٹر

13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی قیام
13-نومبر تا 27 نومبر

فون 7,706 تلور شاہراہ فیصل نزد ایئر پورٹ K.F.C کراچی
فون: 021-34328080
موبائل: 0300-8565188

E-Mail:syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.com.uk

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

لکھاریوں سے انٹرویو مت لیں ان کے تعارف تو میں ویسے ہی شائع کروں گی آپ دیگر شعراء اور نثر نگاروں کے انٹرویوز لیجیے جو اچھا لکھتے ہیں مگر گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

غلام مرتضیٰ علوی کوجرہ سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ کچھ ماہ کی غیر حاضری کے بعد میں حاضر ہوں بات یہ ہے کہ ناصر رضا صاحب کی وفات ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے اور اب بھی یقین نہیں آرہا کہ وہ ہم میں نہیں ہیں۔ خدا ان کو جنت میں اعلیٰ مقام دے آمین۔ میری طرف سے ان کے لیے دو ہزار تیسرا کلمہ شریف اور سو درود شریف ارسال ہیں۔ ان کے جانے کے بعد رسالہ پڑھ کر جب تبصرے کے لیے قلم اٹھاتے تھے تو دل بوجھل ہو جاتا تھا۔ ان کی لکھی ہوئی باتیں یاد آجاتی تھیں اور تبصرہ لکھنے کو من نہیں کرتا تھا۔ آج حوصلہ کر کے تازہ شمارے پر تبصرہ لکھ رہا ہوں کوشش ہوگی آئندہ بھی بروقت احوال میں شریک ہوں۔ اپریل کا شمارہ ٹوبہ سے 12 کو خریدا (ایک بات اور کہنی تھی کہ میں نے ڈاک سے سچی کہانیاں لگا رکھا تھا اس کا سالانہ چندہ جنوری 2018ء تک تھا۔ لیکن آپ نے مجھے فروری اور مارچ کے شمارے فری میں ارسال کر دیے اب بتائیے ان شماروں کے 120 میں منی آرڈر کروں یا یہ دو شمارے بطور تحفہ تصور کیے جائیں گے میرے لیے اس کے ساتھ ایک بات اور کہ مئی سے مجھے ایک سال کے لیے شمارہ جاری کر دیں مئی کا شمارہ سال بھر کے چندے کے لیے وی پی پی کر دیں تاکہ میں پھر سے گھر بیٹھے پاکستان کا سب سے مقبول رسالہ پڑھ سکوں۔) شمارہ کھولا تو منزہ سہام صاحبہ کا کالم پڑھا جو اپنی مثال آپ تھا بہت اچھا لگا' کہانی ابھی کوئی پڑھی نہیں کیونکہ تبصرہ جلد ارسال کرنا ہے تاکہ بروقت مل جائے۔ ابھی تک میں نے احوال کی بیٹھک کے سارے خط پڑھے ہیں اور دوشیزہ کا سفر پڑھا ہے پہلا احوال کی بات کرتے ہیں جناب نظر صاحب کا خط دلچسپ لگا ان کا طرز تحریر اچھا ہے۔ باقی خط بھی عمدہ تھے جن دوستوں کے خط خوب مزہ دے گئے ان میں جناب خضر صاحب جناب ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب' محترمہ ارم صاحبہ' جناب ارشد اقبال جوہان صاحب' محترمہ مریم صاحبہ' جناب ایم نظامی' مٹی بھائی لندن ویہاڑی والے' خواجہ صاحب منچن آباد والے' سید شاہد بھائی' ندیم بھٹی صاحب' حامد صاحب' حنا بشریٰ' محترم ملازم شیرازی بھائی' ان لکھنے والوں کے خط پسند آئے۔ باقی بھی عمدہ تھے۔ دوشیزہ کا سفر بہت عمدہ تحریر لگی پرانی تصاویر سے بہت اچھی بن گئی۔ پرانی یادیں پڑھنے کا الگ ہی مزہ آیا۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھ رہا ہوں تو ان پر رائے نہیں دے سکتا۔ اور ہاں اس خط کے ساتھ میں املی کے ادب سے ایک تحریر (جو مجھے بہت پسند ہے) اس کا انتخاب کر کے ارسال کر رہا ہوں امید ہے آنے والے کسی شمارے میں شائع ہو جائے گی میری ایک تحریر آپ کے پاس اور بھی ہے۔ جو کہ ناصر رضا صاحب کے وقت میں ارسال کی تھی اس تحریر پر میری آپ سے فون پر بھی بات ہوئی تھی مجھے امید ہے آپ حسب وعدہ اس کو بھی کسی تازہ شمارے میں جگہ دیں گے۔ ابھی دو تحریریں میں لکھ رہا ہوں ایک خوفناک ہے۔ ایک معاشرتی تحریر ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ رمضان کے ختم ہونے تک وہ بھی ارسال کر دوں۔ رمضان سے یاد آیا سب دوستوں کو رمضان بھی پیشگی مبارک ہو مئی میں یہ مبارک ماہ بھی شروع ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ناجائز منافع خور بھی سرگرم ہو جائیں گے۔ یہ لوگ بھی کتنے ظالم ہیں جو رمضان عیدوں' محرم پر بیسن' چاول' گوشت اور کھانے والی چیزیں مثلاً شربت کھجوریں خوب مہنگی کر دیتے ہیں اور ان مبارک دنوں پر خوب حرام کماتے ہیں۔ خدا ہم سب کو ہدایت اور انسانوں کی خدمت کرنے کی توفیق دے اس دعا کے ساتھ اجازت۔

☆ بھائی مرتضیٰ! آپ نے احوال میں شرکت کر کے میرا مان بڑھایا دوشیزہ کا سفر اچھا لگا یہ جان کر بہت خوشی ہوئی' مجھے یقین ہے کہ سچی کہانیاں کا معیار اور میرٹ دونوں آپ کو مطمئن کریں گے۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

زادِ راہ

اُمِ ایمان

غلام جو سردار بنے

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ

اعلیٰ مرتبت ہستیوں کے حالاتِ زندگی.....

حضرت سالمؓ ایرانی النسل تھے۔ علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ سالمؓ ایک خاتون ثبیتہ بنت یعار انصاریہؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ثبیتہ بنت یعار انصاریہ حضرت ابوحذیفہؓ کی بیوی تھیں لیکن انہوں نے یہ وضاحت نہیں کہ ثبیتہ حضرت ابوحذیفہ کے عقد نکاح میں کب آئیں۔ بہرحال تمام محدثین کی روایت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سالمؓ لڑکپن ہی سے حضرت ابوحذیفہؓ کے دامن عاطفت میں آگئے تھے اور ان ہی کے پاس سن بلوغت تک پہنچے۔

اس لحاظ سے حضرت سالمؓ ان خوش قسمت غلاموں میں سے تھے جنہیں شروع ہی سے محبت کرنے والے میسر آگئے تھے۔ حضرت ابو حذیفہؓ ان سعید الفطرت ہستیوں میں شامل تھے جنہوں نے بغیر کسی تامل کے حق کا دامن بڑھ کر تھاما اور اس طرح سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کر لیا حالانکہ ان کا باپ عتبہ قریش کا ذی اثر رئیس تھا۔ وہ مرتے دم تک اپنے کفر پر قائم رہا مگر ابوحذیفہ دعوت توحید کے آغاز میں ہی ایمان کا نور حاصل کر کے مشرب بہ اسلام ہو گئے تھے۔

وہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ غالب امکان ہے کہ حضرت سالمؓ اپنے آقا کے ساتھ دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔

ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو وہ حضرت ابوحذیفہ اور متعدد دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔

مکہ میں قیام کے دوران وہ ہر قسم کی رکاوٹوں اور مصائب کے باوجود صحبت نبویؐ سے فیضاب ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ چنانچہ علوم دینی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنے علم و فضل اور کمالات کے علاوہ حفظ قرآن اور حسن قرآن کی بدولت تمام صحابہ میں عزت و اکرام سے دیکھے جاتے تھے۔

حضور اکرمؐ کی ہجرت سے پہلے حضرت سالمؓ کو

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہی مسجد قبا میں مسلمانوں کی امامت کا شرف حاصل تھا ہجرت کے وقت رسول اللہؐ نے کچھ دن ٹھہر کر قبا میں نماز پڑھائی پھر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت سالمؓ مسجد قبا میں مستقلاً امامت کا فریضہ انجام دینے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاص اور بے شمار دوسرے جلیل القدر صحابہ نے بارہا حضرت سالمؓ کی اقتدار میں نماز ادا کی۔

حضرت سالمؓ کو اللہ نے لحن داؤدی عطا کیا تھا جب وہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تو سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔

خود رسول اللہؐ اُن کی حسن قرآت پر ناز کرتے تھے اور لوگوں کو ان سے قرآن سیکھنے پر اُکساتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کسی کام سے باہر گئیں ہوئی تھیں۔ ان کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تو رسول اکرم ﷺ مضطرب ہو گئے۔ ابھی آپ فکر مند تھے کہ ام المومنین واپس آ گئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا۔

"عائشہ! اتنی دیر کہاں لگائی؟"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں واپس آ رہی تھی کہ ایک قاری کی تلاوت قرآن کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ اس آواز میں ایسا سوز تھا اور ایسی کشش تھی کہ گویا زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ہوں۔

سو اسی باعث آنے میں تاخیر ہوئی۔" رسول اکرمؐ نے پوچھا۔

"اس قاری کو کس حال میں چھوڑا؟"

حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ وہ میرے آنے تک تلاوت میں مشغول تھا۔ حضور اکرمؐ یہ سن کر مارے اشتیاق کے فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر سنبھالتے ہوئے باہر کی جانب لپکے دیکھا کہ واقعی اس قاری کی قرآت سن کر لوگ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے ہیں اور سکتے کے عالم میں سن رہے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ساری کائنات ساکن ہو گئی ہے۔ یہ دیکھ کر حضور اکرمؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور بے اختیار قاری کی شان میں یہ الفاظ نکلے۔

"ساری تعریف اس رب کی جس نے میری امت میں تم جیسے شخص کو پیدا کیا۔"

یہ قاری جس پر فخر موجودات نے فخر و ناز کا اظہار کیا حضرت ابوعبداللہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ تھے۔

مکہ میں مصائب اور دشواریوں کی گھاٹیاں عبور کر کے قافلہ حق مدینہ پہنچا تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"اصل دشوار گزار گھاٹی تو وہ ہے جس پر سے گزرنا ہے۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حق کے علمبرداروں نے قیامت کی گھاٹی کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے بے دریغ غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنا شروع کیا۔ حضرت شیبہ بن یعار نے بھی حضرت سالمؓ کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا۔

حضرت سالمؓ آزاد ہوئے تو حضرت ابوحذیفہؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو اپنے گلے سے لگا لیا اور اپنا لے پالک بیٹا بنا لیا۔

حضرت سالمؓ اپنے منہ بولے باپ کے گھر آزادانہ جاتے تھے لیکن جب وہ جوان ہو گئے اور قرآن کا حکم نازل ہوا (ان کو ان کے باپ کی نسبت سے بلایا کرو)

تو حضرت ابوحذیفہ کو خدشہ محسوس ہوا کہ سالم کی آزادانہ آمد و رفت کہیں حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو چنانچہ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار اپنی اہلیہ سہیلہ بنت سہل کے سامنے کیا۔

حضرت سہیلہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمارے گھر میں آتا ہے لیکن اب ابوحذیفہ کو نا گوار گزرتا ہے۔"

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اس کو اپنا دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا چنانچہ حضرت سہیلہ نے انہیں اپنا دودھ پلا دیا اور اس طرح حضرت سالمؓ حضرت ابوحذیفہؓ کے رضاعی فرزند بن گئے۔

ام المومنین حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ اجازت حضرت سالمؓ کے لیے مخصوص تھی ورنہ جوانی میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

اب ایرانی النسل حضرت سالم خاندان ابوحذیفہ کے رکن بن چکے تھے۔

حضرت حذیفہؓ حضرت سالمؓ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید کا نکاح حضرت سالمؓ سے کر دیا اور یوں حضرت سالمؓ خاندان قریش کے رکن بن گئے اور انہیں دامادی کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت حذیفہؓ نے اپنی بے پناہ شفقت و محبت کے باعث انہیں اپنا متبنیٰ بھی قرار دیا تھا لہٰذا لوگوں میں سالمؓ بن حذیفہ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

جب بارگاہ الٰہی سے حکم آیا کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور انہیں اصلی ناموں سے منسوب کیا کرو تو لوگ انہیں سالم بن حذیفہ کے بجائے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کہنے لگا۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ حضور اکرمؐ نے حضرت معاذ بن ماعص انصاری کو حضرت سالم کا مواخاتی بھائی بنایا تھا۔

حضرت سالمؓ کے لیے حضرت معاذ اپنے مال و دولت گھر بار سب ہی میں ہر قسم کے آیثار کے لیے آمادہ تھے لیکن حضرت سالمؓ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کبھی کسی معاملہ میں بھی حضرت معاذؓ کو کوئی تکلیف نہیں دی بلکہ جو کچھ کماتے تھے اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے اور خود فکر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے۔

حضرت سالمؓ علم و فضل کے میدان کے ہی شہسوار نہ تھے بلکہ میدان جہاد کے بھی اولوالعزم سپاہی تھے وہ بدر، احد، احزاب اور دوسرے تمام بڑے غزوات میں آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے اور شجاعت و بہادری کے ساتھ رسول اکرمؐ کی رفاقت کا حق ادا کرنے والے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں مسیلمہ کذاب نے بڑی تیاری کے ساتھ ایک کثیر فوج اکٹھی کر لی اور اسلامی حکومت کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کیا۔

اس سے پہلے رسول اکرمؐ کے دور میں بھی وہ نبوت کا دعویٰ کر چکا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ رسول اکرمؐ کی رسالت کا اقرار بھی کرتا تھا یعنی وہ رسالت میں شرکت کا دعوے دار تھا۔

اب جب کہ رسول اللہؐ کی رحلت ہو چکی تھی تو اس نے موقع دیکھ کر علم جنگ بلند کیا۔ جنگ یمامہ میں حضرت سالمؓ اپنے منہ بولے باپ ابوحذیفہؓ کے ساتھ شریک ہوئے بعض مورخین کے مطابق مسلمانوں کو اب تک جتنی لڑائیاں پیش آئی تھیں ان میں جنگ یمامہ سخت ترین لڑائی تھی۔

اس میں ایک طرف عرب مسلمان تھے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے صف آرا تھے اور دوسری طرف کثیر تعداد میں عرب مرتدین تھے جو اپنی قبائلی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

عصبیت کی بناء پر متحد ہوکر مسلیمہ کذاب کے جھنڈے تلے لڑ رہے تھے۔ یہ وہ عرب قبائل تھے جب انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا تو اولین مسلمانوں کے ساتھ مل کر قوت ایمانی سے لیس ہوکر قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو الٹ دینے والے تھے۔

جنگ یمامہ میں مہاجرین کا علم حضرت سالمؓ کے پاس تھا۔

ایک موقع پر جب کہ مرتدین کا دباؤ حد سے زیادہ بھا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ اکھڑ گئے۔ اس موقع پر حضرت سالمؓ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں جما کر کھڑے ہوگئے اور للکارے مسلمانو! افسوس رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں تو ہم اس طرح میدان نہ چھوڑا کرتے تھے۔

ان کی للکار سن کر مسلمانوں کے قدم پھر جم گئے۔ ایک مجاہد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ کہہ دیا کہ ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے تم یہ علم کسی اور کو نہ دے دو۔

یہ سن کر جوش میں فرمایا۔

"اگر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کی علمبرداری کا اہل ثابت نہ کروں تو مجھ سے بڑھ کر بدبخت حامل قرآن اور کوئی نہیں۔

ابھی یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ مرتدوں کا زبردست حملہ ہوا۔ حضرت سالمؓ ایسے جوش سے لڑے کہ سروں کی فصل کی فصل کاٹ کر رکھ دی لیکن مرتدین اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ہجوم کم ہونے میں نہ آتا تھا۔

ایک بدبخت نے داہنے ہاتھ پر تلوار کا بھرپور وار کیا وہ کٹ کر دور جا گرا۔

انہوں نے علم اسلام بائیں ہاتھ میں تھام لیا وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کا حلقہ بنا کر علم اسلام کو سینے سے چمٹا لیا اور بے اختیار زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے۔

"اور محمدؐ صرف ایک رسول ہیں اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے۔" (آل عمران 15)

بالآخر مرتدین نے بار بار آپ پر حملے کیے اور آخر کار زخموں سے چھلنی ہوکر گر پڑے۔ آخری وقت میں لوگوں سے پوچھا۔

"ابوحذیفہؓ کا کیا حال ہے؟"

جواب ملا:"

وہ شہادت کا جام نوش کر چکے۔"

پھر پوچھا:

"میرا وہ مسلمان بھائی کہاں ہے جس نے مجھ پر اعتراض کیا تھا؟"

لوگوں نے کہا وہ بھی شہادت کا مرتبہ پا چکا۔

حضرت سالمؓ نے کہا مجھے ان دونوں کے درمیان میں دفن کرنا اتنا کہہ کر رب حقیقی کے حضور حاضری کے لیے چل پڑے۔

علامہ ابن اثیر اور ابن سعد کا بیان ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کا سر اپنے منہ بولے باپ حضرت حذیفہؓ کے قدموں پر تھا۔

حضرت سالم کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے تھے اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ترکے میں ایک گھوڑا اور معمولی اسباب کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

نوٹ: غلام جو بنے سردار کے سلسلے کی یہ آخری کڑی تھی اگلے ماہ سے ایک نئے سلسلے کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

☆☆.....☆☆

کراچی سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

پھندا

ایک ایسی تحریر جو آپ برسوں یاد رکھیں گے.....

مصنف کی عرق ریزی کی بہترین مثال.....

سید علی ارسلان

ابھی ابھی ملک احسان میرے پاس سے اٹھ کر گیا ہے۔ مجھ پر پڑنے والے سانحے نے میرے جسم و جان کا عرق نہ نچوڑ لیا ہوتا تو بلا مبالغہ میں ملک احسان کی بوٹیاں نوچ کر کتوں کو کھلانے میں تامل نہ کرتا۔ میرے سان و گمان میں بھی کبھی نہ آیا تھا کہ ملک احسان اتنا بے رحم، شاطر اور کایاں ثابت ہوگا اور میرے کان ایسے کاٹے گا کہ نہ تو میں کسی کو شکل دکھانے کے قابل رہوں گا اور نہ ہی کسی کے آگے کھڑا ہو سکوں گا۔ اپنے بپھرے ہوئے خونخوار جذبات کے باوجود اپنی بے بسی کا مجھے گلی طور پر احساس ہے میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتا جو کچھ میں کر سکتا تھا وہ میں کر چکا یعنی ملک احسان کے اشارۂ انگشت پر رقص.....

عدالتی سمن آیا تو مجھے اتنی تشویش نہیں ہوئی جتنی کہ عام طور پر ہوا کرتی ہے سمن مجھے بہت خوبصورت لگا نہ بہت بدصورت، بس وہ قبول صورت تھا۔

اب احساس ہوتا ہے کہ وہ سمن نہ تھا ایک ذرا سا ذرا عفریت تھا جس کے دانتوں میں پھنسی ہوئی میری بوٹیاں مجھے دکھائی نہ دیں۔ میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ سمن مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے اور مستقبل میں نصیب ہونے والی کامیابی کی پیشگی مبارکباد دے رہا ہے اور اپنی حمایت کا یقین دلا رہا ہے حالانکہ وہ سمن میرا منہ چڑا رہا تھا۔ خاموشی سے عرض کر رہا تھا کہ وہ میری تباہی و بربادی کا پروانہ ہے، نشاندہی کر رہا تھا کہ آنے والا مستقبل ذہنی، مالی اور سماجی اعتبار سے میری تاروپور بکھیرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس سمن میں نوشتہ تقدیر لکھا تھا مگر میں اسے نہ پڑھ سکا۔

مقدمہ شروع ہونے سے قبل ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فیصلہ کیا ہوگا۔ اور مطمئن تھا آسودہ تھا۔ امتحان سے پہلے ہی کامیابی کا یقین ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرے خیال کے بموجب پلڑا میری سمت جھکا ہوا تھا۔ کیا خبر تھی کہ میری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔ مالی دھچکہ تو خیر پہنچے گا ہی عزت..... عزت کی دھجیاں ایسی اڑیں گی کہ دوبارہ انہیں سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا۔

ملک احسان پر دانت کچکچانے کے ساتھ ساتھ

http://www.books.urdutube.net/

مجھے خود اپنے آپ پر بھی رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ..... میں نے ایسی غلطی کی ہی کیوں تھی کاش یہ غصہ غلطی کرنے سے پیشتر آجاتا تو مجھے ان حالات سے آنکھیں چار نہ کرنا پڑتیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ غلطی کا احساس تبھی ہوتا ہے جب اس کی تلافی کا لمحہ گردن میں طوق ڈال چکا ہوتا ہے اور ویسے بھی جذبہ انتقام کچھ کرنے سے پہلے آنے والے نتائج سے باخبر نہیں کرتا۔

ملک احسان سے میری ملاقات ایک نیم ادبی تقریب میں ہوئی تھی۔ ادب کے ٹھیکیداروں کی نگاہ میں اسے نیم ادبی کہنا بھی بڑا جرم ہے کیونکہ ہم ڈائجسٹوں کے مالکان اور ڈائجسٹوں کے مصنفین ادبی جغادریوں کی نظر میں قابلِ گردن زنی ہیں۔ ملک احسان سے مل کر مجھے حیرت ہوئی۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اس قدر نوجوان ہوگا۔ اس کی عمر بمشکل چھبیس اور ستائیس کے درمیان تھی۔ جبکہ اس کی شہرت نے اس کی عمر کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ چھ سات برسوں میں ہی اس کی تحریروں نے اپنے آپ کو منوالیا تھا۔ نئی نسل اس کی تصانیف کی دیوانی تھی اور ہزار دشمنی سہی پھر بھی مجھے اعتراف ہے کہ ملک احسان کے موضوعات میں جتنا تنوع اور الفاظ میں جتنی چبھن اور طنز پایا جاتا تھا وہ اچھوتا تھا۔

یہ تقریب بھی اسی کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اور یوں اس میں شریک ہونے سے میری دیرینہ خواہش پوری ہوگئی کہ ملک احسان سے ملوں اور اپنے پرچے میں لکھنے کے لیے رضامند کرسکوں۔ تقریب کے اختتام پر میں نے اُسے جالیا۔

''یقین کیجیے میں آپ کی تحریروں کا مداح ہوں۔'' میں نے تمہید باندھی۔

ملک احسان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے شاید اس لیے کہ پوری تقریب کے دوران وہ مسلسل اسی قسم کے جملے سنتا رہا تھا۔

''نوازش ہے آپ کی۔'' اس نے سرسری طور پر کہہ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ میں فوراً بولا۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔''

''تو کیجیے۔'' وہ شاید مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا۔ ویسے یہ میری اس سے پہلی ملاقات تھی اور وہ مجھ سے واقف نہ تھا۔

''میرا نام علی اکمل ہے۔'' میں نے تعارف کروایا۔ اس کی بھنویں غور کرنے کے انداز میں سکڑ گئیں۔

''معاف کیجیے گا میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔''

''میں ماہنامہ ترانہ کا چیف ایڈیٹر ہوں۔'' اپنے رسالے کو ماہنامہ کہتے ہوئے میرے منہ سے حسرت بھری سانس نکل گئی۔ ہزار کاوش کے بعد بھی میرا پرچہ پابندی سے ہر ماہ مارکیٹ میں آنے سے قاصر رہتا تھا اور دو شماروں کی درمیانی مدت کم از کم ڈھائی تین ماہ ہوتی تھی۔ میری حیثیت معلوم ہونے پر بھی وہ خاموش رہا۔

''میں آپ کی تحریریں پڑھتا رہا ہوں اور یہی سوچتا رہا کہ کس طرح آپ سے رابطہ قائم کروں کسی رسالے کے ایڈیٹر سے پوچھنا بے سود تھا کاروباری جلن آڑے آجاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تقریب کی بدولت آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگیا۔'' میں اچھی طرح روغنِ قازمل رہا تھا اور کامیاب رہا تھا۔

ملک احسان کے خدوخال میں اب وہ پہلی سی بے اعتنائی اور بے زاری نہیں رہی تھی۔ اپنی تعریف کسے پسند نہیں ہوتی رب العزت بھی چاہتا ہے کہ بندہ دن میں پانچ مرتبہ اُس کے سامنے جھکے اور سربسجود ہو۔ وہ تو پھر گوشت پوست کا بنا ہوا انسان تھا۔

''آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں۔'' اس نے انکساری سے کہا۔

''جی نہیں..... حقیقت بیان کررہا ہوں' آپ کی نثر نے بہت تیزی سے نکتۂ عروج کو چھولیا ہے۔'' میں گرم لوہے پر دھڑا دھڑ چوٹیں لگا رہا تھا۔

کافی دیر اس کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد میں مطلب کی طرف آیا۔

''میری آرزو پوری ہوجائے گی اگر آپ کی تحریر ماہنامہ ترانہ میں شائع ہو۔'' اس نے تھوڑا سا توقف کیا بولا۔

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ہمارا تو کام ہی لکھنا ہے۔ کسی وقت بھی دفتر میں تشریف لے آئیں تفصیلی بات چیت ہوجائے گی۔''

''میرے لیے آپ کے دفتر آنا ممکن نہ ہوگا۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں سکھر میں رہتا ہوں اور دو چار روز کے لیے ہی کراچی آیا تھا۔ کل رات کی گاڑی سے واپس جارہا ہوں۔ اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں اور مصروفیت اتنی ہے کہ ان کے ساتھ چند گھنٹے گزارنا بھی نصیب نہیں ہوا ہے۔ کل میں سارا دن گھر پر رہنا چاہتا ہوں۔ آپ آجائیں تو اچھا ہے۔''

''ضرور..... ضرور.....'' میں نے خوشدلی سے کہا۔

''آپ مجھے پتہ دے دیجیے۔''

اس نے ایک کاغذ پر اپنا پتہ لکھ کر مجھے دیا۔ گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

''میں کل آپ کا منتظر رہوں گا۔''

''بے فکر رہیے میں زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گا آپ کو۔''

وہ رخصت ہوکر جانے کے لیے مڑا لیکن فوراً ہی کوئی خیال آیا اور دوبارہ میری طرف پلٹ کر اس نے دریافت کیا۔

''آپ کے رسالے کی اشاعت کتنی ہے۔''

یہ وہ سوال ہے جو ہر رسالہ کے ایڈیٹر کو چکرا کر

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

رکھ دیتا ہے اور سفید جھوٹ بولنے پر مجبور بھی کرتا ہے۔ اگر میں سچ بول دیتا تو یہی ہوتا کہ ملک احسان میرے ہاتھ سے وہ کاغذ چھین کر پھاڑ دیتا جس پر اس نے اپنا پتہ لکھا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنے گھر بلانے کی دعوت سختی سے منسوخ کرتا' میرا مذاق اڑاتا' میرے پرچے کی شان میں گستاخیاں کرتا مجھے شرمندہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا اور باآواز بلند وہاں پر موجود دیگر لوگوں کو بتاتا کہ میں ماہنامہ ترانہ کا چیف ایڈیٹر ہوں اور میرے رسالے کی سرکولیشن کتنی ہے۔ یہ انکشاف ہونے کے بعد میرا وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہوجاتا میں شرم سے پانی پانی ہوکر وہاں سے چل دیتا اور میرے پیچھے لاتعداد قہقہے میرا تمسخر اڑاتے رہتے۔

لہٰذا ان سب سے بچنے کا آسان طریقہ ایک سفید جھوٹ تھا جو میں نے ایسے بولا کہ کوئی سچ بھی کیا بولے گا۔ اپنے رسالے کی سرکولیشن حقیقت سے دس گناہ زیادہ بتائی۔ خود بھی ایک طرح کی تسکین محسوس کی اور ملک احسان کو بھی مسرور کردیا۔ جھوٹ بولنے میں میرا کوئی قصور نہ تھا۔ ایسے سچ سے جو تباہی پھیلا دے وہ جھوٹ بہتر ہے جس سے طمانیت قلب حاصل ہو اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی..... رسالے کی سرکولیشن کے بارے میں ایسا جھوٹ بولنا ویسے بھی قصور نہیں دستور ہے۔

دوسرے روز صبح سے میری بیوی کو دردِ زہ شروع ہوگیا اور مجھ پر ایسی پریشانی طاری ہوئی کہ میں ملک احسان تو کیا اپنے آپ کو بھی فراموش کر بیٹھا۔ شام کو صاحبزادے کی ولادت ہوئی۔ اس طرف سے اطمینان ہوا تو مجھے اپنی اور ملک احسان کی مجوزہ ملاقات یاد آئی۔

رات نو بجے کے قریب میں ملک احسان کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے سکھر روانہ ہوچکا ہے۔ مجھے بے حد مایوسی ہوئی لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ ملک احسان کو اپنے جادو بھرے الفاظ اور تعریف و تحسین سے مرصع جملوں میں اُلجھاتے وقت میں ایسا مدہوش ہوگیا تھا کہ اس کا سکھر کا ایڈریس لینا بھی بھول گیا اور اس کی ضرورت بھی کیا تھی اگلے دن کی ملاقات تو طے ہی ہوگئی تھی۔ میں بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔

خیالوں ہی خیالوں میں ملک احسان کے نام اور تحریروں کی بدولت میرے پرچے کی اشاعت و فروخت میں جو ہزار دو ہزار کا اضافہ ہوگیا تھا وہ واپس اپنی اوقات پر آ گیا۔ سارے پروگرام جھاگ کی مانند بیٹھ گئے جو میں نے آئندہ کے لیے بنائے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ ملک احسان سے معاہدہ کرنے اور اس کی تخلیقات شائع کرنے کے دوران میں اس کی خوب پبلسٹی کروں گا اور اپنے پرچے کے ٹائٹل پر اس کا نام دوں گا تاکہ اس کے پرستار میرا یہ مریل اور پھیکا رسالہ خریدنے پر مجبور ہوجائیں۔

اس کے نام میں اتنی طاقت بہرحال تھی وہ ہر چند بہت کم لکھتا تھا لیکن معرکہ آلارا لکھتا تھا اور اس کی تحریر ذہن پر نقش ہوکر رہ جاتی تھی۔ جن رسائل میں وہ لکھتا تھا اُن کی دن بدن بڑھتی ہوئی مانگ میں بہرطور ملک احسان کا بھی گہرا دخل تھا۔ ڈائجسٹوں میں لکھنے والوں کے انبوہ کثیر میں ملک احسان جیسے لکھنے والے معدودے چند تھے جن کی ہر کہانی پہلے سے بہتر اور اثر آفریں ہوتی تھی۔ ہر بار نیا موضوع زیر بحث ہوتا تھا اور جو اپنے قلم کا رخ مستقل مختلف اطراف میں موڑتے رہتے تھے۔ اس کا انداز بھی جداگانہ تھا اور تحریر پڑھ کر بوجھ لینا دشوار نہیں ہوتا تھا کہ اس کا خالق ملک احسان ہے اس کے قلم میں وہ فسوں اور الفاظ میں وہ نشہ ہوتا تھا کہ قاری بار بار اسی نشے کی طلب کرتا تھا۔ حیرت کا پہلو یہ تھا کہ اس کی کہانیاں کسی خاص حلقے تک محدود نہیں تھیں ہر قسم کے

لوگ اسے پسندیدگی کی سند بخش چکے تھے۔ کیا بچہ کیا بوڑھا کیا جوان کیا عورت کیا مرد اس کے موضوعات اور حروف کا چناؤ ایسا ہوتا تھا کہ ہر پڑھنے والا کسی نہ کسی رویے سے اس میں دلچسپی لیتا تھا۔

ایسے فریبی قلمکار چیدہ چیدہ ہوتے ہیں اور ملک احسان بھی ان میں شامل تھا۔ مجھے اپنے دام میں اس کے آنے اور نکل جانے کا بے حد افسوس ہوا اور میں اپنی بے چارگی پر کڑھ کر رہ گیا۔ چند مہینے گزر گئے تھے کہ اچانک ایک دن مجھے اس کا خط ملا لکھا تھا کہ حال ہی میں اس نے دس اقساط پر مشتمل ایک ناول مکمل کیا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کا ناول ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ میں چھپے۔ پہلے تو مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا اور میں نے دوبارہ اس کے خط کو بغور پڑھا۔ دوبارہ پڑھنے پر بھی وہی مضمون میری سمجھ میں آیا گویا وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ میں نے ایک منٹ ضائع کیے بغیر اس کے خط کا جواب لکھا کہ اس کا ناول قسط وار شائع کرنا میری اور ترانہ ڈائجسٹ کی خوش قسمتی ہے نیز یہ کہ وہ اپنا ناول فوراً مجھے بھجوا دے۔ خط پوسٹ کرنے کے بعد میں بے تابی سے اس کے ناول کا انتظار کرنے لگا۔ پلٹی ہوئی بساط ایک مرتبہ پھر میرے حق میں ہوگئی تھی اور یہ طے تھا کہ ملک احسان کے ناول کی اقساط چھاپنے تک میرے ترانہ ڈائجسٹ کی اشاعت میں خاصی ترقی ہوجائے گی کم از کم دس شمارے تو ہر صورت میں ہاتھوں ہاتھ بکیں گے۔ اس کے آگے کی مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ایک دفعہ رسالے کی کھپت بڑھ جائے تو ساری کمی پوری ہوجاتی ہے اور پھر سے مائل بہ زوال ہونے میں وقت لگتا ہے۔

جوابی خط لکھے آٹھ دن ہوئے ہوں گے کہ ملک احسان کی بھیجی ہوئی رجسٹری آگئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہوگیا۔ اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ ملک احسان نے مجھ پر مکمل بھروسہ کرلیا ہے اور میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔

رجسٹری کھولی تو مجھے ملک احسان کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا۔ اس نے پورا مسودہ نہیں بھیجا تھا صرف پانچ قسطیں روانہ کی تھیں اور خط لکھا تھا کہ میں ادھورا ناول پڑھ کر اسے اپنے فیصلے سے مطلع کروں اور معاوضے کا تعین بھی کروں۔ پانچ قسطیں میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی تھیں لیکن فوری جواب دینے سے دانستہ گریز کررہا تھا دراصل میں یہ اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں بہت زیادہ ضرورت مند ہوں اور اس کی تحریر کے بغیر میرا گزارہ محال ہے دوسرے یہ کہ گیند میرے کورٹ میں آچکی تھی۔ ہرچند کہ اس کا آدھا ناول میرے پاس بیکار تھا مگر بقیہ نصف جو اس کے پاس تھا وہ اس کے لیے فضول تھا۔ میرا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا اس لیے تشویش کا شکار ملک احسان تھا اور میں اسے مزید مبتلائے کوفت رکھنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی بے ثباتی پر یقین ہوجائے اور وہ آئندہ میرے لیے کارآمد ثابت ہوتا رہے۔ چونکہ وہ میلوں دور بیٹھا تھا اور مقامی مصنفین کی طرح وقت بے وقت میرے سر پر مسلط نہیں ہوسکتا تھا اس لیے اب یہ میرے اختیار میں تھا کہ اسے کب جواب دوں۔ خط و کتابت کس نہج پر کروں اور سودا کس بھاؤ طے کروں۔

اس قسم کے دور پار رہنے والے مصنفین مجھے دل و جان سے پیارے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں رہتی ہے اور ان کے کل پرزوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتا ہوں اور ان کی طعن و تشنیع کا نشانہ بننے سے بھی محفوظ رہتا ہوں جبکہ مقامی مصنفین بوقت ضرورت مجھ پر دھاوا بولتے رہتے ہیں اور کوئی بات خلاف طبیعت ہونے پر دل کی بھڑاس بھی مجھ پر ہی نکالتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لیے کہ میں ایک ذہین اور مردم شناس آدمی ہوں' موقع محل سمجھتا ہوں اور ہر شخص سے اس

http://www.urdubooks.net/
http://www.urdutube.net/

کی اوقات واستطاعت کے حساب سے سلوک کرتا ہوں۔

میں نے تقریباً ایک مہینہ خاموشی سے گزار دیا اس اثناء میں ملک احسان کے چار خطوط آچکے تھے میری خاموشی نے اسے کافی فکرمند کردیا تھا اس کا پانچواں خط از حد غیض آلود تھا۔ اس نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ میں اس کا ناول واپس کردوں۔ اب کے میں نے چپ رہنا مناسب نہ سمجھا اور بڑے پیار محبت سے اسے سمجھایا کہ ادارے کے دوسرے ارکان یکے بعد دیگرے اس کا ناول پڑھ رہے ہیں اور سب کی متفقہ رائے پر ہی فیصلہ ہوگا اور اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ قطعاً تردد نہ کرے۔ اس کو اپنی 'منھی' میں رکھنے کی غرض سے میں نے یہ بھی لکھ دیا کہ ہم وہی معاوضہ اس کی خدمت میں پیش کریں گے جو کہ دوسرے رسائل اسے دے رہے ہیں لیکن ہمیں یہ خبر نہیں ہے کہ وہ کتنی رقم دے رہے ہیں لہٰذا وہ فوراً ہمیں معاوضے کی بابت تحریر کرے تاکہ اس کا معاوضہ روانہ کیا جاسکے۔ میرے خط کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ملک احسان نے اپنے گزشتہ تلخ رویے کی معافی مانگی اور معذرت کی کہ وہ مجھے غلط سمجھا تھا۔ دوسرے رسالے اسے ہزار روپے فی افسانہ کے حساب سے معاوضہ دے رہے تھے۔ اپنے بیان کے ثبوت میں اس نے ایک رسالے کی جانب سے روانہ کردہ منی آرڈر کا کاغذ بھی بھیجا تھا۔

اس کے اوپر اپنا بہترین تاثر جمانے کے لیے میں نے پندرہ سو روپے کا چیک اسے بھیج دیا ساتھ ہی یہ بھی احسان جتایا کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اشاعت سے قبل معاوضہ دیا جائے مگر ملک احسان کے ساتھ خاص رعایت برتی جارہی ہے اور یہ کہ اس کا ناول اگلے مہینے سے اشاعت پذیر ہونا شروع ہوگا اس لیے وہ بقیہ نصف مسودہ بھی ہمیں جلد ارسال کردے۔ چیک ملنے کی رسید آگئی اور ملک احسان کا شکریہ بھی مگر پورے خط میں بقیہ نصف مسودے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک زیرک آدمی ہے اور ترپ کا پتہ آخر تک اپنے ہاتھ میں رکھنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ایک قسط چھپنے کے بعد اسے یہ اطمینان ہوجائے کہ اس کا ناول اسی کے نام سے چھپ رہا ہے اور کسی قسم کا کوئی دھوکہ اس کے ساتھ روا نہیں رکھا جارہا تو پھر وہ بقایا مسودہ مجھے بھیج دے۔

ایسا نہ ہوا..... اس کے ناول کی پہلی قسط شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی میں نے پھر تقاضہ کیا کہ جتنی جلد ممکن ہوسکے مسودہ رجسٹری کردو لیکن کوئی جواب نہ آیا سیدھی انگلیوں گھی نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے مگر انگلیاں ٹیڑھی کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ چمچہ استعمال کرلیا جائے۔

اس طریقے سے بہت سارا گھی بغیر کسی تکلیف کے نکل آتا ہے نہ انگلیاں زخمی ہوتی ہیں نہ گھی خراب ہونے کا احتمال رہتا ہے اور..... زبان سے بڑھ کر خوبصورت اور پُرفریب چمچہ آج تک دنیا کا کوئی سائنس دان ایجاد نہ کرسکا گو کہ یہ چمچہ سب کے پاس ہوتا ہے لیکن اس سے کام لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اسی چمچہ سے گھی نکالوں گا۔

سکھر کا تکلیف دہ سفر تو اختیار کرنا پڑا لیکن گھی نکل آیا۔ ملک احسان سے اس کے گھر پر ملتے ہوئے مجھے بہانہ کرنا پڑا کہ سکھر میں میرے چند عزیز رہتے ہیں اور ان ہی میں سے ایک کی وفات مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ عجلت میں ہونے کے باعث میری واپسی فوری ہونا ہے اور میں بدقت تمام تھوڑا سا وقت

مرحبا
SINCE 1975
فطرت کی حکمت
شربت
گل بہار
تازہ پھلوں، پھولوں اور دیگر خالص عرقیات سے تیار کردہ
خوش ذائقہ شربت گل بہار جسم و جاں کے لئے فرحت بخش ہے،
پیاس کی شدت مٹاتا ہے اور بے چینی دور کرکے تسکین پہنچاتا ہے۔
پانی، دودھ، لسی یا جوس میں ملا کر پیجئے اور مہمانوں کو بھی پیش کیجئے۔
جان میں جان آئے گی تھوڑی دیر پیجئے
/marhabalaboratoriespk | UAN: 111-152-152 | www.marhaba.com.pk

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہاں کر بطورِ خاص ملک احسان سے ملنے چلا آیا ...ں۔ یہ بات کسی حد تک درست بھی تھی۔ سکھر میں ...ے رشتے دار تو نہ تھے نہ ہی کسی کی موت ہوئی ...ی۔ البتہ میرا دورہ سکھر خالصتاً کاروباری نوعیت کا ...ا۔ چند کتب فروشوں سے ملنا تھا کسی کو کمیشن دینا تھا ...ی سے وصولی کرنی تھی۔

ملک احسان پر میری چرب زبانی کا حسبِ توقع ...ر ہوا۔ وہ میری پذیرائی میں بچھ گیا اور ایسا ہونا بھی ...ہیے تھا' کسی مصنف کے گھر رسالے کے چیف ایڈیٹر کا بنفسِ نفیس جانا بڑی اہمیت رکھتا ہے خصوصاً ...ب مصنف کوسوں دور کا باشندہ ہو..... ملک احسان کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں اس کی پوری کوشش تھی کہ ...لانے پینے سے متعلق ہر الم غلم چیز میرے پیٹ میں ...یز دے۔ گنجائش تو باقی نہ بچی تھی لیکن مجھے اس کے بے حد اصرار پر رات کا کھانا اس کے ساتھ کھانا ...ا۔ میری دو دھاری زبان سرعت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے سرسری طور پر ذکر کیا کہ یہ اچھا موقع ہے اگر ملک احسان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ...اول کا بقیہ نصف مسودہ بھی میرے حوالے کر دے تو ...پر ڈاک کرنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔ مسودہ ...ی محفوظ کا محفوظ اپنے صحیح ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔ ...اک کے مرحلوں سے گزرنے کے دوران رجسٹری ...و جانے کا امکان بھی میں نے لاپرواہی سے اس ...ے گوش گزار کر دیا اور اس اندیشے سے بھی آگاہ کر دیا کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا اور بقایا مسودہ ...اک کی نذر ہو گیا تو نہ صرف قارئین کو مایوسی ہو گی بلکہ ملک احسان کی ساکھ اور شہرت کو ناقابلِ تلافی گزند پہنچے گی۔ نتیجہ میری مرضی کے عین مطابق نکلا اور اس نے بلا کسی پس و پیش کے باقی آدھا ناول بھی ...سونپ دیا۔ وہ مہمان نوازی میں اتنا غرق تھا کہ اس نے نہ تو معاوضے کا مطالبہ کیا نہ یہ پوچھا کہ میں اُسے چیک کب تک بھیج دوں گا نہ ہی اور کوئی استفسار کیا جو ایسے مواقع پر کیے جاتے ہیں۔ وہ پوری طرح مجھ پر ایمان لا چکا تھا اور اس کے دل پر میرے حسنِ سلوک کا نقش اتنا گہرا ہو چکا تھا کہ اسے مٹانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا اور اپنی زبان کا معترف بھی جس کا خاطر خواہ استعمال میرے لاتعداد مسائل چٹکی بجاتے حل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پورے ڈھانچے میں مجھے سب سے زیادہ پیار اپنی زبان سے ہے اور میں اس کا احترام بھی کرتا ہوں۔

☆.....☆.....☆

ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ شائع ہوتا رہا۔ اب اس کی سرکولیشن پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ ملک احسان کا سلسلہ وار ناول بہت پسند کیا جا رہا تھا۔

پانچ قسطیں پوری ہو گئیں تو اس کا خط آیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ پہلی قسط کا معاوضہ چیک کی شکل میں بھیجا گیا تھا وہ پورے ہو گئے ہیں۔ اب آئندہ آنے والی اقساط کا معاوضہ اسے روانہ کر دیا جائے۔ میں نے خط پڑھا اور بے شمار دوسرے فضول خطوں کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ پھر تو ملک احسان نے ڈاک بٹھا دی خطوط کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے تقاضوں کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا مجھے خبر تھی کہ وہ اپنی تعلیمی اور کاروباری اُلجھنوں سے اتنی فرصت نہیں پاتا کہ صرف اس مقصد کے لیے کراچی آئے اور اگر آ بھی گیا تو مجھے اپنی زبان پر پورا اعتماد تھا جس کی فنی بلندیوں کی بنا پر آئے دن ملک احسان جیسا معاملہ رکھنے والے مصنفین کو جھانسے دیتا رہتا تھا اور وہ لوگ ناراض بھی نہیں ہونے پاتے تھے۔

ہاں میں نے اتنا ضرور کیا تھا کہ ملک احسان کے ہر چار پانچ مکتوبات کے جواب میں ایک انتہائی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

پُر درد اور قابل رحم مضمون پر مشتمل خط اسے لکھ دیتا تھا جس میں ادارے کے محدود وسائل کا رونا ہوتا تھا اور اپنی تنگ دستی کا گلہ ہوتا تھا اور قسمت سے شکوہ ہوتا تھا مگر وعدہ بھی ہوتا تھا کہ ہم بہت جلد آپ کا قرض اتار دیں گے بس ہمارے ناگفتہ بہ حالات درست ہونے کی دیر ہے۔ یہ وہ راگ ہے جو رسالے کا مالک مروجہ اصولوں کے تحت الاپتا رہتا ہے اور لکھنے والوں پر اُلو کی لکڑی پھیر پھیر کر اپنا اُلو سیدھا کرتا رہتا ہے میں یہ کر رہا تھا تو کیا برا کر رہا تھا۔ زمانے کا ساتھ دے رہا تھا اور ان ہی راستوں پر چل رہا تھا جو میرے ہم پیشہ حضرات نے اپنائے ہوئے ہیں۔

ملک احسان کے خطوں کی یلغار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ غالباً وہ سب کچھ بھانپ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے خط کا مضمون تلخ سے تلخ تر ہوتا گیا آنے والا ہر ملفوف پہلے سے زیادہ تیز و تند لہجہ رکھتا تھا۔ نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ اس کے مکتوب ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ عام حالات میں شاید کبھی میں ایسا مضمون برداشت نہ کرتا لیکن مجبوری تھی صبر کرنا ہی تھا۔ دودھ دینے والی بکری کی لاتیں بھی کھانا پڑتی ہیں۔

میں خون کے گھونٹ پی کر دل پر صبر کی ٹھنڈی سل رکھ کر پورے خلوص سے اسے جواب لکھ دیتا اور ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نیا ڈھکوسلا سنا دیتا۔ کبھی کاغذ کی بلیک مارکیٹنگ کا افسانہ گھڑ بھیجتا۔ کبھی سنسر شپ پر اپنی تباہ حالی کا الزام ڈال دیتا اور کبھی کتب فروشوں کے بڑھتے ہوئے کمیشن کا سہارا لیتا۔

وہ مجھ پر ذرا بھی رحم کھانے پر تیار نہ تھا۔ اب تو اس نے صاف صاف لکھنا شروع کر دیا تھا کہ میں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہوں اور میرے بہانے بے اثر ہو چلے ہیں اور وہ میری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا نیز یہ کہ اس نے مجھ پر بھروسہ کر کے غلطی کی ہے اور وہ مجھے اس قدر نیچ، گھٹیا اور بدنیت آدمی نہیں سمجھتا تھا۔

آنے والا ہر خط میرے غم و غصے کی آگ کو مزید بھڑکا دیتا۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اتنا غصیلا اور بدتہذیب ہو جائے گا۔

اس کا لفافہ کھولتے ہی مغلظات کا ایک بدبودار چشمہ خط میں سے ابل پڑتا تھا۔ ابھی تک میں پُر امید تھا کہ اسے رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی اس کا مکمل ناول میرے پاس موجود تھا اور ایسی صورت حال میں مصنفین ذرا احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ایڈیٹر سے ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لیتے مگر ملک احسان تو عجب اوندھی کھوپڑی کا آدمی تھا اسے کسی قسم کی کوئی پرواہ کوئی فکر نہ تھی مجھے بے نقط لکھے چلا جا رہا تھا۔

مصیبت یہ تھی کہ میں اس کا مطالبہ پورا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے تو پرچے رسالے میں بلا معاوضہ لکھوانے کی عادت تھی کوئی بہت زیادہ پیچھے پڑتا تو چند سو روپے پکڑا کر جان چھڑا لیتا تھا۔ اگر ملک احسان کو اتنی بھاری رقم کی فراہمی میری جانب سے ہو جاتی تو اول تو یہ کہ میں اس خسارے کو نہیں سہہ سکتا تھا دوئم یہ کہ ادائیگی کی شہرت ہو جانے کا بھی خطرہ تھا جو اس پر منتج ہوتا اور بالآخر مجھے یہ پیشہ ترک کرنا پڑتا جو مجھے منظور نہیں تھا۔ پیشہ وہ ترک کیا جاتا ہے جس میں نقصان ہو۔ فی الحال تو یہ تھا کہ ہم بھاری معاوضے کے طلب گار کو یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ ہمارے ہاں کسی کو اتنا کثیر سرمایہ نہیں دیا جاتا اور یہ سچ بھی تھا۔ پورے کاروبار میں محض یہ ایک اکلوتا سچ موجود تھا۔

ملک احسان کے بے ہودہ رویے نے مجھے اتنا زچ کیا کہ میں نے تنگ آ کر اُسے پھوٹی کوڑی بھی نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے اندر کا ضدی چیف ایڈیٹر دور دار انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا۔ ملک احسان نے اب تک میری شرافت کو کمزوری پر محمول کرتے ہوئے تمام اخلاق و ادب بالائے طاق رکھ دیے تھے اور سمجھ رہا تھا کہ تلخ و ترش خط لکھ کر مجھ پر فتح حاصل کر لے گا۔ اپنے گھمنڈ میں اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ کوئی قلمکار کتنا ہی بلند و قوی ہو جائے رسالے کے ایڈیٹر سے ٹکرانے کی طاقت پھر بھی نہیں رکھتا۔ یہ تجربے کی باتیں تھیں اور ملک احسان کا تجربہ ابھی مختصر تھا اس نے صرف تحسین و آفرین کے نعرے سنے تھے پھبتیوں سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ اب تو اس نے کھلے بندوں کہنا شروع کر دیا تھا کہ میں اس کا ناول اُسے واپس کر دوں۔ پاگل نے یہ غور نہیں کیا کہ اگر واپسی ہی مقصود ہوتی تو ناول اس سے لیتا ہی کیوں۔

☆.....☆.....☆

میں اپنے دفتر میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ رسیور بجنے لگی۔ ملک احسان طوفان بادوباراں کے مثل اندر داخل ہو رہا تھا پہلی نظر میں اسے دیکھ کر اس کے اشتعال کی پیمائش کی جا سکتی تھی۔ اچانک اسے اپنے سامنے طیش میں بھرا دیکھ کر میرے حواس مختل ہو گئے مگر میں نے پلک جھپکتے میں ان پر قابو پا لیا اور اپنے چہرے پر وہ تاثرات طاری کر لیے جو کسی یارِ غار سے دفعتاً ملاقات پر بے ساختہ طاری ہو جاتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں....."

ان تین الفاظ سے زیادہ میں نے ملک احسان کی زبان سے چھیننے نہ دیا اور جھپٹ کر والہانہ بغلگیر ہو گیا میری یکلخت گرم جوشی اور وہ بھی اتنی بڑی ہوئی اسے بوکھلا گئی۔ پے در پے چار پانچ بوسے لینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"چندا..... آنے کی اطلاع تو دی ہوتی میں اسٹیشن پر آ جاتا۔" میں نے اسے زبردستی کرسی پر بٹھا دیا اور چپڑاسی کو ٹھنڈی بوتل لانے کے لیے روانہ کر دیا۔

"بس ایک دم ہی پروگرام بن گیا تھا۔" اس کے تنے ہوئے اعصاب آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ میرے اظہار محبت و اخوت نے مثبت اثر ڈالا تھا۔

"کہو کب آئے؟" میں نے ایسے پوچھا جیسے میں شدت فراق میں اس کی راہ تکتے تکتے اندھا ہونے کے قریب تھا۔

"کل ہی آیا ہوں اور کل صبح جا رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا۔

"صبح سے فون کر رہا ہوں آپ کے دفتر سے کوئی اٹھاتا ہی نہیں، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو کوئی اٹھائے بھی۔" میں نے افسوس سے ٹیلی فون کے آلے کو دیکھا۔

"ہائیں گھنٹی ہی نہیں بجی۔" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"نہیں....." میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ ٹیلی فون بل کی ادائیگی نہ ہونے کی پاداش میں کٹ چکا ہے۔"

"اوہ....."

"بہت ممکن ہے آئندہ جب آپ تشریف لائیں تو اس دفتر میں آپ کو کوئی اور براجمان ملے۔" میں آنے والے مرحلے سے نمٹنے کے لیے، ابھی سے راہ ہموار کر رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

میں نے کئی گز لمبی ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

"دفتر کا کرایہ مجھ پر اتنا چڑھ چکا ہے کہ مالکِ دفتر کی برداشت کسی بھی دن جواب دے سکتی ہے اور

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

وہ ہمارا سامان اُٹھا کر باہر سڑک پر پھینک سکتا ہے۔"

اس نے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے دفتر کا جائزہ لیتا رہا۔ اسی اثنا میں چپڑاسی مشروب کی بوتل لے آیا اور ملک احسان اس سے مشغول کرنے لگا۔

میں مسلسل اپنی زبان کا کثرت سے استعمال کر رہا تھا اور الفاظ کے شکنجے اس کے گرد کسنے میں لگا ہوا تھا۔ اچھی بھلی بک بک کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ملک احسان کا چہرہ ہر قسم کے احساسات سے عاری تھا اور آنکھوں میں اجنبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ میں حتی الامکان اسے اپنے آگے بولنے کا موقع فراہم کرنے سے احتراز کر رہا تھا لیکن آخر کب تک..... بولتے بولتے میرے جبڑے دکھنے لگے اور میں ستانے کے لیے ذرا کی ذرا رُکا تو وہ بول پڑا۔

"اکمل صاحب براہ کرم میرا ناول آپ مجھے لوٹا دیں۔"

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ میری تمام زبانی محنت اکارت ہوتی دکھائی دی۔ ملک احسان نے بے مروتی سے وہی کہہ دیا تھا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ میں نے حوصلہ نہیں ہارا اور ریشہ خطمی ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ملک صاحب..... اگر ہم غریبوں سے کوئی شکایت ہے تو حکم دیجیے ہم ہر قسم کی خدمت کو تیار ہیں۔"

"آپ نرے فراڈ ہیں۔" وہ یک بیک آپے سے باہر ہو گیا۔

"ناول حاصل کرنے سے پہلے آپ نے مجھے خوب بے وقوف بنایا اور مطلب نکلتے ہی طوطا چشم بن گئے۔ میں کتنے ہی خط لکھ چکا ہوں۔ نہ آپ کوئی مدلل جواب دیتے ہیں نہ ناول واپس کرتے ہیں اور نہ معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی۔"

"بس اتنی سی بات۔" میں نے بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے ایسے کہا جیسے اس نے مجھ سے چٹکی بجانے کی فرمائش کی ہو۔

"کمال ہے ملک صاحب اتنی سی بات پر اتنا غصہ..... چچ چچ..... اب آپ خود ہی دیکھیے ہر خط کا جواب پابندی سے دینا بوجہ مصروفیت ممکن نہیں۔ ناول آپ نے نہیں دیا۔ آپ کی نوازش ہے۔ اسے ہم شائع بھی کر رہے ہیں یہ تو ہمارے لیے ایک اعزاز ہے کہ آپ جیسے بلند پایہ مصنف کی تحریر ہمارے ترانہ ڈائجسٹ کی شان میں اضافہ کرے رہا سوال معاوضے کا تو بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔"

"یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ وہ بہت جلد کب آئے گی۔" اس نے تنتا کر کہا۔

"آپ مجھے ابھی معاوضے کا چیک دے دیجیے۔"

نئی صورت حال نے مجھے گڑبڑا دیا۔ میں نے اسے سمجھایا۔

"دیکھیں فی الوقت ہمارے مالی حالات دگرگوں ہیں۔ فون کٹ چکا ہے کرائے کی ادائیگی کرنے کے قابل بھی ہم نہیں ہیں پھنس پوچھیے کہ کیسی کیسی مشکلات میں ترانہ ڈائجسٹ کل رہا ہے۔"

"گویا آپ مستقل نقصان اٹھا رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا شاید اُسے ترس آ گیا تھا۔

"بالکل.....!"

"رسالے کے علاوہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کچھ اور کیا جائے رسالے کے جھمیلے کم تو نہیں ہوتے۔"

"آپ مصلحتاً جھوٹ بولتے ہیں یا عادتاً؟"

"کیا فرمایا آپ نے..... میں سمجھا نہیں۔" میں الجھ گیا تھا۔

"خسارے کا کاروبار احمق سے احمق آدمی بھی نہیں کرتا۔ اگر آپ کو ترانہ ڈائجسٹ سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو رہا تو خدارا اسے بند کر دیجیے کل بند کرنے کا ارادہ ہو تو آج بند کر دیجیے۔ چار پیسے بچ رہے ہیں تو بچا لیجیے۔" اس کی زبان طنز کے زہریلے تیر اُگل رہی تھی۔

عجیب مشورہ ہے آپ کا ہمیں تسلی دینے کے بجائے ترانہ ڈائجسٹ کو بند کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔" میں نے دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"اکمل صاحب..... آخر آپ مجھے عقل و ہوش سے خارج کیوں سمجھتے ہیں۔ ترانہ ڈائجسٹ ہی آپ کا کل وقتی ذریعہ معاش ہے اور اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ کراچی جیسے شہر میں بود و باش رکھنے کے لیے کم از کم ہزاروں روپے ماہوار خرچ کرنا پڑتا ہے اور آپ تو اچھے بھلے قرینے سے رہتے ہیں۔ رسالہ بند کرنے کے حق میں بھی نہیں تو پھر آپ کے یہ ٹھاٹ باٹ کہاں سے آتے ہیں۔ کیا آپ کے لیے بطور خاص من سلویٰ اترتا ہے آسمان سے۔"

ملک احسان کے درشت لہجے نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی لیکن یہ وقت بھڑکنے کا ہرگز نہیں تھا۔

"آپ تو شعلہ بنے ہوئے ہیں ملک صاحب..... ایک اور ٹھنڈی بوتل منگوانی پڑے گی۔"

میں نے چپڑاسی کو پکارا مگر وہ جلدی سے بولا۔

"میں دوسری بوتل نہیں پیوں گا۔"

میں نے اپنے اوسان مجتمع کیے اور کہا۔

"آپ یقین کیجیے آپ کا معاوضہ آپ کو ہر حال میں ملے گا۔ ہم اپنے قلم کاروں کی ناراضگی ہر صورت میں رفع کرتے ہیں۔ بس آپ کو پندرہ بیس دن انتظار کرنا ہوگا۔" میں اسے ہر قیمت پر ٹالنا چاہ رہا تھا۔

"مجھے آپ کی صداقت پر شبہ ہے سنا ہے آپ اپنے لکھنے والوں کا معاوضہ پی جاتے ہیں' بلکہ اب تو یقین آتا جا رہا ہے۔"

"یہ صریحاً مبالغہ ہے کسی نے آپ کو بہکایا ہے۔" میں نے ٹھوس عزم سے کہا گو کہ وہ سچ کہہ رہا تھا مگر مجھے کسی طور اس کا سچ نہیں ماننا تھا اور اپنا جھوٹ مسلط کرنا تھا۔

"جی نہیں..... دروغ گوئی آپ کر رہے ہیں۔ نازیہ مشتاق کا ناول عرصے سے آپ کے رسالے میں شائع ہو رہا ہے۔ اس بے چاری کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے پورا کا پورا ناول ہتھیا لیا اور اس کو ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں دیا۔"

"نازیہ مشتاق آپ کو کہاں مل گئیں۔ وہ تو پشاور میں مقیم ہیں۔" میں اس کے پینترا بدل بدل کر حملہ کرنے سے عاجز ہو چکا تھا۔

"میں پچھلے مہینے پشاور گیا تھا وہیں ان سے ملاقات ہوئی ان سے ہماری دور دراز کی عزیز داری ہے۔"

پہلے ہی اس نے میرے نتھنوں میں تیر دے رکھے تھے۔ اس نئے انکشاف نے اور کس بل ڈھیلے کر کے رکھ دیے۔ نازیہ مشتاق سے ملاقات کے سبب میرا کاروباری ہتھکنڈا اس نے پہچان لیا تھا اور یہی وجہ تھی اس کی چراغپائی کی۔ میرا پول اس پر نازیہ مشتاق نے کھول دیا تھا۔ ایک لمحے کو میں سناٹے میں آ گیا مگر سنبھلنے میں تاخیر نہ کی اور فن چاپلوسی کے وہ گُر جو ابھی تک آزمائے نہ جا سکے تھے انہیں بروئے کار لانے کا فیصلہ کر لیا۔

"نازیہ مشتاق کے ناول کی قسطیں آپ پڑھتے ہیں؟" میں نے اپنی گھبراہٹ ظاہر کیے بغیر پوچھا۔

"ہاں....."

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

''انصاف سے بتایئے کیا نازیہ مشتاق کی تحریر کا مقابلہ آپ کے فن پاروں سے کیا جاسکتا ہے۔''

''کیا..... ذرا وضاحت کریں۔'' وہ کچھ نہ سمجھا تھا۔

''اب آپ خود ہی دیکھیں۔ کہاں آپ کا ناول کہاں نازیہ مشتاق کا' آپ کی شہرت اور نازیہ مشتاق کی مقبولیت میں زمین آسمان کا تفاوت ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ ان خاتون کا قلم آپ کے قلم سے کہیں کم تر اور نوآموز ہے۔ کیا آپ میرے دعوے سے انحراف کرسکتے ہیں؟'' میں نے عیاری سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ہر انسان کی دکھتی رگ اس کی تعریف و توصیف کے طول طویل بیانات میں سے گزرتی ہے۔ اس نے کچھ نہ کہا اور بغور میری جانب متوجہ رہا۔

میں نے پھر کہنا شروع کیا۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ زبان و بیان اور لفظوں کا کھیل کھیلنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے لاتعداد لوگ قلم گھستے رہتے ہیں لیکن متاثر کن قلمکار چیدہ چیدہ ہی ہیں اور ان میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔'' وہ کان لگائے سن رہا تھا میں نے لمبی سانس پھیپھڑوں میں بھر کر بیان جاری رکھا۔

''آپ نے نازیہ مشتاق کی مثال دی ہے میں ایسے مصنفین کی مثالیں گنوانا شروع کروں تو جانے کتنے گھنٹے گزر جائیں جن کی تحریروں کو گھنٹوں کی عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد قابل اشاعت بنایا جاتا ہے۔ اگر جوں کا توں چھاپ دیں تو کوئی ردی کے بھاؤ بھی پرچہ نہ خریدے نام لکھنے والوں کا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے محنت ہماری ہوتی ہے۔ کریڈٹ ہمیں ملنا چاہیے کہ ہم بیشتر لکھنے والوں کی بے ربط تحریروں کو معیاری بنانے میں دن رات ایک کردیتے ہیں۔ بہت سے افسانے تو اول تا آخر دوبارہ لکھنے پڑتے ہیں۔ اب آپ بتایئے کہ ایسے لوگوں کو معاوضہ دینا انصاف سے بعید ہے کہ نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ ہمارے شکر گزار ہوں کیونکہ ان کی شہرت میں ان کی صلاحیتوں سے بڑھ کر ہم جیسے خدمت گار دخیل ہوتے ہیں۔ آپ کا قصہ جدا ہے آپ کی کہانی میں قلم لگانے کی اور قطع برید کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ اس میں کوئی گنجائش' کوئی جھول ہی نہیں چھوڑتے۔ رہا سوال معیار کا تو میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کر ہی نہیں سکتا۔ قارئین نے آپ کو قبول عام کی سند بخشی ہے۔ آپ کی معیاری تحریریں ہر پہلو سے اس عزت افزائی کی مستحق بھی ہیں۔''

میری تقریر کے اختتام تک ملک احسان موم ہو چکا تھا تاہم اس نے مزاحمت کی۔

''آپ درست فرمارہے ہیں مگر آپ کا رسالہ کمرشل رسالہ ہے ادبی جریدہ نہیں کہ لوگ معاوضے کو صبر کرلیں۔ آپ جو کچھ چھاپتے ہیں اس کی قیمت دینا چاہیے۔ اگر مصنفین آپ کے معیار کے مطابق مواد نہیں بھیجتے تو آپ اس پر مغز ماری کیوں کرتے ہیں' کیوں قابل اشاعت بناتے ہیں واپس کردیا کریں اور وہی مواد رکھا کریں جو آپ کی مرضی کے مطابق ہو۔''

''سمجھو میرے بھائی سمجھو۔'' میں نے انکساری برتی اور چاپلوسی کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

''ایسے قلم کار ہیں کہاں..... آپ جیسے باصلاحیت تو اکا دکا ہیں۔ آپ کے کہنے پر عمل کروں تو پرچہ مشکل سے ایک یا دو افسانوں پر مشتمل ہو۔ اور یہ ممکن نہیں' میں ترانہ ڈائجسٹ کو پمفلٹ میں تبدیل نہیں کرسکتا۔''

''بہرحال یہ آپ کے کاروباری معاملات

ہیں۔'' اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پہلی بار مجھ سے اخلاق کیا۔

''لیکن میرا معاوضہ مجھے ملنا چاہیے۔''

''میں نے کب انکار کیا ہے۔'' میں نے گھڑے اچکائے۔

''بس مجھے آپ قلیل سی مہلت دیجیے۔''

''تو پھر میں کب تک انتظار کروں۔'' وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''حد سے حد پندرہ دن۔'' میں نے استحکام سے کہا۔

''پھر سوچ لیجیے اکمل صاحب..... اس مدت میں اضافہ کرنا چاہئیں تو ابھی کرلیں اس کے بعد کیا ہوگا یہ بتانا میں قبل از وقت سمجھتا ہوں۔'' اس نے ایسے لہجے میں مجھے متنبہ کیا جیسے متذکرہ مدت گزرتے ہی وہ مجھے پھانسی چڑھوادے گا۔ میں نے پھر بھی درگزر کی اور اس کے لیے کا قطعی نوٹس نہیں لیا۔

''آپ اطمینان رکھیں۔'' ملک احسان رخصت ہوگیا میں اپنی منافقت پر عش عش کر اٹھا رہا تھا اور بیٹھ رہا تھا اس لیے کہ دوبارہ اٹھنا ہوتا تھا۔ جس باریکی سے میں نے اسے ٹالا تھا وہ میری خداداد صلاحیتوں میں سے ایک تھی۔ میں نے دعا کی کہ خدا میری زبان کو مزید تیزی و استقلال عطا کرے۔ ملک احسان کو میں نے جس فنکاری سے شیشے میں اتارا تھا یہ میری زبان کا ہی معجزہ تھا۔ اب وہ سکھر جاچکا تھا۔ آنکھ سے اوجھل ہو چکا تھا۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کا محاورہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا۔

☆.....☆.....☆

میرا ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ شائع ہوتا رہا اور ملک احسان کا ناول بھی تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا یہاں تک کہ یہ مراحل پورے ہوگئے۔ ناول اپنے اختتام کو پہنچا۔ آخری قسط بھی چھپ چکی تھی۔ ملک احسان سے میری ملاقات کو آٹھ دس ماہ بیت چکے تھے۔ دریں اثنا اس کا ایک خط بھی آیا تھا جس میں معاوضے کی ادائیگی کرنے کی یاد دہانی تھی یہ خط بھی ردی کی ٹوکری نے ہضم کیا۔ میں پُرسکون و مطمئن تھا۔ اب وہ میرا کر ہی کیا سکتا تھا کھیل ختم ہو چکا تھا اور میں نے کامیابی حاصل کرلی تھی۔ لیکن بعض اوقات کھیل کے فیصلہ کن اختتام پر بھی دنگا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور گھمسان کا رن پڑ جاتا ہے۔

ملک احسان کے ناول کی آخری قسط شائع ہوئے ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا کہ مجھے اس کے وکیل کی طرف سے نوٹس موصول ہوا۔ فتح مند اور ظفریاب ہونے کے بعد میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ملک احسان ایسا ہلہ اٹھادے گا۔ وکیل کے نوٹس نے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔ نوٹس میں لکھا تھا کہ میں نے وکیل کے موکل ملک احسان سے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور اس کی رقم ادا نہ کرنے کی پاداش میں مجھے عدالتی کارروائی کا سامنا بھی ہوسکتا ہے۔ نوٹس کے ساتھ میرا وہ مکتوب منسلک تھا جس میں واضح طور پر میں نے لکھا تھا کہ ناول کی پہلی قسط کا معاوضہ پندرہ سو روپے کا چیک ارسال ہے اور بقایا رقم کی ادائیگی دیگر اقساط کی وصولی پر کی جائے گی۔

وکیل نے میرے خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھیجی تھی اور اصل خط اس کے پاس موجود تھا۔ مجھے توقع نہ تھی کہ ملک احسان نے میرے اتنے پرانے خطوط بھی جگر گوشہ سمجھ کر کلیجے سے لگائے ہوئے ہوں گے نہ ہی مجھے یہ امید تھی کہ وہ اتنا بڑا اور جامع قدم اٹھالے گا صرف چند ہزار روپے کی خاطر یہ نوٹس اس کی ضرم ضدا کا بین ثبوت تھا۔ عدالتی کارروائی میں خرچ

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہونے والا روپیہ ہر صورت میں ان چند ہزار روپے سے زائد ہی ہوتا ہے مگر ملک احسان نے اس پہلو پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور اگر دی تھی تو سرسری..... صاف ظاہر تھا کہ اس کے عزائم خطرناک ہیں اور وہ مجھ پر مقدمہ دائر کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

حالات کی کنج ادائیگی نے میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیلا دیا۔ میرا دماغ ماؤف ہوگیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ ترانہ ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر پر ایک مصنف نے عدم ادائیگی رقم کو بنیاد بنا کر مقدمہ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ بلکہ میرا تو یہ خیال تھا کہ ادبی وصحافی دنیا میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال تھی۔ اگر ہر لکھنے والا ملک احسان کے نقش قدم پر چلنا شروع کردیتا تو میری ساری زندگی پیشیاں بھگتتے ختم ہوجاتی اور مقدمات پھر بھی قائم رہتے۔

یقین کامل تھا کہ میرے لکھے ہوئے تمام خطوط ملک احسان کے پاس محفوظ ہوں گے جن میں نہ جانے کیا کیا لکھ بیٹھا تھا اور خود میرے تحریر کردہ الفاظ کا پھندا میری گردن دبوچنے کو کافی تھا۔

میں نے ہر زاویے سے نوٹس پر غور کیا بار بار پڑھا اپنے قانونی مشیر سے رائے لی لیکن بے سود..... کوئی سقم کوئی گنجائش نہ نکلی' کوئی نکتہ میرے حق میں نہیں جاتا تھا۔

نجات کا واحد راستہ یہی تھا کہ میں بلا تاخیر ملک احسان کو رقم کی ادائیگی کردوں۔ مقدمہ سے پہلوتہی کا خمیازہ بھگتنا ہی تھا۔ اگر پس وپیش کرتا اور مقدمہ بازی ہوجاتی تو نہ صرف میرے بند ہونے کے امکانات روشن تھے بلکہ ترانہ ڈائجسٹ کی رہی سہی مٹھی بھر ساکھ بھی خاک میں مل جاتی اور میں کہیں کا نہ رہتا۔

ملک احسان کو جھولی پھیلا پھیلا کر کوستے ہوئے میں نے فی الفور پندرہ سو روپے کا چیک اُسے بھیج دیا۔ ایسی ہزیمت میں نے کبھی نہ اٹھائی تھی اور نہ ہی تصور کیا تھا۔ میری کیفیت اس بھیڑیے کی سی تھی جسے طاقت ور شیر نے بری طرح زخمی کردیا ہو اور بھیڑیا اپنی کم حیثیت وناتوانی کی وجہ سے مدمقابل کے قوی الجثہ ہونے کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے جوابی کارروائی چاہنے کے باوجود نہ کرسکتا ہو دور بے بسی سے اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو۔

چاٹتے چاٹتے یہ زخم بھی مندمل ہوگیا۔ وقت سب سے اکسیر مرہم ہے اور اس مرہم کی تہیں چڑھتی جارہی تھیں۔ تاہم بسا اوقات اس گہرے گھاؤ میں شدت کی ٹیسیں اٹھتی تھی۔ شکست خوردگی کی ٹیسیں' لاچارگی کی ہوک انتقام کی کسک' لیکن میں کر ہی کیا سکتا تھا سوائے اپنا سر پیٹنے کے.....

☆.....☆.....☆

ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ مقررہ رفتار سے اپنی راہ پر گامزن تھا۔ ملک احسان کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی شرمناک شکست نے مجھے پہلے سے بڑھ کر محتاط بنا دیا تھا۔ اب میں تحریری طور پر کسی بھی مصنف سے وہ بلند وبانگ دعوے کرنے سے گریز کرتا تھا جو کسی بھی لمحے میرے لیے مصیبت بن سکتے ہوں۔ یا آئندہ مجھے جھٹلانے میں معاون ثابت ہوسکتے ہوں۔ البتہ زبانی کار پردرازیوں اور فتنہ طرازیوں سے میں باز نہیں آیا تھا اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ رکھتا تھا وگرنہ یہی ہوتا تھا کہ اپنے زبانی وعدوں کو نبھانے کے عوض میرے تن کے کپڑے تک سربازار فروخت ہوجاتے اور پھر ان وعدوں کو پورا کرنے کے لیے میرا کل اثاثہ میرے بدن کی بوٹیاں رہ جاتیں جنہیں کوئی خریدنے پر آمادہ نہ ہوتا اور وعدے بدستور باقی رہتے۔

کامیابی نے ملک احسان کے دماغ میں غالباً اچھی طرح خناس بھر دیا تھا وہ اسی گمان میں تھا کہ اب میں اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوں جسے وہ

اپنی منشا کے مطابق پھرکا لے گا۔ بصورت دیگر اتنی ملوبصورت اور اچھوتی کہانی مجھے بھیجنے کی کوئی تک نہ تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جڑیں گہری کرچکا تھا کہ وہ ہارے ہوئے گھوڑے کو اپنے اشاروں پر نچانے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اس کی رجسٹری موصول ہوئی تو میں تلملا کر رہ گیا کہانی بھیجنے کے ساتھ اس نے معاوضے کا تعین بھی خود ہی کرلیا تھا اور بے طمطراق سے لکھا تھا کہ وہ اس کہانی کی قیمت چھ گزار روپے سے ایک پیسہ کم نہیں لے گا اور یہ کہ آج کل اس کی کہانیوں کے نرخ یہی ہیں اور اس کا مطالبہ جائز ہے۔ ماضی کے تعلقات کا کنایۃً بھی تذکرہ نہ تھا اور نہ ہی ان واقعات کی جانب کوئی اشارہ تھا جو وقوع پذیر ہوچکے تھے۔

اور میرے ذہن و دل کو تہہ تیغ کرچکے تھے۔ میں کشمکش وپیچ میں تھا بلاشبہ ملک احسان کا یہ عمل محیر العقل تھا پھر اس کی فاتر العقلی پر مہر تصدیق' اتنی کٹ حجتی اور رسہ کشی ہوچکی تھی کہ ہم میں اور عدالت میں تھوڑا ہی فاصلہ باقی بچا تھا۔ میں اپنی شکست کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا تھا اور وہ اپنی فتح کو اتنی جلدی بھول گیا تھا۔ انسانی نفسیات کہیں نے ہار عمر بھر کا وبال بن کر گھن لگاتی رہتی ہے اور جیت انبساط کی گنی چنی گھڑیاں عنایت کرتی ہے جن کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے۔

گھٹنوں کی مغز پچی نے مجھے یہی باور کرایا کہ ملک احسان میری کم مائیگی اور احتیاط پسندی سے آگاہ ہوچکا ہے اور کامیابی کے نشے میں چور ہے۔ ایک بار مجھے مات دینے سے اس کا یہ یقین راسخ ہوچکا ہے کہ وہ خود ناقابل شکست ہے اور مجھ سے اپنا ہر مطالبہ منوانے پر قادر ہے۔

میں نے اس کی کہانی پڑھی اتنی عمدہ اور متنوع کہانیاں بہت کم تخلیق کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس کہانی کی چھ ہزار روپے قیمت بہت کم مقرر کی تھی اگر کسی بڑے کثیر الاشاعت پرچے میں دیتا تو منہ مانگے دام وصول کرسکتا تھا۔

میرے دل میں انتقام کے سانپ بل کھا کھا کر سر اٹھا رہے تھے اور اندر ہی اندر مجھے ڈنک مار رہے تھے۔ ملک احسان کے گھمنڈ اور غرور نے مجھے ایک بہترین سنہری موقع طشتری میں سجا کر پیش کردیا تھا۔ اپنی شکست کا بدلہ لینے کا انمول موقع ملک احسان نے بذات خود مجھے فراہم کردیا تھا۔ ہر چند کہ میرا یہ انتقام اس ذلت کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جس سے ملک احسان مجھے دوچار کرچکا تھا۔ لیکن پھر بھی میں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔

ہر پہلو کا بنظر غایت تجزیہ میں انتقام لینے سے پہلے ہی کرچکا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ سڑکوں پر دیوانہ وار قہقہے لگاتا پھروں۔ میں اپنا انتقام لے چکا تھا اُسی ملک احسان سے جو احساس برتری میں اس قدر مدہوش ہوگیا تھا کہ اس نے احمقوں کی جنت میں رہائش اختیار کرلی تھی۔

☆.....☆.....☆

عدالت سے سمن موصول ہوا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ مجھ پر یہ الزام تھا کہ میں نے ملک احسان کی کہانی اپنے نام سے ترانہ ڈائجسٹ میں شائع کردی ہے۔ یہ الزام میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ درست ہے کہ میں نے ملک احسان کی کہانی اپنے نام سے شائع کردی تھی۔ کون سا غضب ہوگیا تھا۔ یہ تو میں اس سے قبل بھی کبھی کبھار کرلیتا تھا منہ کا ذائقہ بدلنے کو' طیش تو مجھے ملک احسان پر آرہا تھا جو کسی نہ کسی طریقے سے مجھے عدالت کے بکھیڑوں میں اُلجھانا چاہتا تھا خواہ مخواہ کے چکر کٹوانا چاہتا تھا محض مجھے پریشان کرنے کی غرض سے' یقیناً اسے مقدمہ بازی سے دلی لگاؤ تھا

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

اور وہ نتائج سے بے خبر اپنی دھن میں مگن کانٹوں بھرے راستے پر ننگے پاؤں چلنے پر مصر تھا۔ مجھے اچھے بھلے ذہین مصنف سے اس حماقت کی امید نہیں تھی۔ اس بھلے آدمی کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہ تھا کہ وہ کہانی جو میں نے اپنے نام سے چھاپی تھی اس کی ملکیت تھی۔ ہر مصنف کی تخلیق رسالے کے ایڈیٹر کی تحویل میں آتے ہی لاوارث ہوجاتی ہے اور یہ ایڈیٹر کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ اسے کس طرح چھاپے اور کس کے نام سے چھاپے۔

یہ اعتماد کا سودا ہوتا ہے اور ایڈیٹر صاحبان مصنفین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے جیسا میں نے ملک احسان کے ساتھ کیا تھا مگر ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے جیسا ملک احسان میرے ساتھ کر چکا تھا۔ بلکہ ایسا تو ہوتا ہی نہیں۔

میرا خیال خام ہوگیا کہ ملک احسان میرے اس انتقام پر صبر کر کے بیٹھ جائے گا اور جان لے گا کہ حساب برابر ہوگیا۔ میں ہارا تھا تو میں نے چپ چاپ ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اسے میں نے شکست دیدی تھی اور وہ قبول کرنے پر رضامند نہیں تھا گوریلا جنگ لڑنے پر تلا ہوا تھا۔

عدالت سے سب ہی گھبراتے ہیں۔ میں بھی گھبرا رہا تھا صرف اس لیے کہ بلاوجہ وقت کا زیاں تھا یہ خوف نہیں تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہوگا لہٰذا بدنامی کا بھی ڈر نہیں تھا۔ میرا حریف کسی بنیاد پر عدالت کو قائل نہیں کرسکتا تھا کہ میں نے اس کی تحریر غضب کر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

ملک احسان نے مقدمے میں دس لاکھ روپے کا ہرجانہ بھی دائر کیا تھا میں اس کی کیے بعد دیگرے کی ہوئی بے وقوفیوں پر دل ہی دل میں مذاق اڑا رہا تھا۔ نوجوانوں کا ابلتا ہوا خون دماغ تک نہیں پہنچتا دل تک آ کے رہ جاتا ہے۔

☆.....☆.....☆

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ملک احسان نے بیچ عدالت میں ثبوت پیش کر دیا تھا جو چیخ چیخ کر اس کے حق میں گواہی دے رہا تھا۔ میری ٹانگوں میں سکت نہ رہی تھی۔ میرا وکیل مجھے سہارا نہ دیتا تو میں عدالتی کارروائی کے دوران ہی داغ مفارقت دے جاتا۔ قسمت نے ایسی دغا دی تھی کہ دھاڑیں مار کر رونے کو دل چاہتا تھا میں نڈھال ہوگیا اور بیٹھتا چلا گیا۔ دماغ میں بھانت بھانت کے سوالات کیڑوں کی مانند کلبلا رہے تھے مگر یہ سوالات مجھے مقدمہ ہارنے اور دس لاکھ روپے ہرجانہ ادا کرنے سے نہیں بچا سکتے تھے نہ ہی میری رسوائی و بدنامی کا علاج کرسکتے تھے۔ سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔

ملک احسان نے بھری عدالت میں ایک بیس برس پرانا ادبی رسالہ ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس ادبی جریدے میں وہی کہانی جو میں انتقام کے جوش میں اندھا ہوکر اپنے نام سے شائع کر چکا تھا ملک احسان کے نام سے طبع ہو چکی تھی۔ مخالف وکیل نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے بیس سال پہلے ملک احسان کی شائع شدہ کہانی کو نہ صرف ترانہ ڈائجسٹ میں بلا اجازت شائع کیا بلکہ مستزاد یہ کہ اپنے نام سے چھاپا لہٰذا مجھ پر اخلاقی و ادبی سرقے کا الزام حق بجانب ہے اور مجھے اس کی قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔

ہوش ٹھکانے ہوئے تو میں نے اپنے وکیل سے کہا۔

"یہ ضرور کوئی سازش ہے اب سے بیس سال قبل ملک احسان کی عمر نو یا دس برس ہوگی' ممکن ہے اتنی بھی نہ ہو کیا اتنا کم سن بچہ ایسی اعلیٰ درجے کی تحریر لکھ سکتا ہے؟"

وکیل نے چند سیکنڈ سوچنے کے بعد بے رخی سے

جواب دیا۔

"میں بھری عدالت میں یہ سوال کر کے اپنا مضحکہ نہیں اڑواؤں گا۔ ملک احسان ایک پختہ کار مصنف ہے اس نے یہ کہانی بیس سال پہلے لکھ لی ہوگی۔"

"میں کبھی نہیں مان سکتا۔" میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"تو مت مانو۔" وکیل مقدمہ ہارنے پر جھنجلاہٹ کا شکار تھا اور مجھ پر اس کا غصہ اتار رہا تھا۔

"تم کیسے وکیل ہو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ میں نے تمہیں منہ مانگی فیس ادا کی ہے۔ تم میری بھرپور پیروی کیوں نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے اسی سوال پر ہم جیت جائیں اور مقدمہ کا پانسہ پلٹ جائے ہمارے حق میں۔" میں نے ترش روئی سے بحث شروع کر دی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔" میرا وکیل بولا۔

"قانون قیاس آرائیوں کو نہیں مانتا۔ ملک احسان نے جو ادبی پرچہ پیش کیا ہے اس پر کہانی کے آگے جلی حروف میں اس کا نام لکھا ہوا ہے۔"

اسی پرانے سال خوردہ ادبی رسالے کے متعلق تفتیش کی جاسکتی ہے۔" میں نے امید و بیم کے درمیان کہا۔

دس لاکھ کے صدمے نے تمہارا دماغ اُلٹا دیا ہے۔ یہ ادبی پرچہ سولہ برس پیشتر بند ہو چکا ہے۔ تفتیش کہاں سے ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اسی شمارے کی دوسری کاپیاں میں نے مختلف لائبریریوں میں جا کر دیکھ لی ہیں سب میں یہ کہانی موجود ہے ملک احسان کے نام سے' چنانچہ اس پر جعل سازی کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اتنے مکمل ثبوت کے مقابلے میں دنیا کا بڑے سے بڑا وکیل بھی تمہیں شکست سے نہیں بچا سکتا۔ اگر خواہ مخواہ کی پیچیدگیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تو نتیجہ بہت برا ہوگا۔ تم ہرجانہ ادا کرو اور آئندہ ایسی حرکت کرنے سے احتراز برتنا۔"

وکیل کا لہجہ مجھے گراں گزر رہا تھا۔ میں نے ضد کی۔

"میں برسوں سے اسی پیشے سے وابستہ ہوں بڑے بڑے کہنہ مشق قلمکار ایسی تحریر نہیں لکھ سکتے کہاں کہ ایک نو دس برس کا بچہ۔"

وکیل نے مجھے گھورا پھر گھمبیر آواز میں بولا۔

"پانچ سات برس کی عمر میں بچے شعر کہنا شروع کر سکتے ہیں تو نو دس برس کی عمر میں نثر کیوں نہیں لکھ سکتے۔ تمہارے سوال کا جامع جواب میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ یہ نکتہ اپنے دفاع میں اٹھایا تو یقین کرو ملک احسان کا وکیل بھی یہی جواب دے گا' وہ بھی میرے جیسا وکیل ہے' گھسیارا نہیں' سمجھے۔ تمہاری کوتاہ عقلی معلوم نہیں تمہیں اور کیسے کیسے دن دکھائے گی۔ جو بچکانہ اعتراض تم اٹھانا چاہتے ہو اس کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی وکیل ہی جوابدہ ہو۔ یہ نکتہ ہی بے بنیاد اور احمقانہ ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش اسے مسترد کرسکتا ہے۔" وکیل نے میری بچی کھچی ہمت بھی پست کر دی اس کی دلیل میں وزن بھی تھا یہ ایسا جواز نہیں تھا جو مقدمے کا رخ میری سمت موڑ دے۔

☆.....☆.....☆

ہار کے جھٹکے مار کے اور دس لاکھ روپیہ ہرجانہ ادا کر کے میری شریانوں کا لہو سوکھا نہیں تو جم ضرور گیا تھا۔ دنیا کا سامنا کرتے ہوئے تو کتراتا ہی تھا' آئینے میں اپنی شکل دیکھتے ہوئے بھی شرم آتی تھی۔

میرا ضمیر میرے اندر شور مچا مچا کر غل غپاڑہ کر رہا تھا کہ نو یا دس سال کی عمر میں اس معیار کی کہانی کوئی نہیں لکھ سکتا۔ حالانکہ اس کا کوئی منطقی جواز بھی نہ تھا۔ مگر میں بے چینی میں گھرا ہوا تھا۔

ملک احسان کو دس لاکھ روپے کی ادائیگی ہوگئی تو

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

میں اپنے اندر بپا طوفان پر قابو نہ پا سکا۔

"ملک ٹھیک ہے تم نے جب چاہا مجھے ہرایا لیکن میں تمہارا بے حد احسان مند ہوں گا اگر تم میری ایک اُلجھن دور کر دو۔" میرا طرزِ گفتگو ویسا ہی تھا جیسا سکندر اعظم سے ہمکلام ہوتے وقت راجہ پورس کا رہا ہوگا۔

"کونسی اُلجھن..... کیا اب بھی کوئی اُلجھن باقی رہ گئی ہے۔" ملک احسان کی طنزیہ مسکراہٹ میرے احساس شکست کو دو چند کر گئی۔ شاداں و فرحاں ملک احسان مجھے ایک آنکھ نہ بھایا پھر بھی میں نے استفسار کیا۔

"بیس سال پہلے وہ کہانی کس نے لکھی تھی؟"

"ملک احسان نے۔" وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ بیس سال قبل تم ایسی کہانی کیسے لکھ سکتے ہو۔ فی الوقت تمہاری عمر بمشکل انتیس یا تیس برس ہوگی۔ ہو سکتا ہے اس سے بھی کم ہو۔ اتنی چھوٹی عمر میں تم تو کیا کوئی بھی اس پائے کی تخلیق نہیں کر سکتا۔"

"جب تمہیں یقین ہے کہ کوئی نہیں لکھ سکتا تو میرا مغز کیوں چاٹ رہے ہو۔" اس کا پُراسرار انداز میرے تجسس کی آگ کو اور بھڑکا گیا۔

"پلیز بتا دو وہ کس کی لکھی ہوئی ہے؟"

اس نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"ملک احسان کی۔"

"وہ کہانی تمہاری لکھی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ میں کسی قیمت پر یہ ماننے کو تیار نہیں۔" میں غصے کی حدود سے تجاوز کر گیا اور میری آواز تیز ہو گئی۔

وہ مسکرایا۔

"میاں مٹھو۔" اس نے اتنا کہہ کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور مطمئن ہو کر بولا۔

"میرا پورا نام ملک پرویز احسان ہے سمجھے۔"

"نہیں سمجھا۔" میں نے گڑبڑا کر کہا۔

"اور میرے والد کا نام ملک نسیم احسان ہے سمجھے؟"

"نہیں سمجھا۔"

"میرے والد نے بھی اپنی جوانی میں چند کہانیاں لکھیں۔ وہ بھی فقط ملک احسان کے نام سے لکھتے تھے سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔" میں نے ٹھنڈی اور سرد آہیں بے اختیار بھرنا شروع کر دیں۔

میرے والد نے چار یا پانچ کہانیاں ہی لکھی تھیں اور یہ بہت پرانی بات ہے سمجھے۔ اب اگر تم میری دشمنی میں اس کا اشتہار بانٹنا چاہو تو تمہیں اجازت ہے کیونکہ..... چاند پر تھوکا ہوا اپنے ہی منہ پر آتا ہے سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" سکتے کے عالم میں بھی میری زبان سے نکلا۔

"میں نے دانستہ تمہارے سب کیا تھا اکمل صاحب..... میں جانتا تھا کہ آپ اپنی فطرت کا بھرپور مظاہرہ کریں گے۔" اس کا کٹیلا لہجہ مجھے مسلسل گھائل کر رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ میاں مٹھو..... تم نے سب کچھ ویسا ہی کیا جیسا میں نے سوچا تھا۔"

پھر وہ تفصیل سے مجھے سمجھاتا رہا کہ میرے پیش کردہ دس لاکھ روپے وہ کس کس مد میں خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خاصی دیر تک وہ میرے دماغ کے انجر پنجر ڈھیلے کرنے میں مشغول رہا۔

وہ اٹھ کر گیا تو میری پوری توجہ اپنے نام پر مرکوز تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے 'میاں مٹھو' رکھ لوں تو اسم با مسمیٰ رہے گا۔

☆☆.....☆☆

کبیر والا سے ارسال کردہ تحریر

52 چوکھٹ والی حویلی

ماضی اور حال سے جڑی ایک سچی تحریر جو آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گی

شاہد رفیق سہو

عورت کو ہمیشہ سے قربانی، وفا اور ایثار کی مثال سمجھا جاتا ہے۔ ایسی مثال جو ہر دفعہ ایک نئی صورت میں نظر آتی ہے۔ امینہ کا شمار بھی انہی عورتوں میں ہوتا تھا۔

یہ ہندوستان کے ایک ایسے شہر کا قصہ ہے جو علم و عمل کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ جہاں کی مشہور درس گاہ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس شہر کی ایک حویلی باون چوکھٹ (جس میں باون چوکھٹ تھی) اپنے خاندانی وقار محبت اور مہمان نوازی میں مشہور تھی۔ اس میں جو خاندان آباد تھا، وہ آپس میں محبت یگانگت اور اتفاق کی مثال تھا۔

صبح فجر پر سارا خاندان اٹھتا تھا، نماز اور ناشتے کے بعد مرد حضرات کام پر نکل جاتے اور عورتیں گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتیں۔ بچوں کو بڑے بزرگ علم کی دولت سے مالا مال کرتے تھے، اور دین کے متعلق آگہی دیتے۔ مغرب کے بعد گھر کے تمام مرد حضرات کاروبار سے لوٹ آتے تو ایک بڑا سا دسترخوان صحن کے احاطے میں بچھا دیا جاتا۔ اور مرد، بزرگ خواتین بیٹھ جاتیں۔ جبکہ بہوئیں اسی وقت گرم گرم روٹیاں پکاتیں دسترخوان پر لاتیں اور اہل خانہ کی دعائیں لیتیں۔

اس حویلی میں عرصہ دراز سے بچوں کی کلکاریاں سنائی نہ دی تھی۔ حویلی کے مالک ثناء اللہ کے چاروں بیٹوں میں سے کسی کی بھی اولاد نہ ہوئی تھی۔ کسی بہو سے اولاد ہوئی تو کچھ دن جی کر فوت ہو جاتی۔ جب ان کے چھوٹے بیٹے عبید اللہ کی شادی ہوئی تو دلہن کے گھر آتے وقت ثناء اللہ دل سے خالق حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے اور دعا کی کہ اے رب العالمین اس حویلی کو وارث عطا کرنا۔ انکی دعا کو قبولیت کا درجہ عطا کیا گیا۔

عبید اللہ کے ہاں اللہ کے فضل سے چودہ بچے ہوئے جن میں سے صرف چھ زندہ رہ پائے۔

دادا دادی تایا چچا ہر وقت بچوں پر قربان ہوتے۔ ان کی اتنے برسوں کی خواہش اب پوری

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

ہوئی تھی۔ان بچوں کے نصیب سے اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں اتنا منافع دیا کہ بوریوں میں نوٹ آنے لگے۔غرض خوشیوں بھرے یہ بہار کے دن تھے، پلک جھپکتے گزر گئے۔وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔کاروبار یکدم بیٹھ گیا۔ان دنوں عبیداللہ کے بچوں کی شادیاں ہوچکی تھیں۔ایک بیٹی بیوہ ہوکر گھر آگئی تھی اور دوسرے بیٹے کریم اللہ کی بیوی ایک پیارے سے بچے کو جنم دے کر فوت ہوگئی۔ ان دنوں گویا مصیبت اور پریشانیوں نے گھر دیکھ لیا تھا۔تاہم انہوں نے صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

پیسوں کی تنگی اس حد تک ہوگئی کہ انہیں اپنی خاندانی حویلی گروی رکھنی پڑی۔اور یوں وہ خاندان ایک کرائے کے گھر میں آباد ہوگیا۔

عبیداللہ کی بیٹی نے اپنے بھائی کے بن ماں کے بچے کو گود لے لیا۔کیونکہ اس کم سن بیوہ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اور دوسری شادی کی کوئی راہ نہیں نکل رہی تھی۔پھوپی کی محبت بھی ماں جیسی ہی ہوتی ہے۔کچھ عرصے بعد ان کا کاروبار پھر سے چل پڑا۔رفتہ رفتہ کاروبار میں نکھار آتا گیا۔اور اس گھر کی خوشیاں دبے پاؤں پھر سے لوٹ آئیں۔ اتنے بڑے خاندان کا ایک ساتھ رہنا اور کسی کی دل آزاری نہ کرنا، یہ سب بڑوں کا کمال تھا۔اگر کوئی رنجش ہوجاتی تو بڑے فوراً معاملات

کو دیکھ کر بات ختم کروادیتے۔ان کی خواہش تھی کہ ہمارے خاندان کا شیرازہ کبھی بکھرنے نہ پائے۔

حالات بہتر ہوگئے تو یہ اپنی حویلی کو واپس لینے گئے۔مگر جس کو گروی رکھی تھی اس کی نیت میں فتور آگیا اور اس نے غلط تاریخ رکھ کر حویلی پر قبضہ کرلیا۔ان لوگوں نے حویلی واپس لینے کی ہزار کوششیں کیں مگر جس آدمی نے دھوکہ دیا تھا اس کی بہت پہنچ تھی اور اس نے ایسے ہی غلط کاموں سے پیسہ بنایا۔جب کسی طرح بھی حویلی واپس کرنے کی راہ نہ نکلی تو اس خاندان نے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر خاموشی اختیار کرلی۔

کریم اللہ کا بیٹا ثمن اپنی پھوپی کے سائے میں پرورش پا رہا تھا۔پھوپی نے اسے اولاد سے زیادہ محبت دی مگر ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔پھوپی کے لاڈ پیار کی وجہ سے وہ ایک ضدی بچہ بن گیا تھا۔اس کا مزاج غصیلا بنتا چلا گیا۔سارے خاندان کے بچے اس سے دور رہتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔یوں وہ اکیلا ہوگیا تھا۔

ماں باپ کے بغیر بچپن گزارہ تھا احساسِ محرومی اس کی شخصیت کا حصہ بن گئی تھی۔

اسی وقت ہندوستان میں ہندو مسلم فساد پھیلے ہوئے تھے اور خاندان اجڑ رہے تھے۔کوئی بھی ایسا دن نہ گزرتا تھا کہ مسلمانوں کی لاشیں نہ گرائی گئی ہوں۔سب میں خوف وہراس پھیلا تھا۔پاکستان بننے کی نوید سنتے ہی ثمن اللہ کے والد نے سب سے پہلے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں جاکر اپنے خاندان کے لیے رہائش کا بندوبست کرسکیں۔

اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کریم اللہ سمیت بائیس افراد پر مشتمل خاندان راتوں رات ہندوستان سے نکلا اور ساحل پر پہنچا، بحری جہاز جب کراچی کے قریب پہنچا تو لوگ خوشی سے جہاز کے عرشے پر چڑھ گئے اور نعرے لگانے لگے، زیادہ لوگ جہاز کے سرے پر پہنچ کر اپنے ملک کا ساحل دیکھنے لگے مگر تعداد زیادہ ہونے کے باعث جہاز کا ایک کونا جھکنے لگا۔اس ہجوم میں ثمن اللہ بھی شامل تھا، اس دھکم پیل اور جہاز کے جھکنے کے باعث چند لوگ پانی میں گرنے گئے۔ایک شور وغل سا مچ گیا۔کریم اللہ نے ثمن کو آوازیں دیں مگر ہزاروں لوگوں کی تعداد میں وہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔امیر البحر کے بار بار اعلان پر لوگ جہاز کے کونے سے ہٹ گئے۔کریم اللہ اور ان کے خاندان میں پریشانی کی فضا پھیلی تھی۔اسی وقت ثمن اللہ نے پانی سے سر نکالا، تیراکی آنے کے باعث وہ بچ گیا تھا۔اس کو زندہ دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔

کراچی سے یہ خاندان حیدرآباد میں جاکر آباد ہوگیا۔وہ اپنا سب کچھ ہندوستان چھوڑ کر آئے تھے، اور یہاں ان کی اولین ترجیح سر چھپانے کی جگہ حاصل کرنا تھا۔اللہ کے فضل سے بہت جلد انہیں مکان مل گیا۔

ثمن اللہ نے پڑھائی جاری رکھی اور میٹرک کرلیا، اس کے باقی چچازاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ آگے پڑھنے لگے۔اس کی ایک چچازاد بہن تھی امینہ۔وہ اپنی من موہنی صورت اور معصوم حرکتوں کی وجہ سے سب کو بہت عزیز تھی۔خاص کر اس کی دادی کو، دادی کے بے جا لاڈ پیار نے اسے پڑھائی سے غافل کردیا۔رشتہ داروں، محلے داروں کی چاہ تھی اس لڑکی کو اپنی بہو بنانے کی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کا رشتہ ایک

http://www.books.urdutube.net/

فارسی ادب سے

عراق کے ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ ایک شادی شدہ تھا اور ایک غیر شادی شدہ تھا' ہر سال یہ دونوں بھائی خرموں کو منڈی لاکر فروخت کرتے تھے۔ ایک منڈی والا کہتا ہے کہ ایک دفعہ نصف رات کو میں بیدار تھا کہ شادی شدہ بھائی منڈی میں آیا اور اپنے خرموں کے ڈھیر میں سے کچھ مقدار خرمے اُٹھا کر اپنے غیر شادی شدہ بھائی کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیا۔ یہ دیکھ کر میں منڈی کے دروازے کی طرف آیا جب وہ وہاں پہنچا تو اسے پوچھا کہ تو نے ایسے کیوں کیا اس نے کہا کہ چونکہ میرا بھائی غیر شادی شدہ ہے اور شادی کے لیے مال نہیں رکھتا' قبول بھی نہیں کرتا کہ میں اس کی مدد کروں' اس لیے میں رات کی تاریکی میں آیا تا کہ اس کے ڈھیر میں کچھ خرما ملا دوں' تا کہ اِسے کچھ زیادہ پیسے ملیں اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے چھوٹے بھائی کو آتے دیکھا جس نے آ کر اپنے خرموں کے ڈھیر میں سے کچھ اُٹھا کر بڑے بھائی کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیے' میں پھر اس کے پاس چلا گیا اور وجہ پوچھی تو بولا۔ میرا بھائی شادی شدہ ہے اور اس کے بچے بھی ہیں اور میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میرے اخراجات کم ہیں اور بڑے بھائی کے اخراجات زیادہ ہیں اور وہ مجھ سے امداد قبول نہیں کرتا اس لیے میں نے ابھی آ کر کچھ خرمے اس کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیے۔ تا کہ اس کو کچھ زیادہ رقم ملے تا کہ اس سے اخراجات کے سلسلے میں پریشانی ہو۔ ہمارے استاد کہتے تھے کہ میں ان دونوں بھائیوں کو جانتا تھا۔ مرتے دم تک جس آسائش اور نعمت کی فراوانی میں ان دونوں نے زندگی بسر کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہمارے اسلامی معاشرے میں لوگ صرف یہ نہیں کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے چوری کرنے میں بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔

دنیا کی مختلف زبانوں سے ترجمہ..... پسند: آیت اللہ سید حسن شیرازی/سید شاہ ضمیر

رئیس خاندان میں طے ہو گیا۔ منگنی کی رسم بہت دھوم دھام سے ادا ہوئی، مگر رشتہ داروں کو امینہ کا خاندان سے باہر رشتے طے کرنا ایک آنکھ نہ بھایا، خاص کر وہ رشتہ دار جو امینہ کو اپنی بہو بنانے کے ارادے میں تھے۔ نتیجتاً انہوں نے امینہ کے متعلق جھوٹی باتیں پھیلانا شروع کر دی، جو اس کے سسرال پہنچ گئی۔ یوں یہ رشتہ غلط فہمی کی بنیاد پر ٹوٹ گیا۔

دادا دادی اور ماں باپ کے لیے یہ ایک بڑا صدمہ تھا۔ اس زمانے میں لڑکی کی منگنی ٹوٹ جانا انتہائی برا شگن سمجھا جاتا تھا۔ اور اس برے شگن کو لڑکی کی قسمت سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ وہ خاندان والے جو امینہ کے لیے بچھے جاتے تھے، اب اسے پوچھتے بھی نہیں تھے۔ اس کے والدین اپنی بیٹی کے ایسے نصیب پر آنسو بہاتے تھے۔ اس آزردہ ماحول کو زائل کرنے کے لیے دادی نے ایک فیصلہ کیا۔ انہوں نے امینہ کا نکاح ثمن اللہ سے پڑھوانے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کا سب سے زیادہ اثر امینہ کو ہوا۔

ثمن اللہ کو سب ہی جانتے تھے۔ کتنا بدمزاج اور غصیلا تھا وہ، اپنے علاوہ کسی کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔ امینہ کے دل میں ہزار وسوسے جنم لینے لے رہے تھے، مگر ماں باپ کی پریشانی اور گھر کے ماحول کو دیکھتے ہوئے اس نے اس نکاح پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا۔ مگر امینہ کی ماں کو سخت اعتراض تھا۔ انہوں نے مخالفت کی مگر جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو لے کر میکے چلی جائیں گی۔

جواباً سسرال والوں نے بھی ان پر اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے۔ جب ماں نے امینہ کو ساتھ چلنے کا کہا تو اس کے قدم گھر کی دہلیز نے جکڑ لیے کیونکہ دادی پھوپی نے اسے عزت کا واسطہ دے کر سمجھایا تھا کہ ماں کے ہمراہ نہ جانا اور باپ دادا کی لاج رکھنا۔ امینہ نے خاندان کی خوشنودی کے لیے ماں کی ناراضگی مول لی اور اپنے دل کو مار کر خود کو اس فیصلے پر قربان کر دیا۔

امینہ کا ہر لڑکی کی طرح ارمان تھا کہ اس کی شادی دھوم دھام سے ہو مگر اس کی قسمت کہ نہ مایوں نہ مہندی حتیٰ کہ ماں کی دعائیں بھی ساتھ نہ تھیں۔ بس ایک سادہ سے جوڑے میں اس کا نکاح ثمن اللہ سے پڑھوا دیا گیا۔ ثمن اللہ کی کراچی میں ایک پرائیوٹ فرم میں جاب لگ گئی تھی اس لیے گھر والوں نے ان دونوں کو کراچی میں ایک کرائے کا گھر لے کر آباد کر دیا۔ نئی آبادی نا محلہ۔ حیدر آباد کی بڑی حویلی کے بجائے ایک چھوٹے سے گھر میں، سارے رشتہ داروں سے دور رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ اوپر سے ثمن اللہ کا مزاج۔ جس نے امینہ کے لئے مشکلوں کو بڑھا دیا تھا۔ اسے اپنی ہر چیز مقررہ وقت پر چاہیے تھی، بیماری میں بھی وہ امینہ کو کوئی رعایت نہ دیتا تھا۔ امینہ کے اعصاب کبھی کبھی اس زیادتی پر چیخ جاتے مگر پھر وہ اپنی فطرت میں گندھی ایثار اور وفاداری کے جذبہ کی وجہ سے صبر کا دامن واپس پکڑ لیتی۔ جوں توں گزر بسر ہو رہی تھی۔

رفتہ رفتہ کراچی میں زیادہ روزگار ملنے کے باعث ان کے بہت رشتہ دار حیدر آباد سے کراچی آ کر رہنے لگے، جس میں امینہ کا ننھیال اور اس کی ماں بھی شامل تھی۔

ایک دن امینہ کھانا بنا رہی تھی کہ دروازہ بجا کھولا تو حیرت کی تصویر بن گئی کہ سامنے چھوٹا بھائی کھڑا تھا۔

''بھائی تم یہاں کیسے؟ پتہ کس نے بتایا؟''

''ماں نے پتہ معلوم کیا ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

دوسرے دن والدہ چوری چھپے امینہ سے ملاقات کرنے آئیں اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ گئیں۔ یہ ماں کی محبت ہی تھی کہ ناراضگی کے باوجود بھی دل کا کہا مان لیا کہ ممتا کا رشتہ ہوتا ہی بے لوث ہے۔ ناراض ماں نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیٹی کو معاف کر دیا۔

بیٹی سے ملنے کے بعد اس کی والدہ نے سسرال والوں سے معافی مانگی اور صلح کر لی۔ رفتہ رفتہ ملنا جلنا بھی شروع کر دیا۔ تاہم ساس اور شوہر میں ابھی تک فاصلہ قائم تھا۔

ان دنوں امینہ کے ہاں بیٹی ہوئی، لیکن وہ بہت کمزور تھی اور امینہ بھی بیمار تھی، تو امینہ کی دو چھوٹی بہنیں اس کے گھر رکنے آ گئیں اور امینہ اور بچی کا خیال رکھنے لگیں۔ گھر کا سارا کام انہوں نے اپنے ذمے لے لیا۔

وقت گزرتا گیا۔ اللہ نے امینہ کو تین بیٹیاں عطا کیں۔ لیکن امینہ کی صحت گرتی ہی جا رہی تھی۔ پیسوں کی تنگی، بچوں کی پرورش کی ذمہ داری۔ وہ اس سب کی وجہ سے کافی بیمار رہنے لگی تھی۔ اللہ نے ثمن اللہ کو ہمت دی اور اس نے ملازمت کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھی اور کامیابی کا راستہ اختیار کیا۔ اور وہ دن بھی آیا کہ وہ کلرک کی نوکری سے آفسر بن گیا۔ گاڑی بنگلہ بھی آ گیا۔ دن پھر گئے تو دل بھی کشادہ ہو گئے۔ امینہ کے ساتھ اور بچوں کے ساتھ رویہ بھی بہت اچھا ہو گیا تھا۔ وہ حیدر آباد سے سارے خاندان والوں کو اپنے پاس

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کراچی لے آئے اور بنگلے میں ساتھ رہنے لگے۔

اللہ نے امینہ کو چار لڑکیوں کے بعد اولادِ نرینہ عطا کی تو سب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ امینہ کی طبیعت کو بھی سکون آیا۔ ثمن اللہ نے سالیوں اور چچازاد بہنوں کی شادی میں سب کا ہاتھ بٹایا۔ اور نیکیاں اور دعائیں سمیٹیں۔

پانچویں لڑکی کی پیدائش کے بعد امینہ کی صحت خاصی خراب ہوگئی۔ اس کو دورے پڑتے اور وہ اکثر بے ہوش ہوجاتی۔ سبھی رو رو کر اس کی صحت کے لیے دعا کرنے لگے۔

جس نے باپ کی لاج رکھنے کو قربانی دی۔ اس کی بہن بھائی سارا خاندان اس کی عزت کرتا تھا۔

کچھ لوگوں نے یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ گھر آسیب زدہ ہے۔ ثمن اللہ ایک بکری اور اس کے دو بچے گھر لے آیا۔ اگلے دن صبح جب سب اٹھے تو بکری اور اس کے بچے مرے پڑے تھے۔ مگر امینہ کی حالت سنبھل چکی تھی۔ البتہ اس کا خوبصورت گورا چٹا رنگ اس عجیب وغریب بیماری سے جل کر راکھ ہوگیا۔

امینہ کی بیٹیاں بڑی ہوئیں تو رشتے آنا شروع ہوئے، انہوں نے ایک مناسب رشتہ دیکھ کر اس کا رشتہ کردیا مگر وائے قسمت کہ لوگ اچھے نہ تھے۔ کچھ عرصے بعد ہی بیٹی گھر آکر بیٹھ گئی۔ اس صدمے نے ثمن اللہ کے دل پر بہت برا اثر کیا۔ وہ حج سے واپس آئے تو بیمار ہوگئے۔ اور دو ماہ بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ یہ بہت کڑا وقت تھا امینہ کے لیے اور اس کے بچوں پر۔ بیٹا ابھی پڑھ رہا تھا۔ لیکن قدرت نے اس کا ساتھ دیا اور ثمن اللہ کی چھوڑی گئی جائیداد سے ان کا عزت سے گزارہ ہونے لگا۔ تنہا زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے کی فکر نے امینہ کو گھیر لیا، بچی کھچی آمدنی بھی ختم ہونے لگی۔ بیماری ایک بار پھر شدت سے عود کر آئی۔ بیٹے نے ماں کی پریشانیوں کا احساس کرتے ہوئے شام کو پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈلی۔ اور تعلیم سے توجہ ہٹ گئی۔ آخر گھر بھی تو چلانا تھا۔ امینہ کو یہ بھی رنج تھا کہ اکلوتے بیٹے کی پڑھائی چھوٹ گئی۔

ایک دن امینہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی کے شوہر کے انتقال کی خبر آگئی۔ یہ گھڑی اس باہمت عورت کی کمر توڑ گئی۔ جواں سال بیٹی کے دو بچے بھی باپ کے پیار سے محروم ہوگئے۔

عدت کے بعد بیوہ بیٹی دو بچوں کے ساتھ گھر آگئی۔ اب اس کو بھی سنبھالنا تھا اور نواسوں کی پرورش بھی کرنی تھی۔ خود کو زیادہ ناتواں محسوس کرتے ہوئے اس نے بیٹے کی شادی کردی تاکہ بہو گھر آجائے۔ پوتے کی خوشی بھی دیکھی مگر یہ خوشی بھی شاد نہ کرسکی، امینہ کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ یوں ایک دن وہ ایسی سوئی کہ پھر نہ اٹھ سکی۔ امینہ نے باپ کی خوشی کے لیے اپنا آپ قربان کردیا، شوہر کی خدمت اور بچوں کی پرورش کے لیے زندہ رہی پھر بیوہ بیٹی اور نواسوں کے لیے جینے کی آرزو کرنے لگی مگر وقت کی لگامیں اس کے ہاتھ میں نہ رہی تھیں۔ اکھڑتی سانسیں بھی اسے پچھلی یاد دلا رہی تھیں۔ باون چوکھٹ کی یادیں، تقسیم برصغیر پھر ہجرت کا واقعہ اس کے بعد افسردہ دلی سے شادی، ماں کے روٹھ جانے کے غم حوا کی اس بیٹی نے کتنے دکھ سہے تھے لیکن کیا اس کا سفر اب ختم ہوگیا تھا۔ قربانیوں کا صلہ اسے اگر اس جہان میں نہ ملا تو اگلے جہان میں مل جائے گا اس سوچ کے ساتھ ہر حوا کی بیٹی اپنی زندگی کے خاتمے پر قبر میں سکون کی نیند سو جاتی ہیں کہ مرنے کے بعد اگلے جہان میں ضرور قربانیوں کا صلہ مل جائے گا۔

☆☆.....☆☆

”تعارف“

سچی کہانیاں کی مصنفہ تحسین جونیجو کا تعارف اپنے قارئین کے لیے.....

میرا تعلق سندھ کے شہر خیرپور ناتھن شاہ بورڑی سے ہے۔ امی نام تحسین عمر میں بھتیجیوں کو میرا نام پکارنے میں دشواری ہوتی ہے اس لیے وہ ”پھوپو“ کہتے ہیں۔ مارچ کے پُربہار مہینے میں مآبدولت جلوہ گر ہوئی اس دھرتی پر رنگ بھرنے کے لیے اپنی سالگرہ کے دن کا انتظار شدت سے رہتا ہے گھر والوں کے ساتھ سلیبریشن ہوتی ہے تھوڑی بہت 4 مارچ کو۔ 2015ء نومبر میں ہمارے بابا سائیں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے آمین۔ امی حیات ہیں الحمدللہ چار بھائی‘ چار بہنیں ہیں ہم ماشاءاللہ میرا نمبر ساتواں ہے‘ ساتویں آسمان پر نہیں اس دھرتی پر۔

سب بہن بھائی شادی شدہ بال بچوں والے ہیں ماشاءاللہ علاوہ میرے‘ چونکہ میں ساتویں آسمان پر نہیں رہتی تو اسی زمین پر ہی کی نہ کسی سے ٹکر مار دیتی ہے وقت آنے پر انشاءاللہ..... سب بہنوں سے بنتی ہے الحمدللہ سب کلوز ہیں آپس میں اللہ پاک سلامت رکھے آمین۔ پری میڈیکل کالج خیرپور ناتھن شاہ سے انٹر اور ریجوینشن سندھ یونیورسٹی سے کیا۔ اسکول کا پہلا دن اچھی طرح یاد ہے میری بہن شائستہ اسکول چھوڑنے گئی‘ کچھ کچھ ڈرپوک واقع ہوئی تھی‘ اب تو سب مجھ سے ہی ڈرتے ہیں ہاہاہا.....

چونکہ میرا اسٹار (Virgo) سنبلہ ہے تو شرمیلی بھی بہت ہوں بس وہ پہلا دن بھی ایسا رہا پھر تو صبر آہی گیا اس بچی کو.....

نیچر میں شرارت بالکل نہیں تھی۔ بالکل سیدھی سادھی بچی تھی۔ جب ہی میں اول درجے کی طالبہ رہی ہوں الحمدللہ ہر کلاس میں پوزیشن ہولڈر رہی۔ بچپن گڑیوں اور گڑیوں کے ساتھ کھیل کر گزرا گڑیوں کی شادی بھی کرتی تھی لیکن روتی نہیں تھی میں..... جیسا کہ سبھی کہتے ہیں عام طور پر بچپن بہت اچھا گزرا تو میرا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔

آج بھی کوئی چیز ایسی خوشبو کا گزرنا ہو تو اسے لازمی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ یہ نہیں لینی ہے کھانی ہے وغیرہ وغیرہ..... اسکول کی پڑھائی کے دوران 2006ء میں ماہنامہ سچی کہانیاں گھر میں آیا تو اسی کی ہو کر رہ گئی۔

آہا کیا دلچسپ دور تھا‘ جنوں عشق ہوگیا اس شمارے سے ہر ماہ دروازے پر کھڑے ہو کر پوسٹ مین کا انتظار ایسے کیا جاتا ہے جیسے..... محبوب پر چہ ہی تو ہانا ہیں جب ہی بے شمار شمارے ہونے کے باوجود کسی کو لفٹ نہیں کروائی‘ اور بھی شمارے گھر کی زینت بنتے ہیں لیکن جو بات سچی کہانیاں میں ہے کسی اور میں کہاں بہت کچھ سیکھنے کو ملا بدلتے رویے‘ انسانیت بہت چھوٹی عمر میں جان لیا زندگی کیا ہے۔

یہاں برے لوگ بھی ملے اور اچھے بھی یہی دستور کائنات ہے‘ برے لوگ آئے اور ایک سبق دے کر چل دیے۔ ناکامی نام ہے دراصل کامیابی کی کنجی کا اگلی قسط

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کوئی فرد اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے یہی ایک فائدہ ہوتا ہے برے لوگوں کا ہماری زندگی میں داخل ہونے کا کہ سیکھ لے بیٹا زندگی بار بار موقع نہیں دیتی تجربات سے ہی سیکھتا ہے انسان..... اچھے لوگوں میں سر فہرست نام ہے بہت ہی پُرخلوص رضوانہ کوثر آپی ہمیشہ ان سے کچھ اچھا ہی سیکھنے کو ملتا ہے اللہ پاک انہیں صحت یاب زندگی دے آمین۔ اور بھی کچھ اچھے لوگ ملے ہیں اللہ سلامت رکھے ان اپنوں کو..... مزاج اچھا پایا ہے الحمدللہ شوخ مزاج بھی کہہ سکتے ہیں' ہنس مکھ یعنی میری کمپنی میں کوئی بور نہیں ہو سکتا۔ غصہ آتا ہے اور کبھی زیادہ ہی لیکن جتنی جلدی آمد اتنی جلدی بھاگ بھی جاتا ہے۔ نشانہ وہی بنتا ہے جو حق دار ہو چیزیں نہیں تو ڈانٹ بس بک بک کرتے رہنا چاہیے ساری بھڑاس اڑن چھو ہو جاتی ہے۔ خاموشی اختیار کرنے سے تو بندہ خود فنا ہو جائے اندر سے' دل میں نہیں رکھتی صاف گو ہوں۔

زندگی کا خوبصورت دور اسکول لائف اور 2007ء سے 2011ء کے دن یہ بے فکری کے دن تھے۔

2016ء اگست میرے لیے انتہائی برا رہا اس میں میری بچپن کی عزیز ساتھی بیسٹ فرینڈ میری پیاری رینا مجھ سے بچھڑ گئی کوئی دن ایسا نہیں آج تک جو اسے یاد نہ کروں یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ اب وہ نہیں رہی یہ دور میں نے بہت مشکل سے کاٹا ہے کئی ماہ تک میں اس صدمے سے نہیں نکلی زندگی کی ساری شادابی رونق چلی گئی' بہت بدل دیا مجھے' وہ تحسین جس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی جسے دیکھ کر لوگ کھل اٹھتے تھے اب ایسا بالکل نہیں وقت کے ساتھ صبر آ ہی جاتا ہے ناں' یہی تو نظام کائنات ہے کہ ہر کوئی اپنے حصے کی زندگی جیے گا' اللہ پاک رینا کے درجات بلند فرمائے آمین۔

بن تمہارے کوئی مزہ نہیں رہا یار جینے میں

میرے شوق زیادہ نہیں ہیں' گھومنے پھرنے بالکل شوق نہیں بس کپڑوں کا سب سے زیادہ شوق سلیکشن ہے' کیونکہ لباس انسانی شخصیت کو نکھارتا ہے تو وہی آپ کے ذوق کا آئینہ دار بھی ہے' فیشن نہیں ہے لیکن سادگی کے رنگ میں جو اپنی پرسنالٹی پر سوٹ کرے۔ گھر پر رہنا پسند کرتی ہوں گھر ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان کے لیے پیار محبت' پناہ آرام و سکون میسر ہو تو وہ جنت معلوم ہوتا ہے یہ سونے پر سہاگہ والا معاملہ ہو جاتا ہے ناں' ایک مشرقی معاشرے کے افراد ہونے کے ناتے ہمارے ہاں یہ ذمہ داری مکمل طور پر خواتین پر ہی ہوتی ہے اور خاتون خانہ کی سمجھ بوجھ اور عقلمندی اس کے گھر کی سجاوٹ ترتیب سے پتا چل جاتی ہے اسی لحاظ سے اب یہ ساری ذمہ داری اس ننھی سی جان پر آ گئی اس لیے سب ہمیں کہتے ہیں۔ ''بہت سگھڑ ہو.....''

پڑھنے لکھنے کا سلسلہ کم ضرور ہوا ہے لیکن ختم نہیں جو بھی فری نام ملتا ہے تو فیس بک' واٹس ایپ نے اچھے خاصوں کا ستیاناس کر ڈالا ہے ناں' بندہ فری ہوتا ہے نہ بور فرینڈز کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میگزین (صبح بہار) میں بطور شعبہ انچارج کام کر رہی ہوں گھر بیٹھے یہ سہولت بھی انٹرنیٹ نے میسر کر ڈالی ہے۔ میوزک سننا پسند ہے لیکن موڈ پر ڈپینڈ کرتا ہے پاکستانی ڈرامہ زیادہ پسند ہیں خاص کر جو ہمارے بچپن میں ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہوتے تھے' الفا براوو چارلی' دھواں' دھوپ کنارے' ان کی بندھن' گیسٹ ہاؤس وغیرہ..... گلوکار راحت فتح علی خان' عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی' رحیم شاہ' فریحہ پرویز' سونو نگم پسند ہیں۔

پسندیدہ ایکٹرز زیما خان' فواد خان' عمران عباس'۔

ناولز' طائر لاہوتی' پیر کامل' راجہ گدھ' امر بیل' بن روئے آنسو اور ارشد علی ارشد بھائی کا (عشق سمندر ہے)

مہینہ..... فروری' مارچ

موسم..... تیز بارش کا اور جب اندر کا موسم اچھا ہو تو

رنگ..... بلو' بلیو' مرون' پنک' گرے۔

ڈش..... بریانی' تکہ کڑاہی

شاعری سے زیادہ لگاؤ نہیں بس وصی شاہ' پروین شاکر' محسن نقوی کو پڑھا ہے۔

ایک بری عادت جو نقصان کا سبب بنتی ہے' اصول' قول و قاعدے کی باتیں سچ منہ پر مار دیتی ہوں چاہے کسی کو آگ لگے ہاہاہا..... ساتھ ہی جلدی اعتبار کر لیتی ہوں۔

کبھی کبھار مذاق میں بھی سچ کہہ دیتی ہوں اس سے نقصان کم ہونے کا امکان ہوتا ہے ناں' کم بولتی ہوں نہ زیادہ' جو بولتا ہے سنانا پڑتا ہے ناں اور کبھی سننا بھی.....

ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتی ہوں دل سے زیادہ دماغ کی سنتی ہوں' ویسے تو کوئی خاص کمزوری نہیں لیکن سبزہ زار انسان کی کمزوری ہے' جہاں سبزہ زار نظر آئے انسان قدرت کی صناعی پر مبہوت رہ جاتا ہے' پودوں' پھولوں اور درختوں سے انسان کی محبت فطری ہے۔

سچی کہانیاں میں ناصر رضا انکل مرحوم اور کاشی چوہان بھائی نے بہت سپورٹ کیا حوصلہ افزائی کی۔

میں سپاس گزار ہوں اچھی منزہ آپی کی کہ مجھے بھی کچھ اپنے بارے میں کہنے کا موقع فراہم کیا اللہ پاک سچی کہانیاں اور آپ کا ساتھ سلامت رکھے آمین۔

☆☆.....☆☆

حیدرآباد سے بھیجی گئی ایک سچی کہانی

غلط فہمی

مہر وکاری تھی اسی لیے باپ کا کلہاڑا اُس کی گردن پر چل گیا.....

تحسین جونیجو

حسب معمول رب نواز نے فجر کے وقت اٹھتے ہی اپنی بیوی زیب النساء اور بیٹے راشد کو جگایا۔ پھر خود نماز پڑھنے مسجد کی جانب چل دیا۔

زیب النساء اور راشد گھر میں بھینسوں کو چارہ دینے میں مصروف ہو گئے۔ رب نواز کے واپس آنے تک ان کی اکلوتی بیٹی صنم بھی اٹھ چکی تھی۔ اس نے گاؤں میں موجود پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کی اور تعلیم کو خیر باد کہہ کر گھر پر بیٹھ گئی۔ مزید پڑھائی کا شوق تو تھا مگر گھر میں ماں کو اکیلے ہی سارا کام کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے اسے تعلیم چھوڑنی پڑی' صنم ان پڑھ بھی بہت تھی شعور اتنا تھا کہ یوں لگتا جیسے کوئی ایم اے اردو کی طالبہ ہو۔

صنم نے ماں کے لیے چولہے پر چائے کی دیگچی رکھ دی جب تک سب کام سے فارغ ہو کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔

چائے کے ساتھ صنم پاپے بھی لے آئی' ماں باپ تھما کر بھائی کے لیے دوسری چائے لے کر آئی۔

''اہلِ دنیا اسے دیکھ کر رشک کریں گے۔'' ہم کی طرف دیکھ کر صنم نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا اور مگ راشد کے ہاتھ میں تھما دیا اس نے راشد پر طنز کیا تھا۔

''اچھا لگتا ہے کہ ساری دنیا کا ٹھیکہ تمہارے ہی کاندھوں پر ہے۔'' راشد نے چڑ کر کہا۔

''ہاں وہ تو ہے تم لڑکیوں کو اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہو' دیکھو جس مگ میں تم چائے پی رہے ہو وہ بھی تو میں نے ہی بنایا ہے۔''

''کیا ہوا اگر یہ تمہاری طرح تھوڑا سا ٹیڑھا بن کے آیا۔'' صنم مزید راشد کو چڑانے کے درپے تھی۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کھنڈرات کے عظیم نمونے میں مجھے چائے پلانے کا مقصد کیا ہے تمہارا بچی؟''

''ارے بچی مت سمجھو صرف کام بچیوں والے ہیں ناں لیکن سوچ بہت اونچی رکھتی ہوں' جہاں تمہارے جیسے بدھو ٹاور کی طرح بڑھتا قد مگر عقل وہی بونا سی کیا مقابلہ کرے گی بھلا؟''

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

صنم نے باتوں میں لگا کر اس کی چائے ٹھنڈا شربت بنادی۔

''ہاں ہاں عقل عظیم تو بس تم عظیم بچیوں کے خانے میں ڈالی گئی ہے ناں۔'' راشد اب تپ رہا تھا۔

''اوٹھہری ہوئی عمارت ذرا اپنی عقل کے ساتھ اپنے قد کی عمارت کو بھی بڑھاؤ ناں پھر اینٹیں بجانا؟''

''تو تمہیں کیا تکلیف ہے جانتے نہیں ٹھہری عمارتیں اکثر زمین بوس ہوجایا کرتی ہیں۔''

صنم اور راشد کی اس لڑائی کے دوران رب نواز اور زیب النساء اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔

ان دونوں کی لڑائی بڑھتی ہی جارہی تھی جو کہ زیب النساء کی سمجھ میں کم ہی آرہی تھی برتن مانجھتے ہوئے خاموشی سے سنتی رہی۔

''اچھا اب یہ ناٹک بند کرو اور میرے لیے دوسری چائے بنا کر لاؤ اور ہاں خبردار اگر پھر اس نوٹنکی میں چائے لائی تو.....''

''ناں تو تمہیں چائے سے مطلب ہے کہ کیگ سے جول رہے صبر شکر سے اپنے منکے نما پیٹ میں انڈیل لیا کرو بس۔'' صنم بھی باز آنے والی نہیں تھی

''جاتی ہو یا بابا کو بلا کر آؤں؟'' راشد اب غصے میں آ گیا۔

''شوق سے بلا کر آؤ کوئی منع کیا ہے میں نے وہ میرے بھی بابا ہیں۔''

''پتہ ہے یہ سب بابا کے لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑا ہے۔'' راشد نے کہا۔

''تمہیں کیوں درد ہو رہا ہے۔''

''بہت ہوگیا صنم اب جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا صنم۔''

''جارہی ہوں۔'' یہ کہہ کر صنم چلی گئی تو راشد بھی غصے میں کھیتوں پر چلا گیا۔

کرہ ارض پر مختلف مذاہب کے الگ الگ بولیاں بولے والے، مختلف رنگ و نسل کے انسان مختلف قوموں کی صورت میں بستے ہیں، ان انسانوں کی مختلف ثقافت، تہذیب اور طرز معاشرت ہے، یہی انسان سال کے بارہ مہینوں میں اَن گنت تہوار مناتے ہیں، ان میں سے کچھ مذہبی ہیں تو کچھ ایسے بھی ہیں جن میں براہ راست مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ پابندی سے مناتے بھی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز میں کہیں کہیں چھوٹے قصبوں، دیہات میں کچھ کھیل بہت شوق سے کرائے جاتے ہیں۔ کتوں کی ریس، لڑائی بہت قدیم سلسلہ ہے کتوں کی لڑائی اور چھڑانے کے نتیجے میں دونوں افراد کی بات چیت لڑائی کی شکل اختیار کرگئی۔ دونوں فریقین نے ایک دوسرے پر خوب غصہ نکالا اس کھیل میں راشد پیش پیش تھا۔

اسے کتوں کی لڑائی کرانے کا جنون تھا، جو اکثر کرایا جاتا۔

دوسری طرف حامد اور اس کے کچھ دوست تھے جنہوں نے اپنی شکست پر خوب واویلا مچایا لیکن راشد نے ان کا منہ بند کردیا زوردار لاتوں سے کتوں کی طرح روندھ ڈالا خون رسنے لگا۔

معاملہ سنگین ہوتا دیکھ کر زخمی حالت میں حامد کے دوست اسے اُٹھا کر اسپتال لے کر گئے۔

راشد خطرہ محسوس کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے حامد اسپتال میں زندگی کی بازی ہار گیا جو کتوں کی لڑائی میں بازی جیتنا چاہتا تھا مگر کسے معلوم کہ زندگی کب کس کے قابو میں آئی ہے یہ خبر رب نواز اور راشد کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

اب راشد کو سزا یقینی تھی، دن کی روشنی میں راشد کے مختلف ٹھکانے ہوتے، لیکن رات کی سیاہی میں اکثر چوری چھپے اپنے گھر آیا کرتا۔

رب نواز نے اپنے بیٹے کی جان بچانے کی خاطر ایک منصوبہ تیار کیا دوسری طرف حامد کے گھر کہرام مچا ہوا تھا جوان بیٹے کی موت کی خبر کسی قیامت سے کم نہ تھی مہرو حامد کی چھوٹی بہن غش پہ غش کھا رہی تھی سوائے باپ کے اسے سنبھالنے والا کوئی نہ تھا ماں اس کے بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔

دن یوں ہی گزرتے رہے کہ ایک دن مہرو بھینسوں کے گوبر کے اُپلے بنا کر دیوار پہ تھاپ رہی تھی۔

راشد اور حامد کا گھر ایک ہی محلے میں تھا۔ اکثر مہرو کام سے فارغ ہوکر صنم سے ملنے آتی تھی بہت پیار بھی تھا دونوں میں گھنٹوں گپے مارا کرتی تھیں۔

اسلام نے عورت کو جہاں اتنے حقوق دیے ہیں وہاں ایک حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام کسی مرد کو دے سکتی ہے اور اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرسکتی ہے، ہمارے معاشرے میں تو اسے برا خیال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک اسلام کی بات کی جائے تو اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔

رب نواز اس بات سے واقف تھا کہ مہرو راشد کو پسند کرتی ہے اور اسے نکاح کا پیغام بھی بھجوایا ہے۔

اب رب نواز نے تہیہ کرلیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسی پریشانی میں چیں پیں کر صنم سالن بنانے کی تیاری کررہی تھی تو رب نواز نے اسے بہانے سے محلے میں کسی لالے کو بھیج دیا۔ زیب النساء اپنی چھوٹی بہن صغریٰ سے کمیٹی کے پیسے لینے گئی ہوئی تھی۔

شام کے سائے ڈھلنے والے تھے راشد اپنے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کچے مکان کی چھت پر چارپائی پر سویا ہوا تھا۔
ساتھ والی دیوار پر گوبر کے اُپلے لگاتے ہوئے مہرو کی نظر راشد پر پڑ گئی اسی موقع کی تلاش میں تو تھی مہرو کہ کسی طرح راشد ہاتھ لگ جائے وہ اسے اتنا مارے اتنا مارے جب تک اس کی سانس جاتی نہ رہے۔ دبے پاؤں مہرو اس کے گھر میں گھس گئی اندر جاتے ہوئے رب نواز نے اسے دیکھ لیا۔

قرآن پاک میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جو احکام دیے گئے ہیں وہ خاندانی نظام اور عائلی معاملات ہی سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ انسان کی جڑ اور بنیاد یہی ہے یہاں سے خاندان بنتا ہے اور خاندانوں کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے خاندان مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہو جائے گا۔

اگر خاندان میں فساد، بے چینی، ظلم اور ناانصافی ہوگی، جھگڑے ہو رہے ہوں گے تو پھر وہاں اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہو سکتی ان کی تربیت میں منفی چیزیں شامل ہو جائیں گی تو اس کا عکس پورے معاشرے پر پڑے گا یہی وجہ ہے کہ راشد اور حامد کی تربیت میں بگاڑ ابھرنے لگا جو کہ دونوں خاندانوں کے لیے تباہی کا مرکز بنا۔

رب نواز نے گاؤں کے کسی بندے کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ حامد کی بہن راشد کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے اس کے گھر پر وہ بھی سب کی غیر موجودگی میں..... اتنا سننا ہی کافی تھا۔ یہ دھواں دھار خبر وہ بندہ حامد کے باپ کو سنانے اس کے گھر پہنچ گیا، دروازے پر ہی حامد کا باپ اسے مل گیا اس نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے کان میں سرگوشی کی کہ مہرو (کاری) ہے راشد کے ساتھ.....

جواب دیے بغیر مہرو کے باپ نے گھر میں پڑا کلہاڑا اٹھا کے دوڑتا ہوا راشد کے گھر پہنچ گیا۔

غزل

وہ جو اونچا مقام رکھتے ہیں
دور سے ہی سلام رکھتے ہیں
انہیں کچھ خبر ہی نہیں دنیا کی
جو اپنے کام سے ہی کام رکھتے ہیں
جو تھے ہی شروع سے شرابی
وہ ہر وقت ہاتھوں میں جام رکھتے ہیں
وہ محفل میں ہر طرف دیکھتے ہیں
وہ محبت کو بے نام رکھتے ہیں

یاسر وکی اڈہ۔ اوکاڑہ

راشد موقع پا کر فرار ہو گیا اور بے چاری مہرو موت کے گھاٹ اتر گئی وہ بھی اپنے ہی باپ کے ہاتھوں..... یہ خبر بھی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ مہرو کاری تھی اور اپنے انجام کو پہنچ گئی راب نواز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ راشد گاؤں چھوڑ کے بھاگ گیا۔

جوان بیٹے اور اب بیٹی کے موت کا صدمہ مہرو کے باپ کے لیے سہنا دشوار تھا اس کی پاگلوں کی حالت ہو گئی۔

برسوں لوگوں نے مہرو کے باپ کو پاگلوں کی طرح گاؤں کی گلیوں میں گھومتے ہوئے دیکھا وہ گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کے پوچھتا رہتا۔

''مہرو ہے؟ حامد ہے؟'' اور پھر وہیں زمین پر بیٹھ کر سر میں مٹی ڈالتا اور زار و قطار روتا..... ایک غلط فہمی نے ہنستے بستے گھر کو اُجاڑ دیا..... عدم برداشت نے دوستوں کو قاتل بنا ڈالا یہی المیہ ہے ہمارے معاشرے کا.....

☆☆☆

اٹھائیسواں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش۔

بہت جلد.....

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے روایتی رنگ میں جلوہ گر ہوگی۔

"بس تھوڑا سا انتظار....."

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

راولپنڈی سے ارسال کردہ اثر انگیز تحریر

ایسا بھی ہوتا ہے

مسز بیکر نے اپنے شوہر کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزاردی تھی اور وجہ شوہر سے جڑے ہر رشتے سے محبت تھی.....

رفعت محمود

''فرحت.....!'' ایری کی آواز آئی تو میں نے بالکونی سے نیچے جھانکا۔

''کم ہیئر۔'' وہ مجھے نیچے لان میں اشارے سے بلا رہی تھی اور اس کے ساتھ لاجوردی رنگ کی دھنک عموداً کھڑی تھی۔

''یہ کون ہے؟'' میں جلدی سے سیڑھیاں اُتر کر ان کے پاس جا پہنچی۔

''یہ مسز بیکر ہیں اور یہ.....'' ایری نے اُن کا تعارف کراتے ہوئے کہا اور تعارف ادھورا ہی رہ گیا جب اس مسکراتی ہوئی مجسم زندگی نے میرا ہاتھ گرم جوشی سے تھام کر ہلکے سے دبایا اور بولی۔

''فرحت..... میں جانتی ہوں۔'' میں ساکت کھڑی اس نیلگوں شاہکار کو ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں سمندر کی طرح نیلی' گہری اور چمکدار تھیں۔ اس نے لمبی سی فیروزی مائل فراک پہن رکھی تھی۔ ساتھ ہی ہم رنگ نائیلون کی شفاف جرابیں' پاؤں میں اونچی ایڑھی کے فیروزی سینڈل' اس کے بازوؤں پر ابھری ہوئی نیلی نیلی رگیں قدیم مصری ایسراؤں کی مانند اس کی شخصیت کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اور تو اور..... اس کے سفید بالوں میں نیلاہٹ لیے ہوئے ایک طلسم برپا تھا۔

''اوگاڈ..... میں نیلے سمندر کے سامنے ہوں؛ چرخ نیلی فام کے۔'' میں نے حیرت کے عالم میں کہا۔ تو وہ زور سے قہقہہ لگا کر بولی۔

''تم اس وقت مسز بیکر..... نہیں نہیں صرف جوڈی کے سامنے کھڑی ہو۔'' اس کے سرخی لیے ہوئے ہونٹ اس کے نیلے سراپے پر یوں تر کر کر رہے تھے۔ جیسے سمندر کے سینے پر ہلکورے لیتے ہوئے رنگین بجرے' وہ بھرپور زندگی کی علامت تھے۔ آؤ اِدھر کرسی پر بیٹھیں۔''

☆.....☆.....☆

وہ پہلی ہی ملاقات میں برسوں کی بے تکلفی لیے ہوئے تھی۔ اس لیے جلد ہی ہم نے اپنی اپنی پٹاریوں سے یادوں' خوشبوؤں' محبتوں اور سوچوں کی رنگین کترنیں نکالیں اور معصوم بچوں کی طرح ایک دوسرے کو دکھا کر وقت پر کمندیں ڈالنے لگیں اس طلسم ہوشربا کے انجانے در و دیوار کھولتے ہوئے ہمیں ذرا بھی دقت نہ ہوئی کیونکہ خلوص کا دُھل جاسم ہم اس کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور انگریزی وہ بہت اچھی بولتی تھی۔

''تم دونوں باتیں کرو..... میں تمہارے لیے کافی اور کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' ایری یہ کہہ کر اٹھ گئی۔

اور ہم دونوں یوں باتیں کرنے لگیں جیسے بچھڑی سہیلیاں برسوں بعد ملی ہوں۔ اور کہنے کو بہت سی گھڑیاں اپنے آنچلوں کی باندھ لائی ہوں۔ وقفے وقفے سے ہمارے قہقہے اس خوب صورت سہ پہر کی فضاؤں میں ارتعاش پیدا کر دیتے اور ہماری دوست اپنے کچن کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے جرمن میں کہتی۔

''میرے لیے یہ قہقہے سنبھال کر رکھنا..... ورنہ میں کافی نہیں پلاؤں گی..... ہاں ..... اور نہیں تو کیا۔''

''آپ اتنی اچھی انگریزی کیسے بول لیتی ہیں؟'' میں نے اس اجنبی دوست سے پوچھا کہ جرمنی اور آسٹریا میں کم ہی ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نک سک سے درست اتنی اچھی انگریزی فرفر بولتے ہوں۔

''یہ ایک لمبی کہانی ہے..... کیا تم سنو گی؟'' اس زندہ دل اور خوش مزاج خاتون نے تکلف سے کہا۔

''ہاں ہاں..... کیوں نہیں؟'' میں نے خوشی دلی سے جواب دیا کہ شام میری اپنی تھی۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

"تو..... سنو۔" اس نے کرسی کی پشت پر سر رکھتے ہوئے اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے شروع کروں؟"

"جہاں سے مرضی سرا پکڑلو..... میرے لیے وہی آغاز ہوگا۔"

"ہاں..... جنگ عظیم دوم سے شروع کرتی ہوں۔ جب میں زندگی سے بھرپور سولہ سترہ سال کی شوخ وشنگ زندہ دل دوشیزہ ہوا کرتی تھی۔

"خیر وہ تو آپ اب بھی ہیں۔" میں نے اس کی زندہ دلی کی داد دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ وہ آنکھیں موند کر ماضی کے بحر خار سے یادوں کے موتی تلاش کر کے لانے لگی۔

اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ شاید کوئی اس کے خوابوں میں در آیا تھا۔ جبھی تو اس کی بند آنکھوں کے ابھرے ابھرے پپوٹے جو نیلے آئی شیڈ کی چمکدار رضائی اوڑھے ہوئے تھے۔ ہلکے ہلکے لرزنے لگے۔ اس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لب ہلکے سے وا ہوئے۔

☆.....☆.....☆

"جنگ کی وجہ سے تعلیم چھوڑ کر میں نے ٹائپنگ سیکھ لی تھی۔ اور ایک فوجی دفتر میں بطور ٹائپسٹ ملازمت کرنے لگی تھی جب جنگ ختم ہوئی تو ہم ہار چکے تھے اور میں بھی ہار گئی تھی۔ انگریزوں نے آسٹریا اور جرمنی کو فتح کرلیا تھا اور اس لمبے چوڑے بنجر دل کو....."

"تم سن رہی ہو نا؟" اس نے آنکھیں کھول کر مجھ سے پوچھا۔

میں کرسی پر ذرا سا آگے ہو کر بڑے انہماک سے اس کی دیدہ زیب نیلاہٹ' اُس کے پیار کی گرماہٹ اور اس کی محبت کی کہانی کی لطافت کھلی آنکھوں سے محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں۔" میں نے چونک کر کہا۔

"وہ میجر جس روز میرے دفتر میں داخل ہوا..... تو مجھے افسوس ہوا کہ سارا خلا بھر گیا ہے..... ایک آدمی کے وجود نے سارے دفتر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ باقی سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ کچھ اور سوا ہوگئی دھڑکن میرے دل کی جب بھی وہ مجھے سرخ رو اماں نظر آیا میں اس کے ساتھ کئی اہم جگہوں کے معائنے کے لیے جایا کرتی تھی۔ جانے کب اس کی آنکھیں اور ہونٹ سرکاری احکام دیتے دیتے پرائیویٹ جذبات کی ترسیل بھی کرنے لگے تھے۔ آخر ایک دن سنہرے سے اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم آج شام میرے ساتھ ڈنر کرنا پسند کروگی؟"

میں اس کی براؤن آنکھوں کی مدھم لو اور اس کے سرخ بالوں کے شعلوں سے پہلے ہی جل کر بھسم ہو چکی تھی۔ نہ کیسے کرتی.....

میرے جسم کا رواں رواں تو پہلے ہی خوشی سے رقص کر رہا تھا شام تو ابھی دور تھی۔ میں نے اس سہانی شام کو ڈھیر سارا میک اپ کیا اور نیلے رنگ کا لباس پہنا۔

"نیلا کیوں؟ کیا تمہیں نیلا رنگ بہت پسند تھا۔" میں نے وضاحت چاہی..... اچھا تو یہ بات تھی کہ وہ تو بہت پہلے ہی اس کے عشق میں فنا ہو چکی تھی.....

"کیا وہ تمہاری آنکھوں کے فیروزی رنگ پر مرمٹا تھا؟" میں پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"پتہ نہیں۔" اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اور اس نے اپنی بات جاری

"اسے نیلا رنگ بچپن ہی سے پسند تھا۔ شاید اس لیے میری آنکھوں کی رنگت نے اسے میری طرف متوجہ کیا تھا اور ہم نے برسوں کے فاصلے دنوں میں طے کر لیے تھے۔

اس شام وہ سیاہ ڈنر سوٹ پہنے بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ موم بتیوں کی جھلملاتی لوؤں کی مدھم روشنی میں ہم نے بہت ساری باتیں کیں۔

"تمہیں جنگ کیسی لگتی ہے؟" میجر نے دوران گفتگو میری طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

"بری..... بہت بری..... میں نفرت کرتی ہوں اس سے۔" میں نے دل کے خیالات لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

"جنگ خواہ کسی قوم کی..... کسی خطے میں کسی جگہ پر ہو..... یہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتی..... اس لیے میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔"

"تم سچ کہتی ہو..... میں بھی جنگ سے نفرت کرتا ہوں..... فوج میں شامل ہونے کے باوجود اپنی قوم کے لیے فتح حاصل کرنے کے باوجود..... میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ میں اپنی مرضی کے خلاف اس جنگ میں جھونکا گیا ہوں۔ جنگ میں جیتنے والا بھی خالی ہاتھ ہوتا ہے اور ہارنے والا بھی جنگ ختم ہوتے ہی وطن واپس جا کر کوئی اور اچھی سی ملازمت تلاش کروں گا..... اور.....!" اس نے اچانک توقف کیا پھر سر کو ہلکا سا خم دے کر بولا۔

"تم چلو گی میرے ساتھ؟"

"ہاں..... میں تمہارے ساتھ دنیا کے آخری کونے تک جانے کو تیار ہوں۔"

"نہیں..... دنیا کے آخری کونے میں انٹارکٹکا ہے جہاں تو منجمد کرنے والی سردی پڑتی ہے۔ میں تمہیں وہاں لے جا کر نہیں رہوں گا..... ہم لندن

غزل

تم کوئی سوال مت کرنا
آنسوؤں کا خیال مت کرنا

یاد کر کے پچھلی یادوں کو
اپنا جینا محال مت کرنا

تیرے لفظوں سے کوئی زخمی ہو
ایسی قائم مثال مت کرنا

زندگی کا سفر کوئی بھی ہو
چاہتوں کو نڈھال مت کرنا

کچھ دنوں میں ہی لوٹ آنا تم
جا رہے ہو تو سال مت کرنا

زخم رانا جو پہنچے اس دل کو
ایسا کوئی سوال مت کرنا

قدیر رانا

http://www.books urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

میں ہی گزارہ کرلیں گے..... ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں..... ہم لندن میں سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی کاٹیج میں رہیں گے۔''

''تم فی الحال کاٹیج کو بھول جاؤ ہم اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں رہیں گے..... اور میں ایک بڑی اہم بات کرنے والا ہوں۔ غور سے سنو..... میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا..... ایک بیٹی۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔

''ک..... کیا؟'' کافی کے گھونٹ میرے حلق میں پھنسنے لگے۔ کافی ایک دم سے بہت ہی کڑوی ہوگئی۔ میرے لیے اس تلخ حقیقت کا سامنا کرنا بہت دشوار تھا۔ میں نے چمچ سے کافی میں اور چینی ڈالی اور دھیرے دھیرے کافی کو اسی طرح چکر دینے لگی جیسے اس وقت میرا دماغ چکر پھیریاں کھا رہا تھا۔

''تمہاری بیوی؟'' بمشکل میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

''وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی..... وہ جنگ ختم ہونے کا انتظار نہیں کرسکتی تھی۔'' اُس نے میری جانب امید و ناامیدی کی درمیانی کیفیت سے جھانکتے ہوئے کہا۔

اس کی براؤن آنکھوں میں اٹلانٹے محبت کے وسیع سمندر نے فیصلہ جلد کروانے میں بڑی مدد کی اور میں نے اس کے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مہر محبت کا تصدیق نامہ ثبت کردیا..... میرے اس فیصلے کے بعد ہر طرف سے مخالفت کا طوفان اُمڈ آیا تھا.....

میرے والدین' بہن بھائی' خاندان' احباب' پڑوسی غرضیکہ سب نے کھلے عام یا دبے لفظوں میں خوب مخالفت کی کہ یہ ناسمجھ دوشیزہ ایک انگریز سے شادی کرکے ہماری ناموس کو بٹہ لگائے گی۔ مگر محبت ان دنیاوی رسوم و قیود سے بہت بالاتر ہوتی ہے..... بہت عظیم..... جسے عام لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے..... ہم نے شادی کرلی..... گویا..... عشق نہ پچھے ذات.....

''پھر؟'' میں نے تھوڑی کو ہاتھوں کی کٹوری سے آزاد کرتے ہوئے بڑے تجسس سے پوچھا۔

''پھر کیا؟ پھر ہم لوگ لندن چلے گئے اور وہاں ہم نے ایک دوسرے کی محبت میں ڈوب کر زندگی یوں بتادی کہ ماہ و سال کا پتہ تک نہ چلا۔

''کیوں؟ کیا وہ اتنی محبت کرتا تھا؟'' میں نے شرارت سے پوچھا۔

''محبت؟ محبت کا لفظ تو شاید چھوٹا ہے..... وہ میری پوجا کرتا تھا..... فرحت! وہ مجھے دیوی بنا کر پوجتا تھا۔''

''ساری عمر؟'' میرے لیے وہ خاصی اچنبھے کی اور افسانوی سی بات تھی۔

''ہاں ساری عمر..... اس نے مجھے پوجا اور میں نے اس کی محبت کو عبادت جانا..... اسے میرے سوا دنیا میں کچھ نظر نہ آتا تھا اور مجھے اس کے بنا.....''

''اور بچے؟'' میں نے اکیسویں صدی کی اس خوش نصیب 'ہیر' کو رانجھے کے حصار سے نکالنا چاہا۔

''بچے؟ میری اپنی اولاد نہ ہوئی..... لیکن اس کے بچے میرے ہی بچے تھے..... میں نے شروع دن ہی اُن معصوم فرشتوں پر اپنی ساری ممتا نچھاور کردی کہ وہ اپنی سگی ماں کو یاد تک نہ کرتے تھے..... میرے شوہر سے تعلق رکھنے والی ہر شے مجھے جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔

''ہیر.....'' پھر رانجھے کے حلقے سے نکلنے کو تیار نہ تھی۔

''بچے اب خود بال بچے دار ہوگئے ہیں..... بیٹا اسپین میں ہے اور مجھے کرسمس کارڈ اور مدر ڈے پر گفٹ ضرور بھیجتا ہے اور بیٹی امریکہ میں ہے۔'' اس

نے بچوں کا ذکر بڑی محبت اور خوش دلی سے کیا۔

''پھر آپ آسٹریا کیسے آگئیں؟''

''میں نے چالیس برس سے زیادہ عرصہ انگلینڈ میں گزارا۔ اپنے محبوب کے سنگ..... میں نے ان کی ہر رسم و دورخ معاشرت..... غرضیکہ ہر چیز کو اپنا لیا اپنی جند جان بنالیا کہ وہ میرے محبوب کا پسند تھا۔

''آپ کو اس میں دشواری نہیں ہوئی؟''

''نہیں دشواری کیسی؟ محبوب کے لیے تو لوگ جانیں قربان کردیتے ہیں..... میں نے تو صرف ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو اپنایا تھا۔''

''پھر..... پھر؟'' میں کہانی کا انجام جاننے کو بے قرار تھی۔

''پھر چند سال قبل وہ بیمار ہوگیا تھا۔ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ہم بہتر آب و ہوا کے لیے آسٹریا چلے آئے یہاں آئے ہوئے اسے ایک سال دو مہینے اور پندرہ دن ہوئے تھے کہ وہ راہی عدم ہوگیا اور میں تنہا رہ گئی۔ زندگی میں پہلی بار ہم جدا ہوئے تھے۔

میں حیران تھی کہ اس کا حساب کتاب کتنا درست تھا کہ اسے سال مہینے اور دن تک یاد تھے۔ وہ آنکھوں میں آنے والے آنسو پی جانے کی کوشش کررہی تھی۔ جس میں وہ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد کامیاب ہوگئی۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ تھوڑا سا سنبھل کر وہ پھر گویا ہوئی۔

''ہم نے ایک دوسرے سے عہد لیا تھا کہ مرنے کے بعد ایک دوسرے سے کسی بھی حالت میں جدا ہونے کے بعد اپنے آپ کو رونے نہیں لگائیں گے۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں گے اور خوش رہ کر بقیہ زندگی گزاریں گے۔ اس نے شاید اس لیے وعدہ لیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ مجھ سے پہلے..... بہت پہلے رخصت ہوجائے گا۔ اسے میرا بہت خیال تھا' وہ چاہتا تھا کہ میں خوش و خرم رہوں..... چنانچہ وعدے کے مطابق میں..... اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں..... اس لیے میں اپنے آپ کو مصروف رکھتی ہوں..... کئی جگہوں کی ممبر ہوں..... تنہا نہیں رہتی..... اپنی کسی دوست کے پاس چلی جاتی ہوں۔''

☆.....☆.....☆

میں اس اکیسویں صدی کی محبت کی لازوال کہانی پر حیران رہ گئی تھی۔ جس میں جدا ہونے والوں نے ایک دوسرے کی یادیں ہجر اور آنسوؤں کے دیوان مرتب کرنے کے بجائے ایک بھرپور زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا۔ اور اس عہد کو صرف لفظی پابندی ہی نہیں عطا کی تھی بلکہ دل و جان سے نباہ بھی رہے تھے۔

''میں آپ کو اس کامیاب اور محبت بھری زندگی پر خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔'' میں نے اس نیلم پری کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا۔ جس کی پور پور سے آج بھی وہ نیلی نیلی..... ٹھنڈک اور طمانیت سے بھرپور نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جو روح کو بالیدگی بخش کر محبت کے عظیم ترین ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔

''بندی آپ کی شکر گزار ہے مادام.....!'' اس نے تبسم بکھیرتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا خم دیتے ہوئے شرارت سے کہا۔ اور کچھ ہی دیر بعد فضا میں اس کے تعاقب سے معمول تیرگی کو چیر رہے تھے۔ وہ تیرگی اور ظلمت جو کرۂ زمین سے نہ جانے کب ہمارے گرد چھائی تھی..... فقط اس کے بالوں میں اٹھنے والی نیلی دھند لاہٹیں اس تاریکی میں سپیدی نور کا مظہر تھیں۔

☆☆.....☆☆

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اوکاڑہ سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

زرباز

بدقسمتی کبھی بھی وارد ہو جاتی ہے ایسا ہی کہانی سنانے والے کے ساتھ ہوا.....

جاوید راہی

جون کا مہینہ اور پھر چاروں جانب سنگلاخ پہاڑ، پچاس سے اوپر درجہ حرارت جس نے مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا، ہینڈ ٹاول سے بار بار میں چہرہ پر آیا پسینہ صاف کرتے ڈپٹی کے قدم سے قدم ملاتا ان کے آفس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ڈپٹی کے آفس میں داخل ہوتے میری نظر اس قیدی پر پڑی جو دو پولیس وارڈن کے درمیان نظریں جھکائے کھڑا اپنے پیروں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ڈپٹی نے اپنے چیئر پر بیٹھتے مقامی بولی میں دونوں سے کچھ کہا وہ سلوٹ کرتے باہر چلے گئے۔ اب میں اور امتیاز بلوچ آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ دُبلا پتلا چالیس سے اوپر کا امتیاز بلوچ جس کے چہرے پر جیل کی زندگی کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے،

بڑی دھیمی آواز میں بولا جناب آپ کی غریب پروری کا تاحیات احسان مند رہوں گا آپ میری گذارش پر لاہور سے بلوچستان اس قیامت کے موسم میں تشریف لائے ہیں میرے پاس کوئی الفاظ نہیں جو میں آپ کی نذر کروں۔ میں نے ڈپٹی صاحب کو مخاطب کرتے اسے بیٹھ جانے کی اجازت طلب کی انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ شکریہ کہتے کارپٹ پر آلتی پالتی مارتے میرے سامنے بیٹھ گیا۔

کب سے میری کہانیاں یعنی جیل کہانیاں پڑھ رہے ہو؟ جی باقاعدگی سے تو نہیں ایک آدھ بار ملاقاتی حضرات اپنے عزیزوں کی ملاقات کے دوران اخبارات، رسائل بھی جاتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں جو پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ آپ کی تحریر کردہ جیل کہانیاں

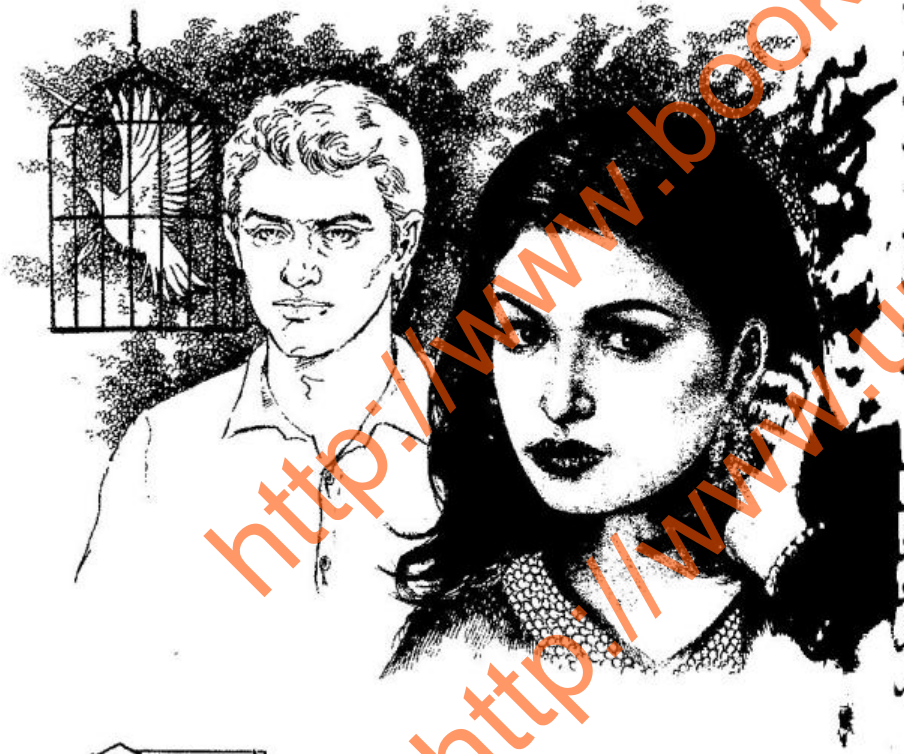

ے بعد میں نے اپنے ساتھ ہونیوالی
انسانی ہارے اپنی آواز اعلیٰ حکام تک
نے کا فیصلہ کرتے آپ کے چیف صاحب
ا بلایا تھا۔ اس نے پرامید نظروں سے
ری جانب دیکھتے بتایا۔ ہاں تو شروع کریں
ں نے اپنے آگے رکھے پانی کے گلاس کو
ک سائیڈ پر کرتے اسے متوجہ کیا۔

"میری بدقسمتی کا آغاز اس وقت ہوا جب
ہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے ٹیچر بشارت علی
وہان صاحب سے زیارتوں پر جانے اظہار

کیا یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ ہم بلوچوں کی آبادی شہر کے وسط میں ایک ہی جگہ آباد تھی ہمارے قبیلہ کے مرد و خواتین مل کر کام دھندا کرتے آرہے ہیں یہ سلسلہ ہماری کئی پشتوں سے چلا آرہا ہے۔ میرے رشتہ دار مرد عورتیں زیارتوں کی آڑ میں ایران سے واپسی پر بہت سارا مال اپنے ساتھ لے آتے اور خوب منافع کماتے۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا جو مجھے چوہان صاحب کے گھر لے گیا۔

بشارت علی چوہان کا مکمل خاندان اہل تشیع

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تھا اور وہ ضلع بھر کی تنظیم کے عہدیدار بھی تھے ان کے جاری کردہ سفارشی لیٹر پر ایران کا ویزہ آسانی سے لگ جاتا تھا سو ایک دو بار چکر لگانے پر چوہان صاحب نے سفارشی لیٹر دے دیا جو پتوکی امام بارگاہ کی تنظیم کے نام تھا۔ میں پتوکی اسٹیشن کے کوارٹروں میں جعفری صاحب سے ملا انہوں نے لیٹر پڑھ کر میرا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ آٹھ تصویریں اور پانچ سو روپے لے کر رکھ لیے اور میرا رابطہ نمبر لکھ کر ویزہ لگ جانے کی اطلاع دینے کا وعدہ کرتے مجھے اجازت دے دی۔

تقریباً دس روز بعد مجھے فون آیا کہ تمہیں ٹھوکر نیاز بیگ ونگ جسے سید اعجاز حسین شاہ نقوی کمان کریں گے کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ میں نے دھڑکتے دل سے اس نمبر پر فون کیا دوسری طرف سے بولنے والے خود اعجاز نقوی تھے، بڑی محبت سے پیش آئے اور مجھے ایک ہفتہ بعد آنے کا دن اور ٹائم بتایا، قافلہ چلنے کا اور آنے جانے کا خرچہ مکمل کھانا پینا رہائش ساڑھے آٹھ ہزار روپے فی کس بتا کر فون بند کر دیا۔ میں نے ایران جانے کی تیاری شروع کر دی۔ پاکستان سے الیکٹرونک کا سامان جس میں ٹیپ ریکارڈر اور ایسا ہی چھوٹا موٹا سامان جو ہمارے لوگ لے کر جاتے تھے وہ میں نے بھی تھوڑا سا ساتھ رکھ لیا اور وقت مقررہ پر ریلوے اسٹیشن پر آ گیا۔ زیادہ تلاش نہ کرنا پڑا ہمارا زیارتی قافلہ ایک فرسٹ کلاس کے ڈبہ میں 25 افراد پر مشتمل تھا جس میں سات خواتین اور میرے سمیت اٹھارہ مرد تھے۔

تمام زائرین کے لیے جوس، بسکٹ، منرل واٹر اور ایسے ہی خشک خورونوش کا بندوبست تھا، گیس کے سلنڈر اور برتن، مصالحہ جات، دالیں، چاول، آلو پیاز وغیرہ طالب اور حنیف نامی لڑکوں کے کنٹرول میں تھا جو ٹرین کے ڈبہ میں ہی کھانا بنانے کے ماہر تھے۔ میرے سوا تمام زائرین ایک دوسرے کو جانتے تھے۔

ایک دو سٹاپوں کے بعد میں بھی ان میں سے دو چار کا واقف کار ہو چکا تھا۔ اعجاز نقوی واقعہ کربلا اور مجلس بہت خوبصورت انداز میں پیش کرتے آ رہے تھے میرا مسلک سنی تھا مگر میں نے ان پر یہ بات سرے سے ثابت ہی نہیں ہونے دی تھی میں تو ان میں پھیرے کی آڑ میں زائرین کا بادہ اوڑھے بیٹھا تھا۔ کوئٹہ پہنچ کر رات پلیٹ فارم پر بسر کی اور دوسرے روز تفتان کے لیے ٹرین میں سوار ہو گئے۔ رات بازار جا کر نقوی صاحب نے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ فروٹ بھی وافر مقدار میں خرید لیا تھا۔ اگلا سفر خاصا خوشگوار ثابت ہوا، ٹرین میں صرف زائرین تھے یا ایسے مسافر جو راستے میں آنے والے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر اتر چڑھ رہے تھے۔

دوپہر کا کھانا ٹرین میں ہی کھایا تقریباً چار بجے گاڑی تفتان بارڈر پر پہنچ کر رک گئی، نقوی صاحب نے مجھے سب کے پاسپورٹ دے کر لسٹ بنانے کا کہا میں نے ترتیب وار لسٹ بنا کر پاسپورٹ امیگریشن کے سپرد کر دیے۔

ابھی زیادہ نہیں تھا کہ دھکم پیل کا سلسلہ
اسی دوران تھوڑے فاصلے پر بنے
کے بازار کی طرف چل پڑا چاروں
دوکانوں پر طرح طرح کا ایرانی سامان
کھانے پینے کی اشیا موجود تھیں۔ ایک ہوٹل
کباب اور قہوہ پیا اور گھوم پھر کر واپس
پر پہنچ گیا ابھی تک بارڈر کراس کرنے
اجازت نہیں ملی تھی۔ ہمارے گروپ کے
اسٹیشن پر بنے لوہے کے شیڈ کی چھاؤں
بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے
بھی ان کے پاس آ بیٹھا۔

تھوڑی دیر بعد سب کے پاسپورٹ مکمل
کر گئے ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح
میں آ بیٹھے آخر کار ٹرین رینگتی ہوئی
کی حدود میں داخل ہو گئی۔ یہاں بھی
کا معاملہ شروع تھا۔ میرا بیگ جس
برائے نام الیکٹرونک کا سامان تھا وہ میں
سب کے سامان میں گھسیڑ دیا تھا اور بے
کر ایران کی سرحد میں اِدھر اُدھر ٹہلوں
کاٹنے میں مصروف تھا۔ ہمارے گروپ
جتنے بھی لوگ تھے وہ کئی کئی بار ایران آ چکے
اس لیے انہیں ساری اونچ نیچ کا پتہ تھا۔
نقوی صاحب امیگریشن سے نپٹ کر
درمیان آ کے اور سب کو اگلے سفر
بارے میں سمجھانے لگے طالب نوشاہ
ٹن پیک سب کو بانٹ رہا تھا۔ پینے
مشروب کو ایران میں نوشاب کے نام
جاتا تھا۔ چیکنگ مکمل ہونے پر ٹرین
کی جانب روانہ ہو گئی۔ راستے میں
ایک دو بار تھوڑی دیر کے لیے گاڑی رکی اور آخر کار زاہدان کے پر رونق اسٹیشن پر انجن خاموش ہو گیا۔

زائرین کی آمد پر ایران کی فلاحی و اسلامی تنظیمیں ہاتھوں ہاتھ زیارتوں پر آئے لوگوں کو سنبھال رہی تھیں آرام دہ بسوں کی لائنوں میں اپنی تنظیموں کے نشان آویزاں تھے اور وہ لوگ اپنے اپنے گروپ آپس میں تقسیم کر رہے تھے ہمیں جو بس تہران کے لیے ملی وہ وطیانہ بسکٹ فیکٹری کی جانب سے تھی۔ ہمارا گروپ وطیانہ بسکٹ بنانے والی کمپنی کا مہمان تھا۔ بس میں ہمارے سوا میرجاوا سے بھی زائرین تھے۔ تقریباً پچاس لوگوں کو لے کر بس اپنے اگلے سفر پر روانہ ہو چکی تھی بس میں پانی اور قہوہ کا بہترین اہتمام تھا اور پونے دو گھنٹے کی مسافت کے بعد بس ایک خوبصورت مسجد کے دلان میں آ رکی۔

مختلف اقسام کے پکے پکائے تیار کھانے ڈبوں میں بند تھے وہ ایرانی روٹیوں کے ہمراہ تمام لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ بند ڈبوں میں مٹن، چکن سبزیاں اور مقامی سالن تھا۔ بھوک برائے نام تھی مگر کھانے کا لطف آیا جہاں بھی ہماری بس رُکتی مقامی لوگ بس کو گھیر لیتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ تمام رات طیار (بس) محو سفر تھی صبح فجر سے قبل تہران سٹی میں داخل ہوئی سامنے امام خمینی کا روضہ بقیہ نور کی مثال نظر آیا، بس روضے کے اطراف آدھا چکر کاٹتے ایک بڑی شاہراہ کی جانب مڑ گئی۔ کافی سڑکیں بدلتے ایک

http://www.books.urdutube.net/

وسیع میدان نظر آیا جو زائرین سے اَٹا پڑا تھا۔ ہماری بس کا منتظم ہمیں ایک جگہ اکٹھا رہنے کی تلقین کر رہا تھا وہ ایک پاکستانی تھا اور ایران میں تعلیم کے حصول کے لیے رہ رہا تھا۔

احمد نام تھا اس کا دوران سفر اس نے تمام زائرین کی لسٹ مرتب کر لی تھی اور باقاعدہ نام بول کر تعداد پوری کر رہا تھا۔ سب لوگ جو بس میں سے نکل کر ایک سائیڈ پر کھڑے ہو چکے تھے کو مخاطب کرتے اس نے بتایا کہ یہ بس پندرہ روز تک ان کے استعمال میں رہے گی اور رہائش وطیانہ بسکٹ فیکٹری میں ہو گی اور سب کے پاس یہ کارڈ رہے گا اگر بھول بھال ہو جائے تو کارڈ کو دکھانے پر آپ اپنی رہائش پر پہنچ جائیں گے ایسی ہی کئی ضروری باتوں کے بعد ہم سب میں کارڈ تقسیم کیے گئے اور ساتھ ہی کمبل بھی اور چھوٹے چھوٹے قالین بھی جو شائد ہمارے بستر تھے پھر دوبارہ ہمارا قافلہ بس میں سوار ہو کر وطیان چل پڑا۔

بہت بڑی فیکٹری تھی جس کے کئی ایک پورشن تھے ہمیں ایک بہت بڑے ہال میں شفٹ کر دیا گیا مقامی میزبان جن میں خواتین اور اسکاؤٹ لڑکے شامل تھی ہمیں ہر طرح کی سہولت فراہم کر رہے تھے۔ جوس اور آئسکریم سے ہماری خاطر تواضع کی گئی پھر ناشتہ جو خالص ایرانی انداز کا تھا چاول، ٹماٹر اور سیخ کباب فروٹ دہی وغیرہ خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا۔ بعدازاں ہمارے میزبان مالکان آگئے بڑی محبت سے پیش آئے اور ہمارا ہر طرح کا خیال رکھنے کی یقین دہانی کرواتے ہمیں آرام کرنے کا کہہ کر چلے گئے تمام رات کے تھکے ہوئے تھے سب لوگ سو گئے۔

ایرانی خواتین جو تعداد میں سات تھیں کرسیوں پر بیٹھی ہمارے کسی بھی حکم کی منتظر تھیں۔ دوبجے کے بعد بڑا پر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔ اس دوران نوشابہ، آئسکریم قلفیاں، قہوہ، جوس کے پیکٹ، خشک میوہ جات بھی رکھے جا رہے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب کو پہلی زیارت امام خمینی جانے کا کہتے نقوی صاحب نے نیچے بس میں چلنے کا اعلان کیا۔ یوں ہم سب تیار ہو کر بس میں سوار ہونے کے لیے نیچے آ گئے پھر مقدس زیارات کا آغاز شروع ہو گیا۔

سورج غروب ہونے سے پیشتر واپسی ہوئی فیکٹری پہنچ کر تھوڑی دیر آرام کیا اور دوسرے لوگوں کی طرح طالب زرگر اور حنیف ڈرائیور اور میں بدنصیب ایران کی جگمگاتی شاہراہوں، دوکانوں اور دوسرے مقامات کی طرف مٹرگشت کرنے چل پڑے۔ وہ دونوں خرید و فروخت میں مصروف تھے جبکہ میں اپنے ساتھ لایا تھوڑا سا الیکٹرونک سامان ٹھکانے لگانے کی فکر میں تھا ایک سٹور دکھائی دیا جس میں الیکٹرونک سامان بھی سجا ہوا تھا میں چپکے سے کاؤنٹر پر موجود ایرانی شاپ کے مالک کے پاس پہنچ گیا یہاں اردو مکمل اعتماد سے بولی اور سمجھی جاتی تھی میں نے اپنا مدعا بیان کیا تو وہ جھٹ خریداری پر آمادہ ہو گیا۔

واپس پہنچ کر میں نے اپنے سامان سے دو چار چیزیں جو اس امید پر ساتھ لایا تھا کہ

وہ ائیں گی بیگ میں ڈالتے اس سٹور پر سٹور مالک نے ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی اور اپنا ریٹ لگایا جو خاصا بہتر تھا میں فروخت کرنے کی رضامندی ظاہر کر دی اس نے سامان سنبھالتے رقم گن کر میرے میں دے دی، چائے وغیرہ کے دوران نے اس سے سوال کیا کہ اِدھر سے کیا لے جاؤں جو خرچہ نکل آئے، کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر مجھ سے مخاطب ہوا، بھاری سامان میں قالین برتن اور چمڑے کا سامان ہی لوگ لے کر جاتے ہیں مگر میرے خیال میں اگر تم لے کر جاؤ تو خاصی آمدنی ہو گی۔ پرندے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں۔ کنیری بڑی سی خوشنما رنگ چڑیا ہے جو یہاں پاکستانی چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے ستان میں شوقین لوگ یعنی پرندوں سے کرنے والے پانچ ہزار تک خرید لیتے ۔ میں نے پرندوں کی کئی ایک دوکانوں اس بارے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ سٹور سچ کہہ رہا تھا ایک معقول دوکان دار نے اظہار کیا کہ میں واپسی پر یہ سونگ برڈ کرنا چاہتا ہوں کتنی تعداد تک لے جانے کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ اس نے میری بھانپتے میرے دل کی بات بول دی۔ سارے طریقے ہیں جیسے پاکستان سے پیرٹ یہاں لائے جاتے ہیں شارک پاکستان میں لالی کہتے ہیں یہاں مینا کے بھاری قیمت میں فروخت کی جاتی

پاکستان سے طوطا اور لالی دو سو روپے جوڑا کے حساب سے یہاں لایا جاتا ہے مگر یہاں ہزاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں سے سونگ برڈ، اگن، چکور اور ایسے ہی کئی ایک پرندے اور ایرانی بلیاں اسمگل ہو کر جاتی ہیں جب تمہاری واپسی ہو تو میرے پاس آنا میں تمہیں ایک پنچ بنا دوں گا اور آسانی سے لے جانے کی ترکیب بھی بتا دوں گا۔ میں زیارتوں سے فارغ ہو کر مارکیٹ نکل جاتا اور گھوم پھر کر معلومات حاصل کرتا رہتا کہ کونسی چیز جو میں ادھر سے لے کر جاؤں گا تو آمدنی ہو گی۔ واپسی سے ایک روز قبل میں پرندوں کی مارکیٹ میں پہنچ گیا اس شاپ والے کے پاس جس کا نام احمد حسن تھا۔ جس نے ایک چھوٹے سے پنجرے میں 30 کے قریب چھوٹی چھوٹی چڑیاں اور 10 عدد اگن ڈال دیے ایک چھوٹے سے ڈبے میں پچاس کے قریب کاکروچ سے ذرا بڑے رنگین کچھوے ڈال کر اس نے ڈبے میں پانی اور خوراک بھر دی جو پانچ روز تک کے لیے کافی تھی۔ اسی طرح پنجرے میں چڑیوں کے لیے خوراک اور پانی ڈال دیا ان سب پرندوں اور کچھوؤں کا تقریباً بیس ہزار بنا جو میں نے ادا کر دیا اس کے علاوہ میں نے ایرانی یاقوت فی عدد ایک سو روپے خریدا جو تعداد میں دو سو تھے باقی ایک قالین کچھ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ واپسی ٹرین پر ہی تھی کچھوؤں کا ڈبہ میں نے بیگ میں اس طرح رکھا کہ زیپ سے ہوا جاتی رہے چڑیوں کا

http://www.bookstube.net/
http://www.urdutube.net/

پنجرہ میں نے سیٹ کے نیچے رکھ دیا اور آگے اپنا بیگ۔ پانی کے کولر عام تھے ہر زائرین کے پاس دو سے تین کولر بھرے پانی کے تھے گاڑی میں واپسی کے سفر میں کسی بھی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا اور میں خیریت سے واپس گھر آیا کوئی پرندہ اور کچھوا راستے میں کم نہ ہوا، کچھوے تو رنگین فش فروخت کرنے والوں میں اچھی قیمت سے بک گئے اور چڑیاں نولٹن مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ اچھے خاصے داموں سے بک گئیں اس کے بعد ایرانی یاقوت سوہا بازار میں سات سو روپے فی کس کے حساب سے نکل گئے۔ مجموعی طور پر اس پھیرے کا مجھے پونے دو لاکھ بچ گیا۔

اتنی آسانی سے اور ایک ہی پھیرے سے اتنے پیسے بچ جائیں گے اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا گھر والوں کو راضی کرتے میں کوئٹہ کے لیے روانہ ہو گیا میں نے ایک بار میں ایران آنے جانے کا آسان راستہ تلاش کر لیا تھا۔ تفتان کے مقامی لوگ کھلے عام آتے جاتے اِدھر اُدھر اور میں نے بھی یہی طریقہ استعمال کرنے کا سوچا تھا۔ جس ہوٹل پر میں نے واقفیت بنائی تھی اس پر آ کر میں نے کھانے کا آرڈر دیا اور باتوں باتوں میں ایران جانے کی خواہش کا اظہار کیا اس نے ایک مقامی ڈرائیور فرمان علی سے میرا تعارف کروایا اور دو ہزار روپے کے عوض اس نے تہران لے جانے کی حامی بھر لی وہ ایران سے لوہا بھر کر پاکستان لاتا تھا۔ رات کے پچھلے پہر اس نے مجھے اپنے ٹرک پر بٹھا لیا دو آدمی اور بھی تھے بارڈر پر رُک کر وہ چوکی کے اندر گیا پھر باہر آ کر انجن سٹارٹ کرتے کراسنگ عبور کر لی صبح فجر کے بعد اس نے مجھے ایک دوسرے آدمی جس کا نام روشن تھا کو ایک سڑک کے کنارے اتارا اور جاتے ہوئے اپنا نمبر لکھوایا جب واپسی جانا ہو مجھے فون کر لینا۔

روشن کو تمام راستوں کا علم تھا اس نے خالی گزرتی ٹیکسی کو اشارہ کیا اور بھاؤ تاؤ کر کے روضہ مبارک امام رضا علی مقام چلنے کا کہا۔ میں روضہ مبارک پر حاضری دے کر دربار شریف سے باہر آ کر پیدل ہی ادھر اُدھر گھومتا مارکیٹ پہنچ گیا۔ جس بڑ سینٹر سے میں نے چڑیاں اور کچھوے خریدے تھے اس کا مالک مجھے دیکھ کر خندہ پیشانی سے پیش آیا اور مجھے اندر بنے اپنے آفس میں لے آیا قہوہ کجھور سے میری خاطر مدارت کی اور کاروباری امور پر تبادلہ خیال کرنے لگا اس نے کراچی کے ایک دو دو کانداروں کے بارے میں مجھے بتایا جو بہت بڑے تاجر تھے جانوروں اور پرندوں کے اور اپنا کارڈ بھی دیا کہ اس بار مال ان کے پاس لے کر جانا اچھے دام ملیں گے۔ دو چار روز تک میں ایران میں رُکا رہا پھر احمد حسن کے پاس آیا اور واپسی کا اظہار کیا کیونکہ میں نے ڈرائیور فرمان علی سے رابطہ کر کے واپسی کا بندوبست کر لیا تھا۔ جس نے رات مجھے ٹرک ٹرمینل پہنچ جانے کا کہا تھا حسب سابق احمد حسن نے مجھے اس بار بہت عمدہ کنیری چڑیاں، اگن اور کچھوے دوگنی تعداد میں دیے اور دو ایرانی بلیوں کے بچے بھی

کارگری میں ڈال دیے اس بار میرا بل اسی ہزار پاکستانی کرنسی میں بنا۔ مختصر سامان بنا جو میں آخر کار ہوٹل آ گیا اور رات مقررہ وقت سے قبل میں نے ہوٹل چھوڑ دیا اور ٹرک ٹرمینل پہنچ گیا، فرمان علی سے رابطہ ہو گیا۔ جس نے مجھے لودھی گڈز پر پہنچنے کا کہا فردوسی گڈز قریب ہی تھا ایک دو بار گزرتے راہگیروں سے پوچھتا وہاں پہنچ گیا۔ فرمان علی میرے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹوکری اور پنجرہ، ڈبہ دیکھ کر بولا بس کیا کیریج ہے؟ ہاں فرمان بھائی، اس نے میرے کا کپڑا ہٹا کر چڑیوں کو دیکھا پھر کچھوے، اگن اور بلیوں کا جائزہ لیا۔ پانچ ہزار خود ہی چار ہزار روپے پر بات پکی کر لی۔ اس بار مجھے اوپر ٹول بکس میں میرے کیریج سمیت ایڈجسٹ کر دیا۔ نیچے ایک اور مقامی آدمی تھا فرمان علی کے ہمراہ رات کو سفر شروع ہو گیا۔ راستے میں ایک ہوٹل پر رکتے کھانا کھانے کے درمیان ڈرائیور فرمان علی سے میں نے کراچی تک کسی ٹرک والے کے جانے کی بات کی تو اس نے حامی بھر لی دے گا۔ خیریت سے واپس تفتان پہنچ گیا۔ فکر تھا کیونکہ اپنے ملک میں تھا اور میرے پاس جو کچھ تھا وہ سمگلنگ شدہ ہونے کے باوجود دیکھنے والے کو میرا شوق ہی نظر آتا۔ ٹرک ڈرائیور اور دوسرے دو لوگ بہت اچھے انسان تھے۔ نمازی پرہیز گار جہاں وہ اپنے ساتھ کھانے پینے میں بطور شامل کرتے بغیر کسی پریشانی کے میں کراچی کے ہمراہ کراچی پہنچ گیا۔ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتے میں اپنا سامان سنبھالتا ٹرک سے نیچے اُتر آیا خالی گزرتی ٹیکسی رکوا کر صدر کا بتایا اور پنجرہ، ڈبہ، ٹوکری پچھلی سیٹ پر رکھتے ڈرائیور کے ہمراہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مختلف سڑکوں کے چکر کاٹتے ٹیکسی والا بندر روڈ کے کارنر پر واقع پرندوں کی بڑی مارکیٹ کے آگے آ رُکا۔ احمد حسن کی بتائی شاپ تلاش کرنے میں دقت پیش نہ آئی ملازم نے بتایا کہ سیٹھ صاحب گھنٹہ بھر بعد آئیں گے آپ انتظار کر لیں میرے پاس پنجرہ وغیرہ دیکھتے اس نے پوچھا ایرانی مال ہے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا ایک دراز قد سندھی شاپ میں داخل ہوا ملازم نے سلام کرتے میرا بتایا وہ مجھے لے کر پیچھے کی طرف آ گیا۔ میں نے احمد حسن کے بارے میں بتایا تو وہ ہنس کر بولا اس کے تمام کسٹمر میرے پاس ہی آتے ہیں انشاء اللہ مارکیٹ سے اچھا دام ملے گا پھر اس نے کنیری اگن، بلیاں ننھے منے کچھوے دیکھے اور بولا بالکل خرابے پھر کلکولیٹر پر اس کا حساب بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں ملازم ناشتہ رکھ کر واپس چلا گیا خرید سے بھی ڈبل منافع اس نے لگایا تھا اور ساتھ میں یہ بھی شرط بیان کر دی کہ پوری مارکیٹ میں مال چیک کروالو ایک روپیہ زیادہ ملے میں ڈبل دوں گا اور ہاں مال کی پانچ ہزار روپے محکمہ شکاریات اہلکاروں کی کٹوتی جائے گی میں نے سر ہلاتے ہاں کر دی اس نے ملازم کو آواز دے کر میرا لایا مال اس کے سپرد کر دیا جس نے فوراً وہ سارا مال الگ الگ

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بڑے پنجروں میں منتقل کر دیا اور کچھوؤں کا ڈبہ جس کی میں بڑی حفاظت کرتا آیا تھا بار بار پانی خوراک کا خیال رکھتا آرہا تھا۔ پانچ ہزار کاٹ کر اس نے رقم میرے سپرد کرتے ایک چھوٹے سے قریبی ہوٹل میں میری رہائش کا بندوبست کر دیا۔ کمرے میں جاتے ہی میں بے سدھ ہو کر بستر پر دراز ہو گیا پتہ نہیں کب تک سوتا رہا خود ہی میری آنکھ کھلی تھی نہا کر کپڑے بدلے اور لاک لگا کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ یونہی گھومتا ہوا ایمپریس مارکیٹ نکل آیا یہاں بھی پرندوں کی بہت بڑی مارکیٹ تھی۔ ایک شاپ کے باہر پوسٹر آویزاں تھا جس پر کالے بچھو کی تصویر تھی اور اس کا وزن ایک سو دس گرام درج تھا اور قیمت چالیس لاکھ۔ میں نے بار بار پڑھا اور شاپ کے اندر داخل ہو گیا۔ شاپ کے اندر پنجروں میں ہر نسل کے بڑے چھوٹے طوطے موجود تھے کسی کی قیمت لاکھوں میں تھی میں نے وائٹ میکاؤ کا ریٹ پوچھا گھریلو جوڑے کا ساٹھ ہزار اور جنگلی کا پچیس ہزار میں نے دوکان دار کو اپنے بارے میں بتایا تو اس نے بڑی محبت سے مجھے بٹھاتے ملازم کو چائے لانے کا اشارہ کیا اس نے ایک میکاؤ جس کی ٹانگ میں سٹیل کی ہلکی سی زنجیر پڑی ہوئی تھی کو اپنے کندھے پر بٹھاتے کرسی چھوڑ دی۔ میں نے مال جو لایا تھا اس کی بابت بتایا اس نے دینے کا ریٹ پوچھا اور نہ ہی میں نے بتایا اور بات آگے چل پڑی۔ اس نے مشورہ دیا کہ دو جوڑی جنگلی میکاؤ کی جاتے ہوئے لیتے جانا خرچہ نکل آئیگا۔ میں تمہیں لینے والے کا ایڈریس بتا دونگا دو جوڑ تیس ہزار میں دے دونگا تمہیں۔ میں نے ا کی بات پر سر ہلاتے کالے بچھو جس کی قیم اس نے چالیس لاکھ لکھ رکھی تھی کی بابت پو تو اس نے بتایا کہ بچھو کینسر کے علاج میں کا آتا ہے اور بڑا نایاب ہے اس وزن تا جاتے اس کی عمر پچاس سال سے بھی اوپر جاتی ہے۔ آپ کے پاس ہے؟ میں نے سوال کیا۔ جی جبھی تو باہر بورڈ لگا رکھا ہے ہمارے پنجاب میں تو ایسے بچھو عام ہو ہیں۔ بچھو تو عام ہوتے ہونگے مگر اس وزن تنا نہیں ہو سکتا بڑی محنت اور تلاش کے بعد شکاری اس کو پکڑ پائے ہیں۔ کیا میں دیکھ ہوں آپ کا بچھو ہو سکتا ہے مجھے اپنے گاؤ سے ایسا کوئی بچھو مل جائے۔ میں شاپ بند کے گھر جاؤں گا تو میرے ساتھ چلنا۔ میں بے چینی بڑھ رہی تھی اور وہ مجھے میکاؤ خرید پر آمادہ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ جب اس شاپ بند کر دی تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لالوکھیت کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور لے کر ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ چار جانب پرندوں کی تصویریں آویزاں تھیں میں وہ ان کے ساتھ موجود تھا۔ ملازم چا اور دیگر لوازمات رکھ کر ایک جانب جا میں بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ پرا اور وہ ایک خوبصورت جالی کا بکس تھائے داخل ہوا شیشے کی ٹیبل پر رکھتے میرے سا بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے گھروں

رہنے والی چڑیا کے برابر گہرا سیاہ بچھو اس جالی کے بکس میں رکھے چھوٹے چھوٹے پتھروں کے اوپر ادھر اُدھر رینگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اس سے پہلے کبھی دیکھا ہے ایسا بچھو؟ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ 37 لاکھ اس کے لگ چکے ہیں بس آج کل میں جانے والا ہے حیدر آباد کی پارٹی ہے جو ملک سے باہر سمگلنگ کرتی ہے ایسے بچھو یہ کروڑوں کا دھندہ ہے اس نے بتاتے وہ بکس اپنے ملازم کے سپرد کر دیا اور خود چائے بنانے لگا ساتھ میں پھر میکاؤ طوطے کے بارے میں مجھے بتانے لگا۔ کچھ دیر بعد مجھے وہ اپنی گاڑی میں بٹھا کر اپنی رہائش سے باہر لایا اور خالی کرتے کشہ میں مجھے بٹھا کر واپس پلٹ گیا۔ میرے دامن میں کالا بچھو رینگ رہا تھا۔ میں نے دوسرے روز اللہ وسایا کے پاس جا کر اس بات کا تذکرہ کیا جو میری لائی کنیری چڑیاں الگ الگ پنجروں میں جوڑا جوڑا کر کے شاپ کے باہر لگے ڈنڈے میں لٹکا رہا تھا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے وہ سب کچھ سچ پر مبنی بتایا اور کالے بچھو کی بابت کوچ لگانے کی بھی بات کی اور جنگلی میکاؤ اس ہزار میں جوڑا دینے کا کہا میں نے جھٹ دو جوڑے کی بات پکی کر لی۔

میکاؤ لیکر جانے کی کوئی پابندی نہیں تھی مگر ایئرپورٹ چار عدد پر تحکمہ ریوے کو اعتراض تھا مگر میری یہ مشکل ایک قلی نے حل کروا دی ڈائینگ کار کے ایک بیرے نے دو ہزار میں صحیح سلامت آخری منزل تک پہنچانے کا سودا کر لیا۔ اللہ وسایا نے چاروں میکاؤ جوڑا جوڑا کر کے مضبوط ٹوکریوں میں مکئی اور چنے کے دانوں سمیت پیک کر دیے اور گتے کے خالی ڈبوں کے اندر ٹوکریاں رکھ دیں ٹوکریوں کے اندر پانی کے لیے لوہے کے ڈبے باندھے ہوئے تھے۔ مقررہ وقت پر قلی نے وہ دونوں گتے کے ڈبے بمعہ دو ہزار دیتے بیرے کے سپرد کرتے اسے پانی کا خیال رکھنے کی تاکید کی اس نے جواباً کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ بے فکر ہو جاؤ۔ میرا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا جہاں بھی ٹرین رکتی اس بیرے جس کا نام لطیف تھا کو اشارہ کر کے پوچھتا وہ انگوٹھا اور انگلی ہلا کر اوکے کی رپورٹ دے دیتا۔

بڑی ذمہ داری سے اس نے وہ دونوں ڈبے اسٹیشن کی عمارت سے باہر لا کر میرے سپرد کیے اور میں نے مزید دو سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے وہ شکریہ کہتے پھر خدمت کرنے کا کہہ کر پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گیا۔ میں ڈبے سنبھالتا ٹیکسی کے انتظار میں آ کھڑا ہوا جلد ٹیکسی مل گئی میں گھر کا بتا کر بے فکر ہو گیا۔ دوسرے روز مارکیٹ میں گیا اور ایک پیٹ شاپ والے کو دو جوڑے میکاؤ فروخت کرنے کی بات کی وہ فوراً میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا میں اسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھر لے آیا اس نے تیس ہزار سے بات شروع کی اور پینتیس ہزار روپے میں سودا طے ہو گیا۔ قیمت ادا کر کے اس نے دونوں ٹوکریاں اٹھائیں اور میرے گھر سے باہر نکل گیا۔ میرے لیے بشارت چوہان کی مہربانی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

رنگ لائی اور میں تھوڑے عرصہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ مجھے بچھو کی تلاش تھی جس کے لیے میں نے بہت سے پرندے پکڑنے والوں سے رابطہ کیا۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ جانوروں، پرندوں کے علاوہ جنات بھی برائے فروخت تھے مگر بچھوؤں کے شکاری سامنے نہ آئے۔ اس دوران میں ایران کے دو چکر اور لگا بیٹھا تھا اور میں نے پرندے امپورٹ ایکسپورٹ کرنے کا لائسنس بھی حاصل کر لیا تھا اور پاکستان سے باہر جانے والے پرندوں اور جانوروں جس میں چمگادڑ، کتے، سانپ وغیرہ ٹیکس ادا کر کے ایران لے جاسکتا تھا مگر میرا ذہن کالے سوگرام کے بچھو میں اٹکا ہوا تھا۔

ایک روز میں داتا صاحب حاضری دیکر پیدل ہی یادگار پاکستان کی طرف جارہا تھا کہ لیڈی ولنگٹن ہسپتال کے کارنر پر ایک نیم حکیم کو مختلف قسم کے کیڑے مکوڑوں، سانپ، بچھو، سانڈے کا تیل فروخت کرتے دیکھا۔ جس نے سانڈے، سانپ، بچھو زندہ ہی پبلک کے یقین کے لیے سب کے سامنے رکھ چھوڑے تھے۔ میری نظر مٹی کے برتن میں رینگتے سیاہ بچھوں پر پڑی جو جسامت میں عام بچھوؤں سے ذرا بڑے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ اپنا کام پورا کرے اور میں اس سے سوال جواب کروں اس نیم حکیم کا نام رانا وارث تھا جب وہ فارغ ہوگیا تو میں نے اپنا تعارف کروایا اور اس کے پاس جو بچھو تھے ان کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ وہ کہاں سے لایا تھا اس نے بتایا کہ یہ پہاڑی بچھو ہیں جو سوات میں ان شکاریوں سے مل جاتے ہیں جو جانور وغیرہ پکڑ کر انہیں فروخت کرتے ہیں میں نے دوسرا سوال کیا کہ اس سے بڑے سائز کے بھی ہوتے ہیں ان کے پاس؟ جس پر وہ فٹ پاتھیا قدرے مسکرایا اور بولا جناب جس بچھو کے بارے میں آپ پوچھ رہے ہو وہ ہمارے ہی علاقہ میں پایا جاتا ہے جس کے زہر سے بڑی بڑی کمپنیاں میڈیسن وغیرہ بناتی ہیں خاص کر کینسر کی میڈیسن۔ یہ بچھو اگر کسی کو ڈنک مار بھی دے تو پیلے بھونڈ جتنا اثر ہے۔ وارث سے خاصی معلومات ملی مجھے بچھوؤں کے بارے میں۔ اسی طرح کام کرتے کرتے پرندوں جانوروں کا ماہر ہوگیا اب میں دوبئی کے لیے باز، شاہین، شکرے، بحری، لگڑ کی خرید و فروخت کا کام بھی کرنے لگا تھا۔ یہ کام بھی لاکھوں کا تھا جو چوری چھپے ہی کیا جاتا تھا کیونکہ محکمہ وائلڈ لائف اس پر کڑی نظر رکھتا۔

ایک روز گجرات سے مجھے سرور کا فون آیا یہ بھی میری طرح جانور پرندے وغیرہ لیتا دیتا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک ستر اسی گرام کا سیاہ بچھو برائے فروخت ہے اِدھر کسی کے پاس کیونکہ میں نے سرور سے ایک دوبار شکرے لیے تھے اور اسے اپنے علاقے کے بڑے بچھوؤں کی بابت کہا تھا۔ فون پر اس نے بتایا کہ یہ بچھو کسی زمیندار کے پاس تھا جو اس کی خاندانی پرانی حویلی کی دیوار مسمار ہونے پر اسے ملا تھا جسے اس نے قابو کر کے مٹی کی ہنڈیا میں ریت ڈال کر ہنڈیا میں چھوٹے چھوٹے

سوراخ کر کے ہنڈیا کا ڈھکن لگا دیا تھا۔ ایک دو شکاری آئے تھے اسے دیکھنے اور تیس ہزار تک لگا گئے تھے مگر زمیندار فروخت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ سرور کے فون کے بعد میں نے گراچی فون کر کے اللہ وسایا کو بتایا کہ مجھے ستر گرام کا ایک مقامی سیاہ بچھو کا پتہ چلا ہے جس کے مالک کو تیس ہزار لگے ہیں اس کے مگر وہ لاکھ سے اوپر مانگتا ہے ادھر سے جواباً اس نے کہا کہ اگر واقعی ستر گرام کا مقامی بچھو یعنی دیسی ہے تو پچاس ساٹھ ہزار کا خرید لو یہاں یہ لاکھ سے اوپر جائیگا۔ میں فون رکھ کر گجرات جانے کی تیاری کرنے لگا۔

صبح گجرات کی بس میں سوار ہو کر تقریباً دو بجے سرور کے پاس پہنچ گیا ہم دونوں موٹر سائیکل پر اس کے گاؤں کی طرف چل پڑے جہاں کے زمیندار کے پاس بچھو تھا۔ وہ اپنی حویلی پر ہی مل گیا ہم نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس نے اپنے ملازم سے بچھو والی ہنڈیا منگوائی میں چونکہ کراچی والا بچھو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے اس کا سائز اس سے ذرا چھوٹا لگا اور جسامت بھی کمزور تھی مگر پھر بھی میں نے کراچی فون کر کے پھر رابطہ کیا اور اس کا سائز رنگ اور جسامت بتائی دوسری طرف سے وہی جواب ملا جو گھر سے چلتے وقت فون پر ملا تھا۔ میرے استفسار پر وہی سوا لاکھ مانگا زمیندار نے کافی مغز کھپائی کے بعد ستر ہزار روپے میں بات پکی ہوگئی ہم نے رقم دے کر بچھو خرید لیا۔ سرور موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھ کر بیٹھ گیا اور شہر جانے کے لیے چل پڑا۔ رات سرور کے پاس گزاری، دوسرے روز واپس جانے کے لیے چل پڑا ہنڈیا ہینڈ باسکٹ میں رکھی اور ویگن میں سوار ہوگیا۔ گھر آکر میں نے اللہ وسایا کو بتایا کہ میں نے بچھو 75 ہزار میں خرید لیا ہے اور ایک آدھ دن میں لے کر آرہا ہوں اس کو فروخت کرنے کا بندوبست کرو۔ جواباً اس نے کہا کہ کراچی میں ریسرچ سنٹر اور کئی ایک میڈیسن کی فیکٹریاں ہیں ان سے رابطہ کرتا ہوں میرا 10 پرسنٹ ہوگا اللہ وسایا نے کہہ کر فون بند کر دیا میں رات کی ٹرین میں کراچی کی طرف چل پڑا دوسرے دن تقریباً دوپہر تک کراچی پہنچ گیا۔

اسٹیشن سے سیدھا اللہ وسایا کے پاس پہنچا۔ اس نے بچھو کا بغور جائزہ لیا اور سر ہلاتے اس کی کوالٹی کی تائید کر دی پھر اس نے فون پر کسی سے بات کی اور آنے کا کہا۔ دن ڈھلنے سے قبل وہ لوگ آئے اور میرے بچھو کو بغور دیکھنے کے بعد ایک لاکھ دس ہزار قیمت لگائی مگر اللہ وسایا نے انکار کر دیا جاتے جاتے ایک پندرہ کہتے اپنی گاڑی میں سوار ہوگئے۔ میں نے اللہ وسایا سے مشورہ مانگا کہ کیوں نہ امپریس مارکیٹ والے کو بھی دکھایا جائے اس نے کہا چلو چلتے ہیں۔ ہم دونوں پیدل ہی بچھو والی ٹوکری اٹھا کر امپریس مارکیٹ طرف چل پڑے۔ یہاں افضل بھائی کے علاوہ اور بھی لوگ کام کرتے ہیں مگر افضل بھائی چھوٹا موٹا کام نہیں کرتے ان کا رابطہ چاروں صوبوں میں شکاریوں سے ہے اس لیے ان کے پاس

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بچھو آتے رہتے ہیں۔ ہم باتیں کرتے افضل بھائی کی شاپ پر پہنچ گئے وہ پوسٹر ابھی تک ان کی شاپ پر آویزاں تھی وہ بڑی محبت سے ملے اللہ وسایا سے مارکیٹ کے بارے میں گفتگو کرتے مجھ سے مخاطب ہوتے سناؤ کوئی دانہ ہاتھ لگا، میں نے ٹوکری سے ہنڈیا نکال کر اس کے آگے رکھ دی اس نے ڈھکن ہٹا کر میرا لایا بچھو دیکھا اور بولا مہران لیبارٹری والوں کو ضرورت ہے تم نے دکھایا ہے انکو؟ نہیں ایک باہر کی پارٹی نے ایک پندرہ لگایا ہے اللہ وسایا نے افضل بھائی کی بات کا جواب دیا۔ میں فون کروں افضل بھائی نے اللہ وسایا سے پوچھا۔ ہاں کرلو اگر دام صحیح لگائیں تو، کوشش ہے آگے اللہ مالک۔ افضل بھائی نے نمبر ڈائل کرتے جواب دیا۔ پھر وہ دوسری جانب کسی خالد صاحب سے میرے بچھو کے بارے میں بات کرنے لگا پھر فون بند کرتے ان کے آنے کا بتایا ان کا آفس بندر روڈ پر تھا اور وہ دیکھنے آرہے تھے۔

چائے کے دوران خالد صاحب اور ان کے ہمراہ دو اور ساتھی تھے آگئے اور افضل بھائی نے میرے بچھو کو ہنڈیا سے نکال کر شیشے کے جار میں چھوڑ دیا جسے وہ چاروں جانب سے پرکھ رہے تھے پھر وہ افضل بھائی سے مخاطب ہوئے کیا ڈیمانڈ ہے؟ پانچ لاکھ، ارے نہیں چوتھے نمبر کا ہے۔ نہیں سیٹھ تیسرے نمبر پر آرہا ہے، افضل بھائی نے کاروباری پلٹا مارا اور ابھی تک پورا ہے اس نے دراز سے شیشہ نکال کر خالد صاحب کے ہاتھ میں دیتے گارنٹی دی خالد صاحب نے جار گھما کر بچھو کی دم کو قریب کر کے دیکھا اور شیشہ واپس دیتے جھٹ دو لاکھ کی آواز لگائی تو اللہ وسایا کود پڑا سیٹھ وہ جو آپ نے تین لاکھ میں لیا تھا اس سے کہیں سستا تھا اور دو بار اس کو خالی بھی کیا ہوا تھا مگر اس کی تھیلی سیل بند ہے سوا دو کہہ کر وہ اٹھ گئے میں پریشانی میں الجھا ہوا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے مگر دونوں نے انہیں نہیں روکا میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ میرے لائے بچھو کی قیمت بڑھ رہی تھی۔ ایک دو جگہ پر انہوں نے فون کیے ایک طرف سے جو بات ہوئی وہ قلات میں قائم ایسے ہی ادارے کے مالک کی تھی جو اس وزن اور سائز کے پونے تین لاکھ دینے کو تیار تھا دونوں نے مجھے قلات جا کر بچھو فروخت کرنے کا مشورہ دیا تو میں نے ان کی کمیشن کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا جو آدمی تمہیں اسٹیشن پر لینے آئے گا وہی سب کچھ کرے گا تم فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں چلے جانا، امین خان تمہیں وہیں بیٹھا ملے گا وہ باقی سب کام سنبھال لے گا۔ میں رات کو کوئٹہ ایکسپریس میں فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے کر بیٹھ گیا تمام رات سفر جاری رہا دوسرے دن میں کوئٹہ پہنچ گیا۔ بیگ اور ٹوکری سنبھالے میں فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں آگیا اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو ایک درمیانے قد کا مقامی آدمی میرے قریب آیا اور بولا امتیاز بلوچ؟ میں نے بتایا ہاں۔ مجھے افضل بھائی نے آپ کے لیے بھیجا ہے اس نے میرا بیگ پکڑتے کہا اور ہم دونوں

باہر آگئے۔

بچھو والی ٹوکری میرے ہاتھ میں تھی اس نے رکشہ رکوا کر طوغی روڈ چلنے کا کہا۔ گوشت مارکیٹ کے قریب رکشہ رکواتے اس نے کرایہ دیا اور مجھے ساتھ لیکر مارکیٹ کے عقب میں بستی کی طرف چل پڑا۔ زیادہ چلنا نہ پڑا وہ ایک درمیانے درجہ کا چھوٹا سا مکان تھا جو لوہے کی چادروں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اس نے باہر لگا تالا کھولا اور اندر آنے کا کہا۔ ایک طرف دو کمرے اور دوسری طرف دلان نما برآمدہ تھا جس میں خالی پنجرے اوپر نیچے رکھے تھے۔ بستر زمین پر ہی لگا ہوا تھا اس نے میرا بیگ ایک طرف رکھتے بتایا کہ بچے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔

وہ رات میں نے امین خان کے گھر گزاری وہ بھی پرندوں اور جانوروں کا کاروبار کرتا تھا پاکستانی پرندے جانور ایران بھجواتا اور ادھر کے جانور پرندے ادھر سمگل کرتا تھا۔ صبح اٹھ کر میں نے خوراک پانی چیک کیا اپنے بچھو کا جو مجھے لاکھوں کا فائدہ پہنچانے والا تھا مطمئن ہو کر میں امین خان کا باہر سے لایا ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا پھر ہم تیار کر دونوں بس اسٹینڈ پر آئے اور قلات جانے کے لیے سوار ہو گئے۔

بچھو والی ٹوکری جس میں کچی ہنڈیا میں میرا دو لاکھ کا فائدہ رینگ رہا تھا اسے احتیاط سے سیٹ کے نیچے رکھا اور باہر کے مناظر میں گم ہو گیا۔ قلات پہنچ کر رکشہ لیا اور فیکٹری کا راستے ہم بیٹھ گئے۔ فیکٹری آبادی سے کافی باہر تھی خاصا رقبہ تھا فیکٹری کا۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور ہمیں فیکٹری منیجر نے اندر بلوالیا۔ جتنی دیر خاطر مدارات میں مصروف رہے اسی دوران فیکٹری کے ڈائریکٹر اور لیبارٹری انچارج آگئے۔

مجھے بچھو دکھانے کا کہا میں نے امین خان کی طرف دیکھا جس نے فوراً ٹوکری میں سے ہنڈیا نکالی اور میز پر رکھتے اس کا ڈھکن اٹھایا، بچھو ڈھکن کی اندرونی سطح پر چمٹا ہوا تھا ڈھکن اٹھتے ہی وہ امین خان کی گود میں آن گرا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا بچھو اپنا کام کر گیا۔ شائد وہ اس کا پہلا ڈنک تھا جو لگتے ہی امین خان کا کام تمام کر گیا۔ فیکٹری میں موجود ڈاکٹر اور لیبارٹری انچارج نے بڑی کوشش کی امین خان کو بچانے کی مگر وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

بچھو کو دوبارہ ہنڈیا میں ڈال کر فیکٹری مالکان نے مقامی پولیس کو خبر کر دی اور مجھے میرے بچھو سمیت گرفتار کر لیا گیا میرا مقدمہ چلا اور مجھے خطرناک بچھو رکھنے کے جرم میں عمر قید کی سزا ہو گئی حالانکہ میرے پاس لائسنس تھا پرندوں جانوروں کی خرید و فروخت کا مگر کوئی کرتبی کام نہ آسکا۔ میں نے بچھو جان بوجھ کو تو نہیں بھیجا تھا امین خان پر، وہ تو اس کی بے احتیاطی اور اس کی تقدیر تھی۔ ورنہ میں بھی تو کئی دنوں سے خوفناک موت کو دن رات ساتھ لیے پھرتا آرہا تھا۔ آپ تک یہ رسائی شائد میرے کچھ کام آسکے بتا کر امتیاز بلوچ خاموش ہو گیا۔"

☆☆.....☆☆

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ماہنامہ دوشیزہ کراچی ڈائجسٹ میں اشتہار کیوں دیا جائے؟

- ..... پاکستان کا یہ واحد رسالہ ہے، جس کا گزشتہ چالیس برس سے چار نسلیں مسلسل مطالعہ کر رہی ہیں۔
- ..... اِس لیے کہ جریدے میں شائع ہونے والے اشتہارات پر قارئین بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔
- ..... اِس میں غیر معیاری اشتہار شائع نہیں کیے جاتے۔
- ..... پوری دنیا میں پھیلے اِس کے لاکھوں قارئین متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، جو مستند اور معیاری مصنوعات کی خریداری کو ترجیح دیتے ہیں۔
- ..... اِس لیے کہ دوشیزہ ڈائجسٹ کو گھر کا ہر فرد یکساں دلچسپی سے پڑھتا ہے۔
- ..... جریدے کے ہر شمارے کو قارئین سنبھال کر رکھتے ہیں۔
- ..... اِس جریدے کے بڑی تعداد میں مستقل خریدار ہیں، جو اندرون اور بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔
- ..... آپ کی مصنوعات کے اشتہار با کفایت اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔
- ..... جریدے کی اعلیٰ معیار کی چھپائی آپ کے اشتہار کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

شعبہ اشتہارات: ماہنامہ دوشیزہ کراچی

110 آدم آرکیڈ، شہید ملت روڈ، بہادر شاہ ظفر روڈ۔ کراچی

فون نمبرز: 021-34934369 - 34930470

سچی کہانی بذریعہ ای میل

پچھتاوہ

ذیان اب ہانیہ کی اداسی دور کرنے کے لیے ایسے کام کرتا جس سے وہ خوش ہوتی اور اس کی خوشی دیکھ کر ذیان کو لگتا کہ اس کا باپ بھی خوش ہو رہا ہوگا۔ ذیان اب آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا، پہلے جس نے کبھی اللہ کے آگے دوسروں کے ڈر کے علاوہ کبھی سجدہ نہیں کیا تھا وہ آج.....

انوشا راشد

سردیوں کی ٹھنڈی دوپہر تھی۔ احمد مینشن کے باہر گاڑیوں کا اژدھام تھا۔ وہ گھر کے باہر ٹیکسی سے اترا اور گھر کے باہر تناؤ اور قنات لگی دیکھ کر گھبرا گیا۔ فوری طور پر وہ اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا کہ اسے اچانک کراچی بلوانے اور گھر کے باہر اتنا رش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ گیٹ کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور سامنے صحن میں لٹی میت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے گھر میں تو ایسا کوئی نہ تھا جس کی اتنی طبیعت خراب ہو۔ اسی لمحے ہانیہ آ کر اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ہانیہ کو روتا دیکھ کر اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ ان کو پیچھے کر کے وہ میت کی طرف بڑھا۔ میت کا چہرہ دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہ روتے روتے بولا۔

”بابا آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے، بابا مجھ سے ناراض ہیں نا پلیز مجھے معاف کر دیں“۔ وہ روئے جا رہا تھا اور باپ کی لعش سے معافی مانگے جا رہا تھا، اُسے ایسی ٹھوکر لگی تھی جس نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

تدفین کے بعد قبرستان سے واپسی کے بعد کب شام اور رات ہوئی اُسے پتا ہی نہیں چلا تھا، رات گئے اُس نے پہلی منزل پر واقع اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا تو تایا کے بڑے بیٹے دانیال بھائی نے پیچھے سے آواز دی۔ وہ پیچھے مڑا۔

”چاچو کو بزنس کی طرف سے بہت پریشانی تھی، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ موت دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے ہوئی اور ہمارا یہی خیال ہے کہ بزنس میں پریشانی ہی دل کے دورے کی وجہ بنی ہوگی“۔ دانیال بھائی اُس کو بتاتے جا رہے تھے اور وہ ان کو بغور سن رہا تھا۔

”ارحم اور ہانیہ تم سے چھوٹے ہیں تمہیں ہی ان کا خیال رکھنا ہوگا۔ تمہارے اب کتنے سیمسٹر رہ گئے ہیں؟“۔ دانیال بھائی ارحم اور ہانیہ کے لیے فکرمند ہوتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

''میرا یہ آخری سیمسٹر تھا' امتحان ختم ہو چکے ہیں بس اسائنمنٹس جمع کرانے رہ گئے ہیں پھر میں مستقل طور پر یہیں رہوں گا۔ ارحم اور ہانیہ کی آپ فکر نہ کریں وہ دونوں سمجھدار ہیں اور میں بھی ان کا خیال رکھوں گا''۔

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس نے لائٹ جلائے بغیر کرسی گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس رکھی اور اس پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے باہر بھی تاریکی تھی صرف چاند چمک رہا تھا۔

اورنگزیب احمد کے گھر ذیان احمد کی پیدائش ہوئی۔ اورنگزیب احمد متوسط طبقے کے نوکری کرنے والے آدمی تھے۔ گھر کا خرچ تو چل ہی جاتا تھا لیکن بچوں کو سرکاری اسکول کے علاوہ کہیں پڑھا نہ سکتے تھے۔ پڑھائی کی طرف کچھ خاص رجحان نہ تھا۔ گھر سے دفتر اور دفتر سے واپس آ کر کھانا کر دوستوں کے ساتھ بیٹھنا ان کا معمول تھا۔ ان کی بیگم ثروت بھی متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے نو بہن بھائی تھے جن میں یہ صرف دو بہنوں سے بڑی تھیں۔ ثروت کی پڑھائی کافی کم تھی البتہ گھر داری ہی ماں نے سکھائی تھی۔ شادی کے بعد سسرال کو اچھے سے سنبھالا۔ شادی کے ایک سال بعد ذیان احمد پیدا ہوا۔ دادا، دادی، تایا، تائی اور ان کے تینوں بچے ذیان پر جان چھڑکتے تھے۔ ذیان کے تایا قاسم احمد ایک اصول پسند انسان تھے۔ پیشے سے میڈیکل ٹیکنالوجسٹ تھے۔ پڑھائی تو ان کی بھی زیادہ نہ تھی لیکن اپنی محنت اور حالات بدلنے کی لگن کی وجہ سے آج اس مقام پر تھے۔ اسکول ختم ہونے کے بعد کارخانے پہ بیٹھنے کے بجائے

انہوں نے اپنے ماموں سے صلاح لے کر میڈیکل کے ڈپلومہ کیے اور لیبارٹری میں نوکری شروع کر دی۔ شادی کے پانچ چھ سال بعد تبلیغ میں آ گئے تھے۔ سر پہ ٹوپی رہنے لگی تھی اور داڑھی بھی بڑھالی تھی اور ہمیشہ کرتا شلوار میں ملبوس رہتے تھے۔ اپنے بچوں کو بھی او لیول اسکول میں پڑھا رہے تھے۔ ان کی زوجہ فاطمہ قاسم احمد ایک با وقار خاتون تھیں۔ پڑھائی تو ان کی بھی زیادہ نہ تھی لیکن شروع سے ہی اسپتالوں میں نوکری کر کے کافی تجربہ اور اعتماد آ گیا تھا۔ فاطمہ کافی ماڈرن اور کھلے خیالات کی مالک تھیں۔ لیکن شادی کے بعد جب شوہر تبلیغ میں آئے تو انہوں نے بھی آہستہ آہستہ خود کو اسی ماحول کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ شادی کے بعد نوکری اور سسرال دونوں کو بہت اچھے سے سنبھالا۔ ساس ذرا لڑاکا تھیں لیکن فاطمہ نے ان کو بھی میٹھا بولنا سکھا دیا۔ مزاج کی شوخ و چنچل تھیں خاندان کے سب بڑے بوڑھوں کی آنکھ کا تارا تھی۔ سسرال کا نقشہ سدھار اسب کو رہنے کا طور طریقہ سکھایا نند کی بھی اچھی جگہ شادی کرائی۔ ان کے تین بچے تھے دو بڑی بیٹیاں حیا اور مائرہ اور ایک بیٹا دانیال۔ بچے ذہین تھے اور او لیول اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ بچوں کی ایسی تربیت کی تھی کہ خاندان کا ہر فرد داد دیتا تھا اور ان کے تیز دار بچوں پہ رشک کرتا تھا۔

جس علاقے میں یہ لوگ رہتے تھے وہ پہلے تو بہت اچھا تھا لیکن آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ گلی میں لڑکے گالم گلوچ کرتے پھرتے تھے۔ فاطمہ کو اپنے بچوں کو ایسے ماحول میں پالنا گوارہ نہ تھا لیکن گھر بدلنے کی بات ساس سسر کا بگڑ جانا کچھ کرنے نہ دیتا تھا۔ ساس سسر بھی۔

''جب ہم مر جائیں گے نا تب ہی جائیں گے اس گھر سے۔'' فاطمہ اپنے بچوں کو اسکول کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتی تھی۔ بچے تھوڑا اور بڑے ہوئے تو فاطمہ اور قاسم کو بچوں کے اچھے ماحول کی خاطر گھر الگ کرنا پڑا۔ ذیان تین سال کا ہوا تو اس کا چھوٹا بھائی ارحم پیدا ہوا۔ ذیان کی ماں ثروت ہر وقت گھر کے کاموں میں لگی رہتی بچوں کی تربیت پر زیادہ توجہ نہ دیتی۔ بچے دن بھر چپس پاپڑ کھاتے رہتے، پھل سبزیوں سے تو جیسے ان کا دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ ذیان کو سب سے زیادہ لاڈ اس کے باپ نے کیا تھا۔ باپ روز رات کو کام سے واپس آنے کے بعد ذیان اور ارحم کو باہر ٹہلانے لے کر جاتا۔ آہستہ آہستہ بچوں کو باہر جانے کی عادت ہو گئی اور جس دن اورنگزیب تھکا ہوا آتا اور باہر جانے کی ہمت نہ ہوتی تب بھی بچوں کے ضد کرنے کی وجہ سے ان کو لے جانا پڑتا۔ ثروت کے بچے فاطمہ کے بچوں سے بالکل مختلف تھے، ذیان اور ارحم پورا دن چبوترے پہ بیٹھے رہتے اور ماں سے بات بات پہ ضد کرتے رہتے اور ثروت ان کو دن بھر ڈانٹتی مارتی رہتی جس کی وجہ سے بچے اور ڈھیٹ ہو گئے تھے۔ ایک قاری صاحب بھی ذیان کو قرآن پاک پڑھانے آتے تھے لیکن ان کے جانے کے بعد کوئی اس سے نہ پوچھتا کہ قاری صاحب کیا پڑھا کر گئے ہیں۔ ذیان اسکول اور ٹیوشن بھی جاتا تھا لیکن اس کے ماں باپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا پڑھتا ہے اور کیسا پڑھتا ہے۔ ذیان کی اسکول سے بھی شکایتیں آتیں لیکن ثروت ان کو سنجیدگی سے نہ لیتی۔ ایک سال بعد ذیان اور ارحم کی بہن ہانیہ پیدا ہوئی۔ ذیان، ارحم اور دادا دادی کو کھیلنے کے لیے ایک گڑیا مل گئی تھی اور ثروت اب اور بھی مصروف رہنے لگی تھی۔

http://www.books.urdutube.net/

ان کو ذیان کے معاملے میں سنجیدگی کا احساس تب ہوا جب ذیان کا دوسری جماعت کا نتیجہ آیا اور اس میں وہ بری طرح فیل ہوا تھا۔ ماں باپ اور دادا دادی خوب پریشان ہوئے۔ ذیان تباہ کاریوں اور مار پیٹ والے کارٹون دیکھنے کا بہت شوقین تھا جس کی وجہ سے اس کا دماغ پڑھائی کے لیے بند ہو چکا تھا۔ ان دنوں اورنگزیب کے معاشی حالات کچھ ٹھیک نہ تھے۔ ان کو فیکٹری کے بہت سے ورکر کے ساتھ نکالا گیا تھا اور انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر نیا کاروبار شروع کیا تھا۔ اورنگزیب نے ذیان کا معاملہ قاسم کو بتایا۔ قاسم غصے کے ذرا تیز تھے اور ان کے غصے سے ذیان سمیت سب ڈرتے تھے۔ قاسم نے اس مسئلے پر مشورہ دیا کہ میں ذیان کو اپنے گھر لے جاؤں گا اور جب تک یہ تمیز نہ سیکھ لے، پڑھائی نہ کرنے لگے، قرآن نہ مکمل نہ کرلے تب تک وہ میرے گھر پر ہی رہے گا۔ ایسا کرنے کے لیے اورنگزیب کو دل پر پتھر رکھنا پڑتا اور ذیان کے لیے بھی یہ آسان نہ تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا حل نہ تھا۔ قاسم ذیان کو اپنے گھر لے آیا، ایک اسلامک اسکول میں اس کا داخلہ کروایا، جس مدرسہ سے دانیال حفظ کر رہا تھا اس میں ذیان کو ناظرہ کے لیے لگا دیا۔ حیا، مائرہ اور فاطمہ دن بھر اسے پڑھاتے رہتے لیکن مجال ہے جو وہ کچھ پڑھ لیتا۔ پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اس میں کچھ سدھار نظر آنے لگا۔ وہ تایا کے گھر تو ان کے گھر کے اصولوں کے مطابق رہتا لیکن جب چھٹیوں میں اپنے گھر رکنے جاتا تو پھر وہی حرکتیں شروع کر دیتا اور پھر اس کی ماں تایا کو فون کر کے کہتیں کہ یہ بہت تنگ کر رہا ہے اس کو واپس لے جائیں اور ماں کا یہ رویہ دیکھ کر وہ ماں سے بدگمان

ساون

ساون میرے پیار کا موسم
پیار میں قول قرار کا موسم

محبت، الفت اور وفائیں
چاہتوں کے اظہار کا موسم

بادل، بارش، توس قزاح
رنگوں بھری بہار کا موسم

ہریالی چھائی پھل پھولوں پہ
ہر شے کے نکھار کا موسم

ہر سو چھائی ہے رقص بہاراں
موسموں میں سردار کا موسم

پیڑوں نے ہے تازگی پائی
ملن میں جی دار کا موسم

مدتوں بعد جو ہوئے مقابل
سبھی کے کردار کا موسم

دکھ میں بیتے لمحے جو بھی
یہ ہے سکھ تہوار کا موسم

پرچہ پڑھنے والو مبارک
حسن جیسے غم خوار کا موسم

شاعر: ایم حسن نظامی

ہونے لگا تھا۔

اب ذیان تیرہ سال کا ہو گیا تھا تائی کا اس سے بھی پردہ تھا۔ پڑھائی بھی کرنے لگا تھا اور قرآن پاک بھی مکمل کر لیا تھا تو تایا نے سوچا کہ اب اسے واپس اس کے گھر بھیج دیا جائے۔ ذیان اپنے گھر واپس چلا گیا وہیں کے اسکول سے باقی پڑھائی مکمل کی۔ اتنے عرصے تایا کے ہاں رہنے کے باوجود اپنے گھر واپس آنے کے بعد وہ پھر وہی بدتمیزی کرنے لگا تھا، رات دیر تک گھر سے باہر رہتا، ہر بات پر ضد کرتا۔ اورنگزیب اس کی حرکتوں اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اور پریشان رہنے لگے تھے۔ جیسے تیسے کالج ختم ہوا تو اس کا داخلہ کراچی کے بجائے اسلام آباد کی یونیورسٹی کے ایم۔ بی۔ اے میں کرا دیا تاکہ گھر سے دور رہے اور گھر میں سکون ہو۔ اورنگزیب کو بزنس میں ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کی ضرورت تھی لیکن ذیان کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس سے کوئی امید نہ تھی۔ ذیان کو ہمیشہ اپنے باپ اور چھوٹی بہن کی یاد آتی تھی، یونیورسٹی میں بھی سوچتا تھا کہ اب پڑھائی ختم ہونے کے بعد آخر کار گھر والوں کے ساتھ رہے گا۔ لیکن اس کو کیا پتہ تھا کہ قسمت اس کو یہ موقع نہیں دے گی۔

ذیان کے ماں باپ، دادا اور دادی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ذیان اپنی پھوپھی کی بیٹی فریحہ کو پسند کرتا تھا۔ ان کا گھر کافی مذہبی تھا۔ فریحہ ایک سیدھی سادی لڑکی تھی اور اس کے ماں باپ کے خیالات سے بھی ذیان اچھی طرح واقف تھا اسے پتہ تھا کہ اس کی پسندیدگی کا آگے کوئی مستقبل نہیں ہے کیونکہ جب تک جس طرح ذیان رہا ہے اس کی پھوپھی کبھی دیکھی بھی نہیں نکلیں گی اور اس وجہ سے یہ کسی کو نہیں بتائی تھی سوائے اپنی بہن ہانیہ کے۔

''ذیان بھائی آپ اس قابل بن جائیں تو کوئی بھی آپ کو اپنی بیٹی دے دے گا اور پھوپو پھوپا تو ویسے بھی آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں وہ کیوں آپ کو منع کریں گے۔'' یہ ہانیہ نے اس سے تب کہا تھا جب ذیان نے پہلی بار اسے اپنی فریحہ میں دلچسپی کے بارے میں بتایا تھا اور ذیان کو پہلی بار لگا تھا کہ اس دنیا میں کوئی ہے جو اس سے اچھی امید بھی رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن ذیان کو خود پر بھروسہ نہیں تھا اور اپنے دل کی اس خواہش کو دبانے کی کوشش کرتا تھا۔

آخری سیمسٹر کے امتحان ہو چکے تھے جب ایک دن اچانک ذیان کو یونیورسٹی میں قاسم احمد کا فون آیا جس پر وہ اسے فوری طور پر کراچی آنے کا کہہ رہے تھے۔ اسے اس وقت تو اس فون کال کی وجہ سمجھ نہ آئی لیکن وہاں پہنچ کر اس کے سامنے جو وجہ آئی وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی تاریکی تھی۔ لیکن کون جانتا تھا کہ تاریکی ہی انسان کو روشنی ڈھونڈنے پر مجبور کرتی ہے۔ ذیان نے اپنی اب تک کی زندگی کا حاصل وصول سوچا اور پھر جب آگے کچھ نہ بچا تو اپنی آنکھیں پونچھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا باپ اسے یوں چھوڑ کر چلا جائے گا بغیر کوئی شکوہ کیے بغیر کوئی دعا دیے۔

ذیان اب ہانیہ کی اداسی دور کرنے کے لیے ایسے کام کرتا جس سے وہ خوش ہوتی اور اس کی خوشی دیکھ کر ذیان کو لگتا کہ اس کا باپ بھی خوش ہو رہا ہوگا۔ ذیان اب آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا، پہلے جس نے کبھی اللہ کے آگے دوسروں کے ڈر کے علاوہ کبھی سجدہ نہیں کیا تھا وہ آج گھنٹوں جائے نماز پہ گزار دیتا تھا اور اس کی وجہ وہ سکون تھا جو اسے اللہ کی قربت میں حاصل ہوتا تھا۔ باپ کا بزنس بھی تایا اور دانیال بھائی کی مدد سے ذیان اور ارحم نے سنبھال لیا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تھا۔ باپ کی موت کو آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ شام کا وقت تھا جب شازیہ پھوپو امجد پھوپا کے ساتھ گھر آئیں ہوئی تھیں۔

حال احوال کے بعد شازیہ ارحم سے مخاطب ہوئی۔

''چلو بھئی ارحم جا کر ذیان کو بلا لاؤ آج ہم یہاں بہت ضروری کام سے آئیں ہیں۔'' یہ سن کر ہانیہ کے چہرے پہ ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی۔

''بیٹا ذیان ہم تمہیں ایک بڑی ذمہ داری سونپنے والے ہیں تو سوچا تمہیں چند دن پہلے اطلاع کر دیں۔'' پھوپو کے ان الفاظ سے ذیان کے چہرے پہ کچھ پریشانی ابھری۔

''جی کیا مطلب؟'' ذیان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''بھئی تم اب ماشااللہ کافی بڑے ہو گئے ہو، پڑھائی بھی مکمل کر لی ہے اور کام دھندا بھی کرنے لگے ہو تو شادی بھی تو کرنی ہے نا۔'' پھوپو کے اس جواب پر ذیان کے تاثرات سے مزید پریشانی جھلکنے لگی۔

''پھوپو شادی کس سے؟۔۔! مطلب ابھی کیوں۔۔۔؟'' اس کی گھبراہٹ سوالات کی شکل میں نکلنے لگی۔

''ابھی کیوں کا کیا مطلب ہے۔۔۔ چھبیس سال کے ہو گئے ہو اب کیا بڑھاپے میں شادی کرو گے اور جہاں تک کس سے کرنی ہے کا سوال ہے تو یہ پہلی بار ہو گا کہ لڑکی کے ماں باپ لڑکے کو ڈائریکٹ اطلاع دینے آئیں ہیں۔'' پھوپو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''جی میں کچھ سمجھا نہیں۔۔۔؟'' ذیان اب بھی پریشان تھا۔

''بیٹا تمہارے والدین تو اب اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے جانے کے بعد یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تمہاری خوشیوں کے بارے میں سوچیں، ہم تم سے فریحہ کی بات کر رہے ہیں۔'' پھوپو نے سنجیدگی سے کہا۔ ذیان کی تو اب خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی آج اسے وہ ملنے جا رہا تھا جس کی اس نے صرف خواہش ہی کی تھی کبھی اللہ سے مانگا بھی نہ تھا۔ وہ تو خود کو فریحہ جیسی نیک اور پاک صفت لڑکی سے شادی کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا لیکن آج اسے احساس ہوا تھا کہ اللہ واقعی دلوں کے حال سے واقف ہے۔ دوسرے دن ہانیہ اس کے بستر پر مزے سے آ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

''چلیں بھائی اب مجھے ٹریٹ دیں میں نے آپ کا اتنا بڑا کام کروا دیا ہے۔''

''میرا کون سا کام کروایا ہے تم نے۔۔؟'' ذیان ہانیہ کی بات نہیں سمجھ پایا۔

''ارے۔۔۔ افریحہ باجی کا رشتہ کیا خود چل آیا ہے آپ کے پاس؟۔۔۔ میں نے ہی تو پھوپو کو آئیڈیا دیا تھا اس رشتے کا۔'' ہانیہ نے جواب دیا۔

''اوہ.....! تو پھوپو کو تم نے بتایا تھا..... میں یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک ان کے دماغ میں یہ خیال کیسے آ گیا۔ میں تمہیں ٹریٹ دے دوں گا اب تم جاؤ میں ذرا کام کر رہا ہوں۔'' ذیان نے اس کو بھیج دیا۔

آج وہ بہت خوش تھا اب اس کے پاس سب کچھ تھا اپنا بزنس، پسند کی شادی، پیسہ، پیار کرنے والے بہن بھائی۔ لیکن آج بھی اسے اپنے باپ کی بہت یاد آتی تھی اور وہ سوچتا کہ کاش ہم بچے ماں باپ کی زندگی میں ہی اُن کی قدر کرنا سیکھ لیں۔ ورنہ بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆☆.....☆☆

اب CSS ایک حقیقت

1) والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد اُن کا نام روشن کرے مگر فی زمانہ اکثر والدین اپنی خواہش کو بس اپنے دل میں ہی دبا کر رکھ لیتے ہیں۔

2) مشہور تعلیمی اداروں اور ان سے جڑے اساتذہ کی بھاری بھرکم فیس عام والدین کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔

3) ایسے میں ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ہم آپ کی اولاد کو آپ کے لیے باعث فخر بنائیں گے۔

4) علم کی دنیا میں CSS ایک خواب۔

5) اس خواب کی حقیقی تعبیر کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

6) انتہائی قابل ٹیچرز سے گھر بیٹھے اپنی لاڈلی بیٹی یا ہونہار سپوت کو CSS فل تیاری کرائیں۔

7) CSS میں آپ کی کامیابی کو ہم یقینی بنائیں گے۔

ابطہ کیجیے
www.facebook.com/srasheedkhan

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بوے والا سے ایک ہلکی پھلکی تحریر

اتنی سی بات

''باؤجی! ذرا خود سوچئے، معاملہ اگر تھانے کچہری تک چلا جاتا تو کیا انا اور عزتِ نفس خاک میں نہ ملتی؟ کیا تھانے میں شریف لوگوں کی عزتِ نفس کو تار تار نہیں کیا جاتا۔ میں نے چند لمحوں کے لیے اپنے جذبات کو دبا دیا اور ایک لمبی پریشانی سے خود کو اور میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی.....

رانا محمد شاہد

ہماری بس ٹھوکر نیاز بیگ سے ریلوے اسٹیشن کی جانب رواں دواں تھی۔ مجھے ابو کی پنشن بک میں ترمیم کروانی تھی۔ ابو محکمہ ریلوے سے ریٹائرڈ تھے۔ میں چاہتا تھا کہ ابو کی پنشن میں اضافہ ہوجائے تاکہ گھر کے اخراجات باآسانی ادا ہوسکیں۔

اور وہاں ابو کے ایک دوست بھی رہائش پذیر تھے جن سے مجھے جاب کے سلسلے میں ملنا تھا۔

تین بہنوں کے بعد میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چھوٹا ہونے کے باوجود بھی مجھ پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ ابو کی آمدنی میں سفید پوشی سے گزارا ہو رہا تھا۔ اسی سفید پوشی میں اماں ابا نے ہم چاروں کو اچھی تعلیم دلوائی اور دو بہنوں کی شادی بھی کردی۔

اب ابو کے ریٹائرڈمنٹ کے بعد میرا فرض تھا کہ میں اس سفید پوشی کو قائم رکھنے کے ساتھ اسے بہتر بناتا۔ سرکاری یونیورسٹی میں بی بی اے کی پڑھائی کرتے وقت تو یہ کام آسان لگ رہا تھا مگر پڑھائی کے بعد جب پریکٹیکل زندگی میں قدم رکھا تو اصل امتحان کا اندازہ ہوا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں نے نکھٹو بیٹوں کی طرح ساری عمر باپ کے پیسوں پر گزارا کیا تھا۔ میں نے میٹرک کے بعد سے گھر کے صحن میں ہی ایک چھوٹا سا ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا اور اسے بہتر طریقے سے چلا رہا تھا۔ اس سے میرا خرچہ بہ آسانی پورا ہو جاتا تھا مگر اب بات اپنی نہیں تھی۔ سارے گھر کے خرچوں کی ذمہ داری تھی۔

پریکٹیکل زندگی میں سب سے بڑا مسئلہ جاب ملنے کا تھا اور اس سے بڑا مسئلہ ان امیدوں کا تھا جو میرے گھر والوں کو بیٹا ہونے کے ناطے مجھ سے تھیں۔

بہت جگہ اپلائی کرنے کے باوجود بھی کہیں بات نہ بنی۔ کیوں کہ اب اہمیت تعلیم کی کہاں تھی، اہمیت تو اس ٹگڑی سفارش کی تھی جو جاب کا امیدوار اپنے ساتھ لاتا تھا۔ ابو کے دوست کے کہنے پر میں اللہ سے اچھی امید لگائے اپنے شہر

سے نکل پڑا۔

میں اپنے ذہن میں اپنی زندگی کے ماہ و سال کے بارے میں سوچتا بس سے باہر کے مناظر کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک بس ایک زوردار جھٹکے سے رکی گئی۔ چونکہ میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اس لیے جھٹکا لگنے سے میرا چہرہ اگلی نشست سے جا لگا۔ ناک پر اچھی خاصی ضرب محسوس ہوئی۔ تاہم کوئی اندرونی چوٹ نہ آئی۔

اس دوران سب مسافر چہ مگوئیاں کرنے لگے

''کیا ہوا ہے۔''

''پتہ نہیں!''

''پوچھو آگے والوں سے.....''

''ارے روک کیوں دی۔'' مختلف آوازیں گونجیں۔

''آج کل بس ڈکیتی کی واردات بھی تو اتنی عام ہے۔ ویرانے میں بس کو روک کر سارے مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔'' ایک بڑے میاں نے اخبار کی ہیڈ لائن پڑھنے کے انداز میں یہ اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

انکی یہ بات سن کر میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ میں زیادہ پیسے تو نہیں لایا تھا ساتھ مگر پھر بھی تھوڑی رقم بھی میرے لیے معنی رکھتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ پیچھے سے آنے والی ایک بس نے تیز رفتاری کے باعث ٹکر ماردی۔

میری سانسیں بحال ہوئیں۔

دونوں بسوں کے ڈرائیور نیچے اتر چکے تھے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اور اپنی اپنی بسوں کی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔

مسافر بھی یہ سب دیکھنے کے لیے ایک ایک کر کے نیچے اترے، میں بھی ان کے ساتھ اتر آیا۔

صورت حال اتنی خاص نہ تھی مگر خاص اور مشکل اس وقت بنی جب دوسری بس کے ڈرائیور نے ہمارے بس کے ڈرائیور کو نہ صرف بُرا بھلا کہا بلکہ باقاعدہ گالیاں بھی دینا شروع کر دیں۔ حالانکہ غلطی بھی اس کی تھی کیونکہ اس نے تیز رفتاری سے آگے نکلنے کے شوق میں ہماری بس کو ٹکر ماردی تھی۔ میں اس بات پہ حیران تھا کہ ہمارا ڈرائیور کا رویہ حیرت انگیز طور پر نرم تھا۔ معاملہ جب مزید بگڑا تو ہمارا ڈرائیور بولا۔

''بھائی جی .....اگر میری غلطی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔''

ہماری بس ڈرائیور کے اس محتاط رویے پر سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ اسے ڈرائیور کی ''بزدلی'' تک قرار دے رہے تھے کہ غلطی بھی دوسرے ڈرائیور کی ہے، نقصان بھی اپنی گاڑی کا ہوا ہے پھر بھی معافی مانگ رہا ہے۔

''چلیں بھائی صاحب! بات مزید بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ میں معافی مانگ کر معاملہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ ہماری بس کے ڈرائیور نے دوبارہ کہا تو دوسرے ڈرائیور کا بھی غصہ بھی جاتا رہا۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ رعونت کے ساتھ مڑا اور اپنی بس میں بیٹھ کر اسے آگے بڑھا دیا۔ پھر ہماری بس کا ڈرائیور بھی اپنی نشست پر آن بیٹھا اور بس چلادی۔

میری طرح بس کے تقریباً تمام مسافر بس ڈرائیور کی بزدلی پر حیرت زدہ تھے۔

''عجیب شخص ہے۔ نقصان بھی اپنا ہوا اور خود ہی آگے بڑھ کر معافی مانگ لی۔'' ایک نوجوان کا خون کھول رہا تھا

خیر جب بس اپنی منزل یعنی ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔ تو سب مسافر اترنے لگے۔ میں اپنی نشست پر بیٹھا رہا۔ جب ایک ایک کر کے سارے مسافر بس سے اتر گئے تو میں پچھلی نشست سے اٹھ کر ڈرائیور کے پاس چلا آیا۔

''جناب ایک بات تو بتایئے۔ غلطی بھی دوسرے ڈرائیور کی تھی۔ پھر اس کا بس سے نکل کر اونچا بولنا اور گالیاں دینا۔ نقصان بھی آپ کی بس کا ہوا۔ ہر معاملے میں زیادتی وہ کر رہا تھا۔ پھر بھی آپ نے خاموشی اختیار کیے رکھی اور پھر معافی۔'' میں اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

''اگر آپ اس کے دو چار لگا دیتے تو۔۔ بس کے تمام مسافر بھی آپ کے ساتھ تھے۔'' میں اس الجھن سے نکلنا چاہتا تھا کہ آخر ڈرائیور کی اس ''بزدلی'' کا راز کیا تھا۔

''باؤ جی آپ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں اور دوسرا آپ نوجوان ہیں۔ یقیناً آپ کی طرح بس میں بیٹھے دوسرے نوجوانوں کا بھی اس بات پر خون کھول رہا ہوگا۔ لیکن میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ اگر میں وہ سب کچھ کر لیتا جو آپ جیسے بہت سے نوجوان چاہتے ہیں تو اس میں آخر فائدہ کیا تھا؟'' ڈرائیور نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

''جناب جب غلطی دوسرے کی ہو، نقصان بھی آپ کا ہوا ہو۔ تو معافی مانگنے کا کیا مطلب ۔۔ بندے کی عزتِ نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''عزتِ نفس۔۔۔؟'' ڈرائیور نے لفظ چبا چبا کر بولا۔

''باؤ جی اس عزتِ نفس اور انا کے لیے میں

دنیا میں کس جگہ
سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے، دیکھتے، محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں۔ "سچی کہانیاں" کے قارئین، وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، اعترافات، جرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پرل پبلی کیشنز : 88-C-II فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔
فیز-7، کراچی فون نمبر: 021-35893121-35893122
ای میل : pearlpublications@hotmail.com

http://www.booksurdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اس ڈرائیور سے بدتمیزی سے پیش آتا تو جھگڑا مزید بڑھ جاتا۔اس کا لڑنے کا ارادہ تھا۔میرا نہیں۔ اگر میں بھی ایسا ہی کرتا تو جھگڑا بڑھتا 'مار پیٹ میں اور لوگ بھی شامل ہوجاتے کیونکہ جیسا کہ آپ نے کہا آپ لوگ بھی میرا ساتھ دیتے۔۔بات بڑھ جاتی۔ پولیس آجاتی ،سڑک بند ہوجاتی۔

کسی کا ہاتھ ٹوٹتا اور کسی کا سر.....مختصر یہ کہ لڑائی بڑھنے سے پریشانیاں بھی بڑھتیں اور یہ پریشانیاں بھی لمبے عرصے لے لیے ہوتیں۔میں نے خاموشی اختیار کرکے اور معافی مانگ کر یا آپ کے الفاظ میں اپنی انا اور عزتِ نفس کو روند کر جھگڑا اسی وقت ختم کردیا۔''

میں ڈرائیور کی اس دور اندیشی پر حیران تھا اور مجھے اپنے جذبات پر شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔میری خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔

''باؤجی! ذرا خود سوچیے ،معاملہ اگر تھانے کچہری تک چلا جاتا تو کیا انا اور عزتِ نفس خاک میں نہ ملتی؟ کیا تھانے میں شریف لوگوں کی عزتِ نفس کو تار تار نہیں کیا جاتا۔میں نے چند لمحوں کے لیے اپنے جذبات کو دبا دیا اور ایک لمبی پریشانی سے خود کو اور میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی بچالیا۔''

''جی بھائی صاحب! آپ کی باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔میں ساری باتیں جذبات کی رو میں کہا گیا تھا۔آپ نے واقعی لمحوں کی انا روند کر بہت سے لوگوں کو پریشانی سے بچالیا۔'' ڈرائیور نے میری تائید پر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور باؤجی آپ خود سوچیں اگر یہ معاملہ مزید بڑھتا تو صرف میرے یا آپ کے لیے پریشانی نہ تھی۔ہمارے گھر والے بھی الگ سے

غزل

رفتہ رفتہ وقت سے مجبور ہوتا گیا
بہت پیار تھا تجھ سے اور تجھ سے ہی دور ہوتا گیا
میں نے التجا کی وقت نہیں گزرتا تیرے بن
یہ سن کر تو بھی مغرور ہوتا گیا
کسی کی جدائی کو برداشت نہ کرپایا
میں بھی دل و دماغ سے لاشعور ہوتا گیا
تیری آنکھوں میں نہ جانے کیسا ہنر تھا
جو میں پوری محفل میں مسرور ہوتا گیا
یہ کیسی محبت کے مقدر کا کھیل ہے
میں بے وفا اور وہ بے قصور ہوتا گیا

یاسر وکی اڈہ۔اوکاڑہ

پریشان ہوتے۔آپ دیکھیں روزانہ کتنے ہی نوجوان جذبات میں آکر کیا کچھ نہیں کرگزرتے اور پھر آنے والا عذاب یا پریشانیاں کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والوں کا بھی مقروض ہوجاتا۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وقتی طور پر اگر آپ اپنے جذبات پر قابو پالیں تو آنے والی بہت سی پریشانیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بس یہی سوچ میں نے ایسا کیا۔جسے آپ اپنی آپ جیسے بہت نوجوان بزدلی کا نام دے رہے ہیں۔''

میں اٹھا، ڈرائیور سے ہاتھ ملایا اور تیزی سے بس سے اتر گیا کیونکہ ڈرائیور کی اتنی سمجھداری کے بعد اور میری احمقانہ تبصرے کے بعد میرے اندر ڈرائیور کا مزید سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

☆☆.....☆☆

کال گرل

رانی بھی بچوں کی بھوک کے آگے ہار گئی تھی

انیلا احمید

ہر جاندار کی اپنی فطرت ہوتی ہے سانپ کا ہے ڈسنا اور شیر کا پھاڑ کھانا، مگر ممتا کا جذبہ غالب آجائے تو انسان ہو یا حیوان سب کی بدل جاتی ہے ہم جس دور میں سانس رہے ہیں۔یہاں سسکتی، نوحہ کناں ہمارے ارد گرد منڈلاتی معاشرے کی کارونا روتی نظر آتی ہیں۔لیکن افسوس، در ؟ ہماری قوم ہمیشہ چٹ پٹی محبت سے خوابوں خیالوں کی دنیا میں کسی ہیرو یا کے جذبات سے مزین کہانیوں کو ہی نظر آتی ہیں.....شاید! انہیں سچ سننا

ستھری ہموار سڑک پہ قیمتی، آرام ماڈل کی گاڑی سبک روی سے اپنا سفر رہی تھی، باہر جون کا تپتا سورج زمین اور باسیوں کو قیامت کی گرمی یاد دلا گاڑی کے اندر کا ماحول بہترین فر کی بدولت باہر کے موسم سے بالکل الگ تھا، پرسکون اور خنک.....

میں نے کلائی کی گھڑی پہ نگاہ ڈالی، بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے، باجی عاصمہ کے ہاں دوسرے بچے کی پیدائش پہ امی ایک ہفتہ پہلے ہی شیخوپورہ چلی گئیں تھیں۔انہیں وہاں گے اب تو دو ہفتے سے زیادہ ہو چکے تھے، اور اب مجھے انہیں لینے حیدر آباد سے شیخوپورہ جانا تھا۔امی کو میں فون پہ بتا چکا تھا کہ شام تلک پہنچ جاؤں گا، دوسری وجہ وہاں جانے کی یہ تھی کہ میرا دیرینہ بچپن کا دوست جمیل دنیا فانی سے رحلت کر چکا تھا، اسے ملکِ عدم سدھارے پانچ مہینے سے زائد ہو گئے تھے ،اگر امی شیخوپورہ نہ جاتیں تو ہمیں پتہ ہی نہ چلتا مجھے یہ خبر سن کر شدید دھچکا لگا۔

دل ماننے کو تیار نہ تھا کہ یہ سانحہ ہو چکا ہے۔کتنی دیر گومگو کیفیت میں بیٹھا رہا۔اس کے ساتھ گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح دماغ میں گھومتے رہے۔وہ مجھ سے چھ مہینے ہی تو بڑا تھا اور مرتے وقت اس کی عمر ستائیس برس بھی نہ ہوئی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تھی جونہی امی نے بتایا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ سیٹھ زکاء سے جانے کی بات کی تو انہوں نے اسی وقت جانے کی اجازت دے دی۔ نہ صرف اجازت! بلکہ گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا، برخوردار! امی کو ٹرین پہ لاؤ گے تو شوگر بلڈ پریشر سے طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ جب گھر میں گاڑی ہے تو لے جاؤ۔

ایک دو دن تک تو ویسے ہی واپس آنا ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرتا گھر آ گیا۔ تہمینہ سے کہا کہ کپڑے استری کر دے شیخوپورہ جانا ہے تاکہ امی کو لے آؤں۔ جی اچھا کہتی وہ کمرے میں چلی گئی۔ کھانا کھا کے ظہر کی نماز پڑھتے ہی میں شیخوپورے کے لیے روانہ ہو گیا معذرت کے ساتھ بتانا بھول گیا کہ میں ایک ڈرائیور ہوں۔ سیٹھ ذکاء کے ہاں تقریباً دو سال سے ملازم ہوں۔ ڈرائیوری کے ساتھ انہوں نے تین کمروں کا کوارٹر ہمیں دے رکھا ہے جس میں ماں کے ساتھ میری بڑی تہمینہ اور چھوٹی بہن ہنسی خوشی رہتے ہیں میرا کام بچوں کو اسکول چھوڑنا پھر لیکر آنا بیگم صاحبہ کو کہیں جانا ہو! تو وہ میری ذمہ داری ہوتی آج کل چھٹیاں ہیں۔ بچے زیادہ تر گھر پہ ہی رہتے شاید اسی وجہ سے صاحب کو گاڑی دینے میں کوئی قباحت نہ ہوئی جانتے تھے امی کو لینے جا رہا ہوں کل تک واپس آ جاؤں گا۔

پٹرول پمپ سے ٹینک مکمل بھروا لیا تاکہ راستے میں مشکل نہ ہو۔ مجھے اچھی طرح وہ دن یاد

حیدرآباد آنے سے پہلے جب میں جمیل سے میرے جانے پہ وہ بہت افسردہ دکھائی دیا لیکن میری مجبوری بھی وہ سمجھتا تھا کہ ہمارے ات کیا ہیں۔ جب ہم شیخوپورہ سے حیدرآباد ٹ ہوئے تو ٹرین کی ٹکٹوں کے سوا ہمارے پھوٹی کوڑی نہ تھی لیکن کہاوت ہے کہ جہاں دن نہ رہیں وہاں برے دن بھی نہیں رہتے۔ ری میں منشی کی نوکری کرتے ہر وقت دھڑکا ہی ہتا کہ کب جواب مل جائے فیکٹری کا مالک منگی بوڑھا تھا ہر وقت بات بات پہ لڑنا اس کا معمول تھا کوئی بھی لڑکا اس کے پاس چھ مہینے یادہ نہ ٹکتا اس لیے مجھے بھی ہمہ وقت خوف کب دھتکار دیا جاؤں۔ کوئی پاس سے بجاتا تیزی سے گزرا تو چونک کے خیالات نیا سے باہر آ گیا۔ گاڑی کو میں چلا نہیں بلکہ رہا تھا امی کے شام تک پہنچنے کا کہا تھا شاید لیے گاڑی کی رفتار معمول سے ہٹ کے تھی۔ تو میں ذکر کر رہا تھا کہ جمیل میرا لنگوٹیا یار یک ہی اسکول، ایک ہی سوچ، ایک جیسے ت، بہت کم نصیب والوں کو ملتے ہیں جہاں ہم اکٹھے ہی جاتے ایک پل بھی ایک سے جدا نہ ہوتے شاید اس کی یہ وجہ بھی ایک ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جمیل والد کا واحد سہارا تھا اور اکلوتا ہونے کی بناء شکور اسے بہت چاہتا، ماں اس کی بچپن ت ہو گئی تھی۔

اپنے بوڑھے دمے کے مریض باپ کے وہ دو کمروں کے کوارٹر میں رہائش پذیر کا کرایہ ادا کرنا اس کے لیے آسان کام اور پر بیمار باپ کا علاج زندگی کی

گاڑی کو دونوں باپ بیٹا بمشکل گھسیٹ رہے تھے۔

اسی طرح میں نے بھی جب سے ہوش سنبھالا گھر والوں کو غربت کی چکی میں پستے پایا۔ ابو ایک سرکاری محکمے میں کلرک بھرتی تھے آمدنی کم تھی لیکن کھانے والے ہم پانچ افراد میری تین بہنیں مجھ سے بڑی تھیں میں سب سے چھوٹا، اگرچہ اس وقت مہنگائی کا جن اتنا بے قابو نہ ہوا تھا لیکن پھر بھی ہمارے گھر کا گزارہ مشکل سے ہو پا رہا تھا شومئی قسمت! کہ عاصمہ آپی، ثناء باجی، اور حرا ابھی ساتویں آٹھویں اور نویں میں تھیں کہ ایک حادثے میں ابو کا انتقال ہو گیا۔ وہ ہم سب کو روتا چھوڑ کے خالق حقیقی سے جا ملے، میں اس وقت پانچویں کلاس میں تھا، اب اخراجات کا اژدھا منہ کھولے ہماری ضروریاتِ زندگی کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن امی نے کہیں کہہ سن کے دو تین گھروں میں صفائی کا کام شروع کر کے گھر کا نظام سنبھال لیا۔

جمیل کا گھر ہمارے گھر سے کچھ فرلانگ دور تھا۔ دو سڑکیں اور ایک پتلی سی گلی درمیان میں حائل تھی، ہم دونوں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں رہنے والے معاشی اعتبار سے کئی طبقوں میں منقسم تھے، ایک زمانہ تھا جب تین طبقوں کا نام سنا جاتا تھا۔

امیر، متوسط، اور غریب! لیکن اب غریبوں کے ہی تین طبقے ہیں غریب، اور غریب، بے تحاشا غریب! اسی طرح مڈل کلاس، لوئر کلاس، اور مڈل اپر کلاس! امیر، اور امیر، انتہائی امیر!!!!!

ہمارے علاقے میں غریبوں کے تینوں طبقے رہتے تھے۔ جمیل اور میرا تعلق غریبوں کے درمیانی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

طبقے سے تھا، اس کا کوارٹر دو کمروں پہ مشتمل تھا اور ہمارا تین!!

ایک کمرے میں چاچا شکور اور دوسرے کو بیٹھک کے طور پہ استعمال کیا جاتا کمرہ کیا تھا' ایک چھوٹا سا ڈربہ نما صندوق! جہاں چاچا شکور کی ایک جھلونگا سی چارپائی بچھی تھی۔ جس پہ بیٹھا ہر وقت وہ کھانستا رہتا۔ وہیں فرش پہ پرانی سی دری کا ٹکڑا بچھا تھا۔ ایک طرف دو چھوٹے ٹرنک جن میں باپ بیٹے کا ضروریاتِ زندگی کا کچھ سامان پڑا تھا۔ اور بیٹھک میں برائے نام رکھی چیزوں میں دو کرسیاں ایک چھوٹی میز جس کا ایک پایا ہلا ہوا تھا اسے سیدھا رکھنے کے لیے نیچے کنستر کی اڑیں دے رکھی تھی کہ گر نہ جائے دیوار کی خانہ پری کے لیے دو مورے پڑے تھے۔

دیواروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی جگہ جگہ سے پلستر اڑ چکا تھا۔ چھوٹا سا بلب بھی دیواروں کی سیاہ رنگت چھپانے کو ناکام تھا۔ جمیل اور ہمارے جیسے غریبوں کیلئے یہی کل کائنات تھی۔ ہمارے چاہے تین کمرے تھے۔ لیکن حالت ہماری بھی جمیل سے کم نہ تھی فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے گھر چارپائیاں زیادہ تھیں۔ وہ بھی ہر رنگ کی۔ اور ایک پرانا صوفہ سیٹ تھا۔ جو شاید مالک مکان نے جاتے ہوئے پھینکنے کی بجائے ہمیں مرحمت فرما دیا۔ بعد میں بیٹھنے سے پتہ چلا کہ درمیان کے اسپرنگ اپنی توانائی کھو چکے ہیں۔ امی نے اس خلا کو پرانے کپڑے کھسیڑ کھسیڑ کے پُر کیا۔ مکان کی چھتیں بالے کی تھیں۔ ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا کہ ابھی نیچے آئی کہ آئی ابو کی وفات سے حالات زیادہ دگرگوں ہو گئے تو امی نے تینوں بہنوں کو اسکول سے اٹھا لیا۔ ان کی فیسیں دینی مشکل ہو گئیں تھیں۔ انہیں ادھار لے کے سلائی مشین لے دی تا کہ گھر میں ہاتھ بٹائیں۔ صرف مجھے پڑھنے دیا شاید انہیں امید تھی کہ میں پڑھ لکھ کے ایک افسر بن جاؤں گا تو تمام دلیدر دور ہو جائیں گے۔ انہیں خوف تھا کہ محلے کے بچوں کے ساتھ مل بگڑ نہ جاؤں، اسکول جاتا رہوں گا تو کچھ سیکھ لوں گا۔

لیکن! واہ رے قسمت! بے رحم وقت ہاتھوں میں بھی بمشکل نویں تک پڑھ سکا۔ تنگ دستی غالب تھی۔ مجھے اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا قلق تھا۔ تین جوان بہنیں پتھر کی سل کی طرح امی کے سینے پہ دھری تھیں۔ انہیں اور بیمار ماں کو دیکھتے ہوئے پڑھائی کو خیر باد کہا اور فیکٹری میں نوکری کرنے لگا۔ حالانکہ امی نہیں چاہتی تھیں ان کی ہر ماں کی طرح خواہش تھی کہ زیادہ پڑھ جاؤں لیکن فاقے کہاں پڑھنے دیتے ہیں سو! پڑھائی سے دل اچاٹ ہو گیا اور کام شروع کر دیا یوں گھر کی گاڑی چلنے لگی، جمیل کے ساتھ مکمل رابطے میں تھا۔ اس کے حالات ہم سے بھی ناگفتہ تھے۔

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں بوڑھے بیمار باپ کو سنبھالنا جمیل کے لیے انتہائی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صبح سویرے نکلتا تو شام تلک واپس ہوتی۔ شام تک چاچا اکیلا کھانستا رہتا۔ اس کو دیکھنے والا نہ تھا۔ گھر میں ایک عورت کی اشد ضرورت تھی۔ لوگوں کے کہنے پہ چاچا شکور نے دور پرے کے رشتے کی ایک کزن کی بیٹی سے جمیل کی شادی طے کر دی۔ اس بیچاری کا بھی آگے پیچھے کوئی نہ تھا ماں باپ کے مرنے کے بعد رشتے کے ماموں کے پاس رہ رہی تھی۔ اسی لیے انہوں نے جلدی سے حامی بھر لی۔ غریبوں میں زیادہ تر ایسے ہی ہوتا ہے کہ لڑکیاں چودہ پندرہ کی عمر میں ہی بیاہ دی جاتی ہیں (بیاہ دی جاتی دھکیل دی جاتی ہیں) کہ ایک بوجھ کم شاید ارانی بھی رشتے کے ماموں پہ ایک بوجھ اسی لیے انہوں نے چٹ منگنی، پٹ بیاہ والا ملکہ کیا۔ شادی کیا تھی، بس ایک خانہ پری کی چند گنتی کے لوگ گئے اور نکاح کر کے لے جن میں، میں بھی شامل تھا۔

رانی صرف نام کی رانی نہ تھی بلکہ شکل رت سے اسے کسی امیر گھر کی ملکہ ہونا چاہیئے تھا نے اسے دیکھا دیکھتا رہ گیا، (گڈریئے میں لگنا) محاورہ بالکل رانی پہ اترتا تھا، جمیل تو دیکھ کے ہی دیوانہ ہو گیا، غربت میں اتنا شاید اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ دن کے اس کی تو راتیں بھی رنگین ہو گئیں۔

ایک ہفتہ تو وہ نظر نہ آیا چاچے شکور کی طبیعت میں خبر لینے ان کے گھر گیا تو جمیل نے اندر بٹھا لیا، پہلے بھی میں چاچے کی خبر لینے ہتا تھا۔ لیکن اس بار بھجھ محسوس ہو رہی تھی جمیل کی شادی ہو گئی تھی اس لیے.....

کچھ دیر بعد رانی چائے کے ساتھ بسکٹ لیکر اس نے سلام کیا تو میں نے سلام کا جواب کے لیے منہ تھوڑا اوپر کیا جونہی اس پہ نظر تو آنکھ جھپکنا ہی بھول گیا، وہ حقیقت میں خوبصورت تھی یا مجھے لگی، بڑی بڑی مخمور بن میں لال لال ڈورے رت جگے کے بی دراز پلکیں، گلابی ہونٹ،، وہ ایک م اور دلکش لڑکی تھی۔

دل میں اسے پانے کی بناء نہ رہ جائے رکھ کے وہ اندر مڑی تو سیاہ لمبے بال کسی ناگن کی طرح بل کھا رہے تھے۔ ہار جمیل کی قسمت پہ رشک آیا، مگر جلد ہی غلطی کا احساس ہوا، اور اپنی نظروں کا زاویہ بدلہ کہ جمیل میرے بھائیوں جیسا ہے۔ اور اس کی بیوی میری بھابھی، شاید یہ فطری عمل تھا کہ انسان ہونے کے ناطے دوسروں کی طرح میرے اندر بھی حسد کا مادہ موجود تھا۔

یہ رانی سے میری پہلی ملاقات تھی۔ چاچا شکور کی خبر لیکر میں واپس آ گیا، فیکٹری کی نوکری میں اتنا الجھا کہ دو تین مہینے جمیل سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میری خود کی تنخواہ اتنی تھی۔ کہ گھر کا باڑ بمشکل گھسیٹ رہا تھا۔

یہ تو شکر ہے عاصمہ آپی اور ثناء باجی نے سلائی مشین سے تھوڑا کام شروع کیا۔ ابھی وہ سیکھنے کے عمل میں تھیں۔ ساتھ ساتھ محلے کی بچیوں کو درسِ قرآن دینا شروع کر دیا۔ حسبِ توفیق جو بن پڑتا محلے والے دے دیتے۔ لیکن سب کے حالات تقریباً ایک جیسے تھے۔ کوئی اگر کچھ ٹھیک بھی تھا۔ تو آٹے میں نمک کے برابر' لیکن ہمیں ابھی مستقبل اندھیرے میں ڈوبا نظر آ رہا تھا! انہی دنوں ہمسائیوں کے توسط سے عاصمہ آپی کا رشتہ آیا۔ خاندان لمبا چوڑا نہ تھا۔ دو ہی بہن بھائی تھے۔ نیامت چاچا کی تمام عمر کی جمع پونجی صرف ایک دوکان تھی۔

انہوں نے اپنے بیٹے سلیم کو اپنے ہی ساتھ سیلز مین پہ لگا لیا، امی کو جو بات پسند آئی انہوں نے جہیز کا مطالبہ نہ کیا شریف لوگ تھے۔ امی نے فوراً حامی بھر لی۔ وقت بھی زیادہ نہ تھا، دو مہینے کے اندر اندر عاصمہ آپی رخصت ہو کے سسرال چلی گئیں۔ شادی میں صرف جمیل شریک ہوا رانی ماں بننے والی تھی۔ اس لیے نہ آ سکی۔ عاصمہ آپی کی شادی سے جونہی فراغت ہوئی امی نے جمیل کی طرف جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جمیل گھر نہ ہو گا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اس لیے امی کو کہا کہ اتوار کا پروگرام بنالیں۔ لیکن امی نہ مانیں۔ بولیں کہ رانی ابھی بچی ہے۔ اوپچ نیچ کا پتہ نہیں گھر میں کوئی عورت بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں چلنا چاہیئے۔ میں سمجھ گیا۔ اور جانے کو تیار ہو گیا۔ شام کا وقت تھا۔ جمیل ابھی ابھی کام سے واپس آ کر کھانا کھا رہا تھا۔ چاچا شکور روزمرہ کی طرح جھلنگا سی چارپائی پہ بیٹھا کھانس رہا تھا۔

اتنی دیکھ بھال اور دوا کھانے کے باوجود چاچے کی بیماری طول پکڑ گئی تھی۔ غریب یا تو پیٹ بھرے یا علاج کروائے۔ میں نے چاچا شکور کو سلام کیا اور ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ امی نے ان کا حال احوال پوچھا چاچے کو تسلی دی پھر رانی کے پاس دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ میں اور جمیل کام کے سلسلے میں بات کرنے لگے۔ اس شام شاید ہم ماں بیٹا دو تین گھنٹے وہاں بیٹھے گپیں مارتے رہے۔ امی جو چیزیں ساتھ لائی تھیں رانی کو دے دیں۔ اسے کچھ ہدایات دیں۔ اور سمجھایا کہ ضرورت پڑے تو انہیں بلا لے۔ ہم ماں بیٹا رات تک واپس آ گئے۔

چند دن بعد جمیل کے ہاں ننھے حارث نے جنم لیا۔ جمیل بہت خوش تھا۔ غریب ہونے کے باوجود بیٹے کی پیدائش پہ اپنی بساط سے بڑھ کر خوشی منائی۔ اس نے محلے بھر میں لڈو تقسیم کیے۔ چاچا شکور نے تیسرے دن عقیقہ کروا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ لڈو اور عقیقے کے لیے لئے گئے قرضے کو سات ماہ تک جمیل وقفے سے لٹاتا رہا۔ رانی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیے امی بلاناغہ اس کے گھر جاتیں اور کچھ نہ کچھ پکا کر رانی کو دے آتیں، ہفتے بعد مجھے بھی کام سے جلدی چھٹی ہوئی تو جا کے جمیل کو مبارک باد دی۔ ننھے حارث کو دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا۔ جب حارث کو میری جھولی میں ڈال کر جمیل نے کہا! لو بھئی! دیکھو حارث! تمہارا چاچا آ گیا۔ تو میرا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا آخر رشتے میں ہے تو میرا بھتیجا ناں،، کچھ دیر حارث سے کھیل کے میں واپس آ گیا۔

وقت کا کام ہے چلنا۔ سو! وہ چلتا گیا۔ چاچا شکور کی وفات نے جمیل کو ہلا کے رکھ دیا تب تک جمیل دو بچوں کا باپ بن چکا تھا۔ میں مالک سے چھٹی لیکر فاتحہ جمیل کے ہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ باپ کی آخری رسومات بھی کرسکتا۔ میں نے اور محلے داروں نے مل کے کفن دفن کا بندوبست کیا۔ چاچے کو منوں مٹی نیچے دفنا کے جمیل کو ساتھ لے میں گھر آ گیا۔

بچپن سے لیکر آج تک وہ باپ سے ایک پل دور نہ ہوا تھا۔ اسوقت وہ شدید غم سے نڈھال تھا۔ اس لیے شام تک میں اس کے پاس رہا۔ ساتھ ساتھ اسے سمجھاتا رہا کہ اس نوکری کو چھوڑ نے کہیں اور طبع آزمائی کرے۔ ایسے مگر گو حالات میں بچوں کے ساتھ کیسے گزارہ کرپائے گا۔ میں شاید اسے کبھی نہ سمجھاتا اگر رانی کو نہ دیکھتا۔ بدل چکی تھی۔ ان ڈھائی سالوں میں وہ دو پیدا کر کے جن مشکلات سے نبرد آزما ہوئی اس سے اس کی خوبصورتی گہنا چکی تھی۔ اور اب تیسرے بچے کی آمد کے میں بھونچکا گیا۔ میری باتیں سر جھکا کیوہ سنتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں۔ میں تین چار دن تک اس کے گھر چکر لگاتا رہا۔ جو کچھ ہم سے اور ہمسائیوں سے بن پڑا وہ ہم نے کیا۔ پھر دنیا کے دھندوں میں ہم سبھی الجھ گئے۔ منشی کی نوکری میں اتنی آمدنی نہ تھی کہ کچھ بچت کرسکتا۔ پٹرول پمپ کی ایک خالی ویکنسی کو دیکھتے دوست

نے یہ وہاں کام شروع کر دیا۔ پہلے پہل [illegible] لیکن اکثر رات کو وہاں رہنا پڑ جاتا تو گھر [illegible] کو مشکل ہوتی۔ خیر اب روزی روٹی بھی [illegible] ہی، سو! کام میں جت گیا۔

[illegible] پمپ پہ کام کرتے چوتھا مہینہ تھا۔ دو [illegible] مالک سے تنخواہ بڑھانے کی بات کی تو اس [illegible] سو بڑھا دیئے۔ تنخواہ میں کچھ اضافے [illegible] ہمت پکڑنے پہ اکسایا۔ اور میں پہلے سے [illegible] دل جمعی سے کام میں لگ گیا۔ یہی پہ میری [illegible] اصغر علی سے ہوئی۔ جو دوستی کا روپ دھار [illegible] اصغر علی حیدر آباد کا رہائشی تھا وہ اپنے چچا کے [illegible] پورہ میں رہتا تھا۔ وجہ شاید یہ تھی۔ کہ وہ [illegible] تھا۔ اسلیئے وہ سسرال میں ان کیساتھ ہی [illegible] والدین سے ملنے حیدر آباد جا رہا تھا تو [illegible] ساتھ جانے کا کہا۔ کراچی جانے کا مجھے [illegible] لیکن حیدر آباد جانے میں بھی کوئی [illegible] نہ تھی۔ انکار نہ کرسکا۔ سوچا امی سے پوچھ [illegible] بتاؤں گا۔ گھر آ کے امی سے بات کی تو [illegible] نے آسانی سے جانے کی اجازت دے [illegible] اس لیے کہ وہاں امی کے ماموں تقریباً پندرہ [illegible] سے مقیم تھے۔ کبھی کبھار فون پہ بات ہو جاتی [illegible] ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ امی نے ان کا پتہ [illegible] دیا اور ہدایت بھی کی کہ ضرور مل کے [illegible] میں خوشی خوشی حیدر آباد کے لیے روانہ ہو [illegible] اصغر علی کے گھر والوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ [illegible] آؤ بھگت کی۔ دو دن گھر رہے تیسرے [illegible] کے ماموں کے ہاں جانے کو نکلے۔ ان کی [illegible] آباد میں تھی۔ لمبا فاصلہ طے کرتے [illegible]۔ شام کی جانب بڑھتے سائیوں میں [illegible] کے مناظر انتہائی دلکش و پرفریب [illegible] رہے تھے۔ پہلی بار اتفاق ہوا تھا کہ میں اپنے علاقے سے باہر نکلا تھا۔ اور تب باہر قدرت کے حسین نظارے دیکھ کے میرے اندر خواہشوں نے انگڑائی لی۔ انسانی وجود خواہشوں کی آماجگاہ ہی تو ہے اسی لیے زیست کے ہر لمحے میں خواہشیں مکڑی کے جالوں کی طرح ہم سے لپٹی نظر آتی ہیں۔

دو منزلہ خوبصورت مکان کی کنڈی کھٹکھٹاتے میں انجانے خوف میں مبتلا تھا۔ نجانے امی کے ماموں کیسے ہیں۔ کس طبیعت کے ہیں۔ میرا آنا انہیں اچھا بھی لگتا ہے کہ نہیں۔ اسی خیال میں تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ایک باریش سفید داڑھی میں نورانی چہرہ دیکھ کے میرا خوف دور ہو گیا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ ہم دونوں کو گلے لگایا۔ اور اندر بیٹھک میں لے آئے۔ ان کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ کھاتے پیتے لوگ تھے۔ چند پل گزرے کہ ایک مدبر خاتون اندر داخل ہوئیں۔ جن کا تعارف انہوں نے بیگم کہہ کے کروایا۔ نہایت اچھی بااخلاق و پروقار شخصیت تھیں۔ مجھے تو بہت اچھی لگیں۔ اور مجھے خوشی ہوئی کہ امی کے خاندان والے اچھے سمجھے لوگ ہیں۔ انہوں نے میرے سر پہ ہاتھ رکھ کے دعا دی۔ بعد میں اصغر علی کو بھی۔ آپ لوگ باتیں کرو بیٹا! میں کھانا لگواتی ہوں۔ تھک گئے ہو۔ تب تک یہ ٹھنڈا جوس پی لو!۔ وہ شفقت سے کہتیں اٹھ کے باہر نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد وہیں دسترخوان بچھا دیا، آ جائیں! کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ انہوں نے محبت سے پکارا۔ پہلے امی کے ماموں اٹھے تو ہمیں بھی ان کی تقلید کرنی پڑی۔ پراٹھے، تندوری چکن، بھنے قیمے، مٹر پلاؤ، کھیر، سے ہماری خاطر مدارات کی۔ ایسے کھانے شاید ہم غریبوں کی شادیوں میں بھی نہیں ہوتے۔ ہم نے خوب سیر ہو

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کے کھانا کھایا، بھوک کتنی ظالم چیز ہوتی ہے، مجھے احساس تھا ہمارے ہی علاقے میں لوگ کوڑے سے روٹی اُٹھا لیتے تھے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر ہی تو ہم کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔ مجھیکدم جمیل یاد آگیا، کافی ہفتے ہو گئے تھے اسے ملے، نجانے نوکری کا کیا بنا ہوگا، میں سوچتا ماموں سے باتیں کرتا رہا، امی نے کچھ چیزیں انہیں بھیجی تھیں وہ ان کو دے دیں، جسے انہوں نے تھوڑی حیل و حجت کے خوشی سے لے لیا۔

چائے کے دوران وہ اپنے بیٹے کے متعلق بات کرتے رہے۔ جو کراچی کی ایک ٹریول ایجنسی میں ہیڈ کلرک تھے۔ اور زیادہ تر چھٹی والے دن ہی گھر آپاتے۔ رہائش انکی کراچی میں تھی۔ مجھے یہ علاقہ بہت پسند آیا تھا۔ کم از کم یہاں نوکری کے چانسز زیادہ تھے۔ بندہ محنت سے خود کو اس قابل بنا سکتا ہے۔ کہ سکون سے زندگی گزارے۔ شیخوپورہ والے حالات سے تو خلاصی پا جائیں گے۔ من ہی من میں خواب دیکھتا، سوچتا، خوش فہمیاں پالتا ان سے اجازت طلب کی۔ ممانی اور ماموں نے دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا، واپسی پہ دوبارہ اصغر علی کے گھر آگئے۔ جہاں تہمینہ سے ملاقات ہوئی جو اس کے ماموں کی اکلوتی بیٹی تھی، اسکول ٹیچر تھی، مجھے پہلی نظر میں دل کو بھا گئی، دوسری طرف بھی شاید یہی کیفیت مجھ سے مختلف نہ تھی، اب گھر بسانے کو میرا بھی من کر رہا تھا، لیکن رونا وہی آمدنی!، ابھی دو بہنیں بیاہنے والی تھیں تو میں اپنے بارے کیسے سوچ سکتا تھا، سوچا گھر جا کے پہلے امی سے بات کروں پھر تہمینہ کے والدین سے، تاکہ وہ بچی کی شادی کہیں اور نہ کر دیں، گیا تین دن کے لیے تھا ہفتہ لگ گیا، واپسی پہ من نہیں چاہ رہا تھا کہ

شیخوپورہ واپس آؤں، گھر آیا تو نئی خبر
تھی، جمیل کے ہاں پانچویں بچے
پیدائش، اُف! سمجھانے کا بھی کوئی اثر
ہوا، ابھی میں خودسیٹل ہونے کے بارے کوئی
قدم اُٹھانے کی سوچ رہا تھا، کیونکہ وہاں کا رہا
سرگرمیاں عروج پہ تھیں، امی سے پوچھا تو بغیر
حیل وحجت کے وہ مان گئیں، شاید وہ بھی حالا
سے تنگ پڑ چکی تھیں، میرا ارادہ امی کو تہمینہ کے
بھیجنے کا تھا۔ کوشش یہی تھی کہ وہاں سیٹل
جائیں۔ حالات بھی ٹھیک ہوں اور ہمیں کے
والوں کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو۔ میری امی
دیکھے بغیر تیار تھیں۔ اب گھر سے سامان اٹھا
کی پریشانی تھی۔ گنتی کی چند چیزیں تھیں۔
سب کباڑ خانہ۔ ضرورت کا سامان صندوقوں
رکھ لیا۔ باقی ٹرین کے ٹکٹ کٹوانے تھے۔
پہلے جمیل سے ملتا جاؤں۔ اسے ساتھ لیکر ٹکٹ
چلا جاؤں گا۔ وہ جگری یار تھا۔ ملے بغیر جانا
مطلبی کہلاتا۔

وہ مجھے دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ پہلے
زیادہ کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ ملے سے پتہ
دکھنے میں چالیس کے لگ بھگ لگ رہا تھا حالا
اس کی عمر چھبیس سال کی تھی، کمرے کی
حالت تھی، چائے شکور کی وہی جھلنگا سی چار
اور فرش پر وہی میلی پرانی دری، فرق صرف یہ
تھا کہ اس میں دو تین موٹے موٹے چھید ہو
تھے، اس کے بچے ننگ دھڑنگ، میلے کچیلے
پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے، غریبوں کی
تفریح شاید یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچے
کرو، نجانے انہیں کونسا ورلڈ ریکارڈ بنانا
ہے، اس وقت اس کے بڑے بچے کی عمر چھ
کی ہو چکی تھی، بچوں کو اس نے ڈانٹ ڈپٹ

ے میں بھیج دیا، ساتھ ہی رانی کو چائے کی
ی، ہماری باتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا، ہم
ت آٹھ ماہ بعد مل رہے تھے، اب کہاں
تے ہو جمیل؟ میں نے سلسلہ کلام جوڑتے
ل الرحمان صاحب ہیں ناں! تم جانتے
، پچھلی گلی میں جن کی کریانے کی دوکان
ں گا کہوں کو سودا تول کے دیتا ہوں، کتنی
ب لگی ہے؟ ساڑھے تین ہزار آواز آہستہ
یں چلا اٹھا اتنی کم تنخواہ میں کیسے گزارہ
و گھر اور بچوں کی حالت دیکھتے مجھے خود کا
تا ہی عجیب لگا کیونکہ میں جانتا تھا کوارٹر
نہیں اس کا کرایہ بھی یہ ادا کرتا ہے بس
و ہی جاتا ہے آفتاب اس نے ٹھنڈی
تے کہا پھر بلند آواز میں بولا چائے بن
بس لا رہی ہوں اندر سے آواز آئی۔
کی ضرورت نہیں تھی جمیل! میں نے
ان لیے تو نہیں آیا کہ تم سے خاطر
کرواؤں، رات کو بیلی سمیت حیدر آباد جا
یہاں کام دھندہ تمہارے سامنے ہے اور
کا جن منہ کھولے ہڑپنے کو تیار، سوچا تم
اؤں پھر نجانے کتنے سال بعد ملاقات ہو
دو سال بعد، ہوں اس نے ہنکارا
ن کر میں نے دروازے کی طرف
رانی ہی تھی، نیلے رنگ کی شلوار اور
ولوں کی قمیض پہنے سر پہ سرمئی رنگ کا
ھے ہوئے تھی، شلوار میں ایک پیوند تو
ظر آ گیا، دو پونڈ ڈوپٹے میں جھانک
رنگ پہلے سے کافی کالا ہو گیا تھا، گال
، وہ کہیں سے بھی شگفتہ سی رانی نہ لگ
ال چکے ہوئے، شاید صابن میسر
ام دعا اس نے چائے کے دو پیالے لیکر
سی ٹرے میں رکھے نیچے دری پہ رکھ دیئے، چائے کی رنگت بتا رہی تھی کہ استعمال شدہ پتی کو دوبارہ پانی میں کھولا گیا ہے ٹرے رکھے وہ اندر مڑ گئی۔

اس نے ایک اچٹتی سی نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کیا۔ جمیل نے ڈانٹا کہ آفتاب کو سلام تو کر۔ منے کی طبیعت ٹھیک نہیں اسے دیکھنا ہے۔ سنا ان سنا کر کے اندر چلی گئی۔ پاگل ہونے لگی ہے یہ۔ جمیل نے چھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔ سلام کرنے میں کیا دیر ہو جاتی۔ خیر! تم نکلتے ہو تو اچھی طرح خبر لیتا ہوں۔ یہ وہ جمیل تو نہ تھا جو شگفتہ سی رانی کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا تھا۔ نہیں، نہیں، جمیل! میں نے جلدی سے کہا۔ اس سے کچھ مت کہنا، حالات خراب ہوں تو دماغ ٹھکانے نہیں رہتا اسے اپنے بچے کی بھی فکر ہے۔ بتایا تو ہے اس نے، کہ بیمار ہے۔ ہاں آفتاب! وہ ٹھنڈی سانس لیتا بولا، یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔ کبھی ایک کی طبیعت خراب کبھی دوسرے کی۔ کبھی رانی بیمار پڑ جاتی ہے۔ بس اک میں ہوں پتھر کا جسے کبھی کچھ نہیں ہوا۔ میں بچپن سے اسے جانتا تھا، اس کی عادات، نیچر، سوچ مجھ سے مختلف تو نہ تھی، کبھی اس کے منہ سے نا اُمیدی کی بات نہ سنی تھی۔ آج عرصہ بعد ملا تو دیکھ اور سنکر اذیت پہنچی، میں نے اسے دلاسہ دیا اور وعدہ کیا کہ کسی سے کہہ سن کے تمہیں اچھی نوکری دلوانے کی کوشش کرتا ہوں، مجھے اندازہ تھا کہ غربت کے بارے سننا اور غربت میں خود کو ڈوبا دیکھنا، دو الگ الگ باتیں ہیں، لیکن صرف سننے والوں کے لیے بہنے والوں کے لیے نہیں، اس اثناء میں دوسرے کمرے سے بچوں کے رونے کی آوازیں وقفہ وقفہ آتی رہیں، اب جو آئیں تو شاید رانی کو چپ کروانا مشکل ہو رہا تھا، میں نے جمیل کی طرف دیکھا، میں انہیں چپ نہیں کروا سکتا، اس نے نظریں جھکا کے کہا رات سے بھوکے ہیں، میں ہکا بکا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اس کی صورت تکے جا رہا تھا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے ہم اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن اس کے منہ سے سوائے ایک بار نا امیدی کے لفظ کے کچھ نہ سنا اور نہ اس نے بتایا، اور اب اچانک اُف میرے خدا!۔

ظلم بچے جنتا ہے کوچہ غربت میں
اے امیر شہر! تو بھی تو صاحب اولاد ہے

میں نے چائے کا ادھ ٹوٹا پیالہ دری پہ پٹخا اور کھڑا ہو گیا۔ جمیل حیرت سے مجھے تک رہا تھا۔ میں نے جوتا پاؤں میں اڑیسا اور جلدی سے باہر نکل آیا، سچ پوچھیں تو کچھ سمجھ سلجھائی نہ دے رہا تھا، جمیل مجھے آوازیں دیتا رہ گیا، رانی کا جزبات سے عاری چہرہ، اس کی ویران آنکھیں، بچوں کا بھوک سے بلکنا، جمیل کا کمزوری سے لاغر وجود، ننگ دھڑنگ بچے، اپنی خودداری کو غربت میں کیسے اس نے دبا رکھا تھا، یہ سوچ کے میری روح تک کانپ گئی۔ حیدر آباد جانے کے لیے جتنی رقم جوڑ رکھی تھی اس میں ضروریاتِ زندگی کا جتنا سامان آ سکتا تھا میں نے لیا اور جمیل کے گھر کی راہ لی۔ دروازہ اس کے بیٹے حارث نے کھولا، مجھے دیکھ کیفرطِ جزبات سے چلایا ابا، ابا! چاچا آ گیا، اتنی دیر تک جمیل بھی پاس آ گیا، میرے ہاتھوں میں سامان دیکھا تو شرمندہ ہو گیا، وہ عجب کشمکش و پیچ میں تھا کہ لوں یا نہ لوں؟ لیکن مجھے اب اس کی کوئی پرواہ نہ تھی، میں نے سامان اس کے آگے رکھا اور سختی سے کہا کہ آئندہ کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک امی سے کہہ دینا تم ہم سے الگ نہیں ہو، جمیل نے روتے ہوئے مجھے گلے لگا لیا اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے، اس کی پیٹھ تھپکتے میری آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے، بچوں کے چہروں پہ جو رونق تھی اس سے مجھے شرمندگی کے احساس کے ساتھ گونا گو

اطمینان بھی ہوا، میں نے جمیل سے اجازت طلب کی کیونکہ اب حیدر آباد جانے کیلئے کسی سے ادھار کا بندوبست جو کرنا تھا، جمیل نے ایکبار پھر اداکیا جس پہ میں نے خفگی کا اظہار کیا تو وہ مسکرا دیا۔

گاڑیوں کے ہارن، شور شرابے سے خیالات کے سفر سے باہر نکل آیا، میں نے گاڑی روک دی، سگنل ابھی بند نہ ہوا تھا لیکن رش کی وجہ سے گاڑیوں، بسوں، ویگنوں کی لمبی قطاریں دور تک نظر آ رہی تھیں، اب پتہ نہیں کتنا وقت درکار ہے؟ حیدر آباد سے شیخوپورہ کا راستہ صدیوں پہ محیط لگ رہا تھا، اگرچہ گاڑی کا اندرونی حول باہر کی نسبت کافی خنک تھا لیکن میں گرمی، وقت اور بیزاری محسوس کر رہا تھا، کچھ فاصلے پہ ٹریفک سارجنٹ سے پوچھا تو پتہ چلا وزیرِ اعلیٰ کی سواری گزرنے والی ہے اس ٹریفک بند ہے، میرا موڈ اور خراب ہو گیا، مصیبت ہے! اس ملک کی تو کوئی کل سیدھی نہیں، کتنا وقت گزر گیا پتہ نہ چلا، خدا خدا کر وزیرِ اعلیٰ کی شاہی سواری گزری تو کہیں جا آہستہ آہستہ رش کم ہوا، میں نے بھی دوبارہ گاڑی سٹارٹ کی اور شیخوپورہ کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

دو بج چکے تھے۔ کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے۔ کسی علاقے میں بارش ہوئی ہو اسی لیے دھوپ کی شدت کم محسوس ہو رہی تھی، میں نے ایئر کنڈیشنر کی سپیڈ کم کر دی، سوچ کا دائرہ پھر جمیل کی طرف مڑ گیا، اس نے نوکری کا وعدہ کر کے نکل تو آیا تھا، لیکن اب حیدر آباد جانا ہمارے لیے آسان نہ رہا تھا، اس نے ٹکٹوں کا پوچھا بھی، لیکن انہیں یہ کہہ

ں کروا دیا۔ کہ ابھی اصغر علی کا پروگرام نہیں بنا
ن ٹھہر جائیں، تو وہ خاموش ہو گئیں، اب
کیا بتاتا کہ جمیل کے حالات دیکھ کے سارے
ہاں لگا دیئے، اور اب ادھار مانگنا بھی مشکل
مشکل تر نظر آ رہا ہے۔ اسی لیے دوبارہ
ل پمپ پہ کام کرنا شروع کر دیا، مالک سے
ں کی نوکری کی بات کی تو اس نے ٹکا سا جواب
ے دیا، دو چار سے کئی بار کہا تو جواب ندارد، میں
لطی کی جو اس سے وعدہ کیا، اسی شرمندگی کی
ے جمیل کی طرف نہ جا سکا، ملازمت کے لیے
یاں گھسنے والوں کی تعداد کا مجھے خوب اندازہ
مجھے رہ رہ کے حکمرانوں کے بودے کھوکھلے
ں پہ غصہ آ رہا تھا، جھوٹ بول بول کیوٹ
ی خاطر کہ ہم اپنے ملک میں کسی کو بیروزگار
ں رہنے دیں گے،

جھوٹے خون آشام بھیڑیئے! غریبوں کا
ن چوس چوس کے اپنی تجوریاں بھرنے والے!
یہ لوٹنے پہ لگاتے ہیں، کوشش کریں تو آدھی
م میں ملک کی آدھی نہیں تو ایک چوتھائی
زگاری تو ختم کر ہی سکتے ہیں، میں صرف سوچ
، میری اب کوشش تھی جمیل کی مدد کروں، مجھے
ں سے لگاؤ تھا، وہ میرے بھائیوں جیسا تھا، چند
ں اور جواب کا انتظار کرتا رہا کہ شاید جمیل کا کوئی
ب بن جائے، لیکن ایسا نہ ہوا، آخر ایک دن
یت بن کے جمیل کی طرف چلا گیا، سوچا، اتوار
ے وہ گھر پر ہی ہو گا، دروازہ کھٹکھٹانے پہ اس کی
ی رانی نے دروازہ کھولا، اس کے ساتھ اس کا
ر سالہ ننگ دھڑنگ بیٹا اس کی شلوار پکڑے
ے دروازے تک آ گیا، جمیل کہاں ہے؟ میں
نظریں جھکا کے پوچھا، قبرستان گیا ہے رانی
جواب دیا، کیوں میں بیساختہ بولا، منّے کی قبر

پہ گیا ہے، اس نے جواب دیا، کون منّا؟ میں یکدم پریشان ہو گیا فوری طور دماغ میں آیا کہ کوئی آس پاس محلے میں ہو گا، لیکن! وہ اپنے بچے کی بات کر رہی تھی، میں بھونچکا گیا، جس دن آپ آئے تھے وہ اُلٹیاں کر رہا تھا دوسرے دن مر گیا، رانی نے تسلی سے جواب دیا، میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا، تم اپنے بچے کی بات کر رہی ہو ناں! میں نے حیرت سے پوچھا، اس نیا پنے بچے کے مرنے کی خبر مجھے ایسے سنائی جیسے محلے کا کوئی کتا بلی مر گیا ہو، ہاں! اس نے سرسری جواب دیا، تمھیں زرا بھی غم نہیں، مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

غم کیا ہوتا ہے؟ جو اندر سے مر چکے ہوں ان کے لیے احساسات سے عاری وجود کی زندگی میں غم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس نے فلسفہ جھاڑا۔ ہر روز ہی محلے میں کوئی نہ کوئی مرتا رہتا ہے، کوئی بخار سے، کوئی اُلٹیوں سے، اور کوئی پیچش سے،، ہم غریبوں کی غربت ڈھانپنے کے لیے یہی بیماریاں کافی ہیں، رانی نے وہی بیماریاں گنوائیں جو گندگی اور باسی خوراک سے لاحق ہوتی ہیں، شاید یہ اسی لیے ہوتی ہیں کہ ہم دنیا کی صعوبتیں سہہ سہہ کے جانوروں کی سی زندگی جیئں اور ان کی طرح سڑکوں پہ مر جائیں، اس کے اندازِ گفتگو سے میں گھبرا گیا، مجھے افسوس ہے! میں کئی دنوں سے نہ آ سکا سوچا جمیل اتوار کو گھر ہو گا اس لیے چلا آیا، وہ پورے دو ہفتوں سے گھر پر ہی تھا۔ رانی نے جواب دیا۔ بیماری کی وجہ سے ناغہ کیا تھا ناں اس نے،، ملازمت سے پہلے ہی جواب مل گیا تھا۔ بچوں کی دوا دارو کے لیے مالک سے جو ادھار پیسے لیے تھے۔ وہ وقت پہ اسے ادا نہ کر سکے۔ پھر منّا مر گیا تو کفن دفن پہ ادھار لیکر استعمال کیے۔ اس تنخواہ میں سے کاٹ لیے اور جواب دے دیا۔ میں چونکا! تو ان دنوں گزارہ کیسے ہو رہا ہے، میں نے جلدی سے

http://www.urdubooks.net/
http://www.urdutube.net/

پوچھا، آٹا تو تھا ناں، وہ عجب انداز سے ہنسی۔ روٹی پک جاتی ہے۔ مرچیں ختم ہوگئیں تھیں۔ کہ چٹنی بنا لیتی۔ نمک اور پیاز سے کام چلایا۔ جو دو چھوٹے تھے انہوں نے روٹی پانی میں بھگو کے کھالی۔ رانی کے الفاظ مجھ پہ کوڑے کی طرح برسے تھے۔ صحن غربت میں قضا دیر سے مت آیا کر "،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،خرچ تدفین کا لگ جاتا ہے ہم بیماروں پر۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ میں شاید بوکھلا گیا تھا۔ جمیل کا انتظار نہیں کریں گے؟ نہیں زرا جلدی میں ہوں پھر کبھی آؤں گا، میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گلی سے باہر نکل آیا، میری سانس پھول چکی تھی، دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں، جمیل کی ساڑھے تین ہزار کی نوکری ختم ہو چکی تھی، میں جلد از جلد پٹرول پمپ پہنچا، کیسا شخص تھا یہ فضل الرحمان اپنے نام کی لاج بھی نہ رکھ سکا کیوں ایسے لوگوں کے دل میں انسانیت ناپید ہوتی ہے، کیوں یہ ہمدردی سے خالی ہوتے ہیں، ہم خود کوئی متوسط طبقے سے تعلق نہ رکھتے تھے، سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کے لیے درد تو رکھتے تھے پٹرول پمپ کے مالک سے کچھ پیسے ادھار مانگے جو اس نے کل دینے کا وعدہ کیا۔ اب ایک دن اور انتظار کرنا ہوگا۔

شومئی قسمت! رات کو کام سے فارغ ہو کے گھر آیا تو امی کی شوگر اور بلڈ پریشر ہائی تھا۔ جب افاقہ نہ ہوا تو انہیں ہسپتال لے جانا پڑ گیا۔ بلڈ پریشر ہائی ہونے سے انہیں آبزرویشن میں رکھا گیا۔ تمام رات آنکھوں میں کٹی، صبح پرہیزی غذا کا چارٹ اور دوا کی لمبی لسٹ ڈاکٹر نے میرے ہاتھوں میں تھما دی۔ امی کو گھر لا کے بغیر آرام کیے انہیں تسلی دینا پٹرول پمپ کام پہ چلا آیا۔ جو پیسے مالک سے جمیل کے لیے مانگے تھے۔ وہ امی کی دوائیوں پہ لگ گے۔ اسی طرح اپنی ہی مشکلات میں کئی ہفتے گزر گئے، امی بھی ایسے حالات سے تھک چکی تھیں انہوں نے یکدم حیدر آ جانے کا فیصلہ کر لیا، عاصمہ آپی سے کچھ پیسے ادھا لیے اور ٹرین کی رات کی ٹکٹ کٹوا لی، ہم ضرورت کا سامان باندھا، اور بغیر کسی کو بتائے را کی ٹرین سے حیدر آباد آ گئے، نئی منزل، نئے لوگ، لیکن امی کے ماموں اور ممانی کو کسی قسم کی قباحت نہ ہوئی، امی کے توسط سے پہلے دوکان پہ مینی کی۔ ساتھ ساتھ گاڑی سیکھی۔ فیاض بھائی جاننے والوں میں سیٹھ زکاء کے ہاں ڈرائیوری کی نوکری مل گئی ساتھ انہوں نے تین کمروں کا کوارٹر عنایت کیا۔ سر چھپانے کا آسرا مل گیا۔ سیٹھ نام کے نہیں دل کے بھی سیٹھ تھے، پہلے پہل امی ماموں کے پاس رہیں لیکن جونہی ان کے بیٹے فیاض شناء کی شادی ہوئی امی ہمارے پاس آ گئیں، شناء کی شادی کے چھ مہینے بعد میری شادی بھی تہمینہ سے ہوگئی،، اب کوارٹر میں ہم چار، خوش تھے، حرا کے لیے رشتے کی تلاش جاری تھی آپی عاصمہ کے ہاں دوسرے بچے کی ولادت پہ امی ایک ہفتہ پہلے ہی وہاں چلی گئیں، دو ہفتے بعد انہیں لینے جانا تھا، تین دن پہلے ہی امی کا فون آیا جمیل کے بارے پتہ چلا، مجھے یقین نہ آ رہا تھا، افسوس بھی تھا کہ حیدر آباد آئے تقریباً اسے بھول ہی گیا تھا، اگر امی نہ جاتیں ہمیں پتہ ہی نہ چلتا، تمام راستہ میں جمیل بارے سوچتا رہا، انہی سوچوں میں گم سلیم بھائی کے ہاں شیخوپورہ پہنچ گیا، رات کے ابھی دس بجے تھے لیکن گھر والے سو چکے تھے۔ صرف سلیم بھائی اور امی میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ میں بھی تھکا ہوا تھا۔ امی نے جلدی سے کھانا گرم کیا دیا۔ جو باتوں کید وران کھایا۔ تھکاوٹ کی سے امی نے بستر لگا دیا تو میں لمبی تان کے

آنکھ دیر سے کھلی، منہ ہاتھ دھویا۔ باہر آیا بھائی کی امی بھی ناشتے پہ موجود تھیں۔ سلام بعد انہیں پوتے کی مبارک دی۔ تو انہوں نے دعا دی،، عاصمہ آپی سے ملاقات کی کافی موٹی ہوگئیں تھیں۔ انہیں بھی بیٹے کی باد دی۔ سلیم بھائی کو کام تھا۔ تو ان کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ سوچا انہیں چھوڑ کے جمیل کی چلا جاؤں گا۔ راستے میں بھائی کو ڈراپ کیا جمیل کے گھر کی راہ لی۔ رات بھر بارش کی ہر جگہ جل تھل تھی۔ گاڑی کو اپنے پرانے کافی دور بڑی سڑک پہ پارک کیا اور خود چل کے محلے میں داخل ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد میں یہاں آیا تھا۔ وہی لوگ، وہی گھر، وہی کیچڑ، کچھ بھی تو نہ بدلا علاقے سے ووٹ لیکر جانے والوں کی نظر پڑی تھی ابھی تک کہ اس علاقے پہ بھی نظر ر مالیتے۔

دستک پہ دروازہ کھولنے والی رانی تھی بار حیران ہونے کی میری باری تھی رانی کی اس نے ہلکے میک اپ کے ساتھ دیدہ لباس پہن رکھا تھا۔ کانوں میں دلآویز جھمکے سے نکلتی روشنی سے اس کے چہرے کے دلفریب نظر آ رہے تھے، وہ بہت خوبصورت ی میری یہ حیرت چند لمحہ رہی، رانی میں والی اس تبدیلی کا سبب کیا تھا، مجھے جاننے یا دیر لگی، وہ میں ہکلایا جمیل کا افسوس آیا ہوں..... رانی نے میری طرف ہوں لیکن اندر آنے کو نہیں کہا، آفتاب آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا،، کیوں! سے گویا ہوا۔ جمیل میرا بچپن کا دوست اس کی وفات پہ شدید صدمہ ہے۔ اور افسوس کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں اسے ہوا کیا تھا میں بیربط بولتا چلا گیا، اس دن بہت زور کی بارش ہوئی تھی، وہ خیالوں کی دنیا میں کھوئی بولی۔

دریا میں باڑھ آ گئی تھی، اسی میں بہہ گیا، رانی کی آنکھیں بھر آئیں، لوگ اسے اتفاق سمجھ رہے ہیں، لیکن میں جانتی ہوں۔ وہ خود کودا ہوگا دریا میں، خودکشی کی ہے اس نے۔

مگر..... مگر..... کیوں..... میں ہکلا گیا۔

حیادار تھا..... برداشت نہ کر سکا۔

کیا برداشت نہ کر سکا.....؟

میری بے حیائی.....

بات کچھ میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ لیکن میں اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ سمجھا نہ ہو۔

وہ اپنے آنسو پی گئی اور بولی، جو کچھ میں بن گئی ہوں وہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا، لیکن مجھے تو اپنے بچوں کی خاطر جینا تھا، میں تو اسی دن مر گئی تھی، جب دوسرے بچے کے مرنے کے بعد تیسرے بچے کو جان کنی کی حالت میں دیکھا۔ وہ مر رہا تھا۔ میرا بچہ میری بانہوں میں دم توڑ رہا تھا۔ اس کے پپڑی زدہ ہونٹ پیاسے تھے۔ میری چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا تھا، گھر میں ایک دانہ اناج نہ تھا، جو اسے کھلا سکتی، میرے بچے ایک ایک نوالے کو ترستے میری بانہوں میں دم توڑ رہے تھے۔ مر رہے تھے، دو تین دن کی بھوک کیا ہوتی ہے، میں جانتی ہوں، وہ تو ننھے معصوم بچے تھے۔ کیسے سمجھتے، کیسے برداشت کرتے:: مر گئے ۔ہاں،، مر گئے۔ آنسوؤں کپھندے نے اس کی آواز میں رقت طاری کر دی۔ میں دودھ کیلئے فضل الرحمان کی دوکان پہ گئی۔ تو اس نے دھتکار دیا۔ دوسرا ظلم رات کو اس نے جمیل کو

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ادھار وقت پہ نہ دینے سے نوکری سے نکال دیا۔ کیوں،؟ جمیل نہ جانتا تھا۔ نہ سمجھتا تھا۔ بھوک نے اس کی عقل پہ پردہ ڈال دیا تھا۔ لیکن وہ کیا چاہتا تھا؟۔ میں سمجھتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو بے چینی سے مسلا۔ وہ اپنی حرص زدہ نگاہیں مجھ سے نہ چھپا سکا تھا۔ جمیل سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا تو اسے سو روپے دیتا، اور تب میں نے اک فیصلہ کیا۔ خود کو بیچ دیا۔ اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کیلئے میں بک گئی۔ جب اس رذیل شخص کے پاس گئی تو،،، کچھ پل وہ خاموش ہوئی،، پھر میری طرف دردزدیدہ نظر سے دیکھتی گویا ہوئی۔ تب مجھے دو گھنٹے کے پانچ سو وہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔ اس کی ہنسی مجھے اندر تک کاٹ گئی۔ میں اپنے بچوں کو کیوں مارتی بس اب مجھے جینا تھا بچوں کے لیے میں نے فیصلہ کر لیا۔ اک اٹل فیصلہ۔ اب میں ہر روز بکتی رہوں گی جب تک جمیل جیسے خود دار بندے یوں بیموت نہ مریں۔ ہاں! میں بکوں گی۔ ہر وہ کام کرتی رہوں گی جو میرے بچوں کو زندہ رکھ سکے

میری نظریں جھک گئیں، یہ یقین کرنا میرے لیے مشکل ہو رہا تھا کہ وہ شخص اب اس دنیا میں نہیں جو خوددار تھا۔ بزدل تھا یا حالات سے ڈٹ کے مقابلہ نہ کرنے والا۔ کچھ سمجھے آفتاب بھائی! رانی کی آواز نے مجھے چونکا دیا، کیا سمجھوں؟ میں آہستہ سے بولا یہی کہ میں کیا بن گئی۔

کیا بن گئی ہو؟ میرا لہجہ دھیما تھا۔

اردو میں جو لفظ اس کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ کانوں کو بھلا نہیں لگتا آج کل انگریزی میں ایک لفظ سننے کو ملتا ہے ہیں تو وہ دو لفظ مگر ایک ہی لفظ سمجھا جاتا ہے کال گرل..... وہ خود ہی بولی پھر مسکرائی کال گرل بن گئی ہوں میں بھائی میں خاموش رہا کیا بولتا وہ پھر بولی چند دن بعد ہم یہاں نہیں ہونگے میرا ایک گاہک ہے بل... بہت پسند آگئی ہوں وہ مجھے سمن آباد میں ایا... لیکر دے رہا ہے۔

اب میرے بچے اچھا کھائیں گے اچھا... گے اسکول جائیں گے ایک ایک نوالے... ترسیں گے باپ کی طرح بے موت نہیں... گے۔

آپ مجھ سے ملنے کبھی مت آنا، آپ جمیل... طرح شریف انسان ہیں، اور شریف انسان... کسی کال گرل کے پاس نہیں جاتے۔

میں نے محسوس کیا آخری جملہ کہتے... پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اس نے... سے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور دھڑام سے دروازہ... بند کر لیا، لیکن! بند دروازے سے دبی دبی... ناک چیخوں کی بازگشت میرے دل کو کچوکے... رہی تھی، میں بجھے قدموں کے دھیرے دھیرے... مڑا، میرے قدم بوجھل ہو رہے تھے۔ میں رو... تھا۔ ہاں میں واقعی رو رہا تھا کیوں،،؟ میں... نے تو اس شخص کو پلٹ کے دیکھا بھی نہیں کہ وہ کس درد سے گزر رہے ہیں۔ کبھی کبھی زندگی میں رونے کے لیے... ہوتی ہیں کہ ہم تعین نہیں کر پاتے کہ وہ کون... ہے جو ہمیں اندر سے گھائل اور لہولہان کر... ہے۔ ایک جیتے جاگتے معاشرے میں ایسی... اور ایک ماں کا درد ہم کبھی محسوس نہ کر... گے، لیکن! جب ایک ماں اپنے بچوں کے لیے... کر لینے کا عزم کرتی ہے، تو اس کے حوصلے... سامنے پہاڑ بھی ریت کی مانند ریزہ ریزہ... ہے، اور معاشرے کی بے حسی کے سامنے... قطرہ پانی بھی زہر کی مانند لگنے لگتا ہے۔

☆☆.....☆☆

قمبر شہداد کوٹ سے بھیجی گئی سچی کہانی

ٹائم پاس

کون کہتا ہے کہ صرف لڑکے ہی ٹائم پاس کرتے ہیں..... وہ لڑکی بھی کچھ کم نہ تھی اچھے خاصے ڈاکٹر کو بے وقوف بناتی رہی

مور شاہد حسین

شام ڈھل رہی تھی۔ ڈھولک اور ناچ گانا اپنے عروج پر تھا۔ سب موج مستی میں مگن تھے۔ چاروں طرف خوشیاں رقصاں تھیں۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ تھی۔ سب کی طرح میں بھی بے انتہا خوش تھا مگر اس خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ بے تاب بھی تھا۔ خوشی اس بات کی کہ میرے دوست ڈاکٹر نوید شیخ کی شادی تھی اور بے تابی کی وجہ وہ اجنبی شخصیت۔

تین روز قبل میں اپنے عزیز دوست کی شادی میں شریک ہوا، پہلا دن عام سے انداز میں گزرا۔ دوسرے روز ایک حادثہ ہوا، ایک بہت ہی خوبصورت اور خوشگوار حادثہ۔ ہوا کچھ یوں کہ مہمانوں کے ہجوم میں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی کی میٹھی میٹھی نگاہوں کے حصار میں ہوں۔ وہ میٹھی میٹھی نگاہیں مسلسل میرا طواف کر رہی تھی مگر کوشش کے باوجود بھی مجھے وہ نگاہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بس ایک ان دیکھی کشش تھی جو مسلسل مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں اور میں بھی بس کھنچتا چلا جا رہا تھا۔

مجھے اس میٹھی میٹھی نگاہوں والی شخصیت کی تلاش تھی۔ خدا خدا کر کے آخر مہمانوں کے ہجوم میں وہ مہربان نگاہیں نظر آ ہی گئیں تھیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی روشن آنکھوں میں جھانک کر ایک نرم دھیمی مسکان اس کی نذر کی اور وہ بھی دھیما سا مسکرائی تو میرے دل کی رفتار کچھ اور زیادہ ہو گئی۔

وہ تر و تازہ پرکشش اور غضب ڈھاتی اٹھارہ سال کی انتہائی حسین شہزادی تھی اور حسین شہزادی کی ایک جھلک دیکھ کر ہی میں اپنا آپ بھول گیا۔ اس کے حسن کے جمال میں کھو گیا یکا یک ہوش میں آیا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں نے چونک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر وہ شہزادی کہیں بھی دکھائی نہیں دی تو مجھے بے تابی سی محسوس ہونے لگی۔ اس کی ایک جھلک نے ہی مجھے اس قدر گھائل کر دیا کہ پھر میرا دل کسی کام کا نہ رہا۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

دوسری بار وہ سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تو اسے دیکھ کر میری روح تک سرشار ہوگئی۔ نگاہیں چار ہوتے ہی میں ہلکا سا مسکرایا وہ بھی دھیما سا مسکرائی اور پھر ایک بھرپور نظر ڈالتی ہوئی میرے برابر سے گزری تو اس کی خوشبو میری اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔ اور پھر اسکا خیال میرے دل و دماغ پر چھا گیا۔ دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش بار بار سر اٹھا رہی تھی کہ اسے دوبارہ دیکھوں، اس سے ملوں۔

رات جب میں بستر پر لیٹا تو اسکا معصوم چہرہ چھم سے میرے خیالوں میں آ گیا۔ اسکا خوبصورت چہرہ میرے تصور میں گھومتا رہا اور پھر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے آس پاس ہے جیسے رات گہری ہوتی جا رہی تھی میری بے تابی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس بے تابی میں ایک انوکھا جذبہ تھا اور میرے دل کی دھڑکنوں کا انداز کچھ بدلا بدلا سا تھا۔

آج ولیمہ تھا کل تک سارے مہمان رخصت ہو جائیں گے۔ اور شاید وہ بھی۔ یہ خیال مجھے بے چین کر رہا تھا۔ دل کی بے ترتیب دھڑکنیں اس سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ لمحہ بہ لمحہ بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بے تابی میں میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا کہ میری چاروں طرف جھانکتی ہوئیں نگاہیں ایک میز پر جم گئیں۔ جہاں وہ چکائے کھانے سے انصاف فرما رہی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی یا حسین اتفاق کہ اس میز پر وہ

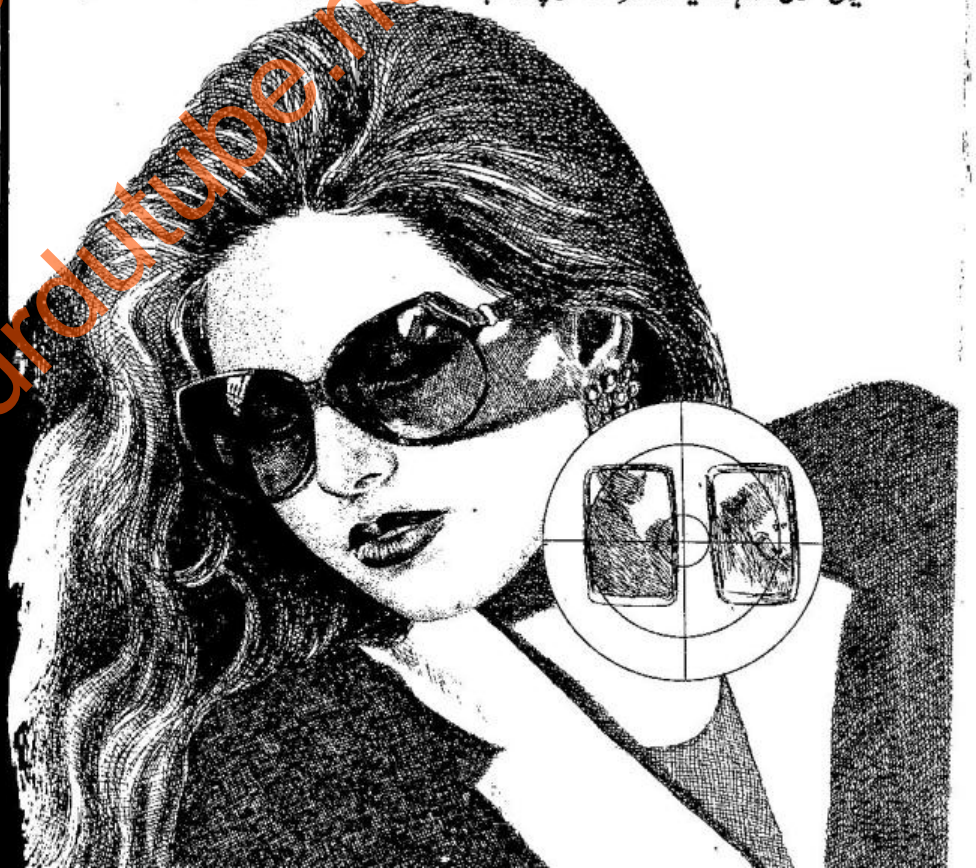

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

ل بیٹھی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے م اس کی جانب بڑھا دیے۔

''ایکسکیوزمی!'' لبوں پر مسکراہٹ سجائے اس سے مخاطب ہوا۔

اس نے نظریں میری جانب اٹھا کر دیکھا اور ہلکی سے مسکرائی۔

گلاب جیسا چہرہ، روشن آنکھیں، اونچی ناک سفید دودھیا دانت، ہونٹ جیسے گلاب کی پتیاں۔ کشش شخصیت اور نکھرا نکھرا رنگ۔ اسے دیکھ کر ل لگتا تھا جیسے خدا نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے اشا ہو۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' میں نے ا کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

''جی بیٹھ جائیں۔'' اس نے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔

میں اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر وہ محترمہ بے نیاز ہو کر کھانے سے انصاف فرمانے ل۔ اس کی خاموشی نے میرے اندر بے چینی را کر دی اور دل کی دھڑکنیں شور مچانے لگیں۔

''آپ دولہے کی کیا لگتی ہیں؟'' میں نے لا سوال داغا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے بے حد مختصر جواب

''یہ کیا بات ہوئی؟ آپ انکی شادی میں آئی یں ہیں۔ جو آپکے کچھ لگتے ہی نہیں۔'' میں نے آگے بڑھائی۔

''مجبوری تھی۔'' پھر وہی مختصر جواب دیا اور انے میں یوں مصروف ہوگئی جیسے کئی دنوں سے کھانا کھایا کیا بلکہ دیکھا تک نہ ہو۔

اوہ خدا کی پناہ یہ محترمہ گفتگو میں اتنی کنجوسی ل کر رہی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا اور خاموشی کو توڑنے کی ہمت جمع کرنے لگا۔

''آپ کہاں سے آئیں ہیں؟'' میں نے خاموشی کو جھنجھوڑتے ہوئے ایک اور سوال داغا۔

''لاڑکانہ سے۔'' پھر وہی مختصر جواب۔

''آپ گفتگو میں بہت کنجوس معلوم ہو رہی ہیں۔'' میرا لہجہ بے تکلفانہ ہوا۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور ہلکا سا مسکرائی مگر بولی کچھ نہیں۔ اس کی ہلکی سی مسکان سے مجھے اندر تک سرشاری محسوس ہوئی لیکن محترمہ بے نیاز تھی۔

''آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' میں نے بلا جھجک نام پوچھا۔

''رخسار۔ رخسار فلک۔'' اس نے کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد مسکراتے ہوئے اپنا نام بتایا تو میرے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔

''آپ خاصی پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی معلوم ہو رہی ہیں مگر کم گو ہیں شاید۔''

''میں کھانا کھاتے ہوئے بلکل بات نہیں کرتی۔'' اس نے اس بار قدرے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور اٹھ کر جانے لگی۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا، مجھے جو کچھ کرنا تھا اس لمحے کے ہزارویں حصے میں کرنا تھا۔

''پلیز بات سنیں۔'' میرے کہنے پر اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

''دوبارہ آپ سے ملنے کی امید رکھوں؟'' میں نے پُرامید نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جی ضرور۔'' وہ دلنشیں سے مسکرائی اور تیز قدموں سے مورنی کی چال چلتی آگے بڑھ گئی۔

اگلے روز میں سیڑھیاں اترتا نیچے کی طرف جا رہا تھا۔

''گل حسن صاحب۔'' اس نے مجھے میرا نام لیکر پکارا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے اسے اپنا نام بتایا ہو۔ ظاہری بات ہے اس نے میرا نام کسی سے معلوم کیا ہوگا۔ مجھے دلی خوشی ہوئی اور اس کے خلوص کو دل سے محسوس کیا۔

''میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی۔'' اس نے اپنے گلاب جیسے ہونٹوں کو جنبش دی۔

''آج ہم جا رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ نے دوبارہ ملنے کی امید رکھی تھی سو آپ سے ملنے چلی آئی۔''

''اس نوازش کا بے حد شکریہ۔'' میں نے احسان مندی سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ فائنل ائیر میں ہے، والد سرکاری وکیل ہیں۔ بڑے بھائی بھی سرکاری ملازم ہیں۔ تین بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن ہے۔ بھائی اس پر جان چھڑکتے ہیں اور والدین کی آنکھوں کا تارا ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ ان لوگوں کا شمار خوش حال گھرانوں میں ہوتا ہے۔

میں نے بھی اسے اپنے بارے میں سب سچ بتایا کہ سب بڑے بھائی صحافت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور دوسرے بھائی سرکاری محکمے میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ جبکہ میں ڈاکٹر ہوں اور اپنے ہی شہر جیک آباد میں اپنا کلینک چلا رہا ہوں ،ابو گزر چکے ہیں ،امی حیات ہیں اور بہنیں رخصت ہو چکیں ہیں۔

اس کے جانے کے بعد میں اس کے بارے میں ہی سوچے جا رہا تھا۔ رخسار۔ کتنا پیارا نام ہے بلکل رخسار کی طرح بے حد حسین۔ میں اس کے نام کا ورد کرنے لگا اور اس کی مختصر باتوں کو دہرانے لگا۔ دل بے ترتیب دھڑکنے لگا اور میں نے بھی دھڑکنے دیا۔

دھڑکتا دل خوبصورت سے خوبصورت سوچ بنا رہا، سوچیں تھیں کہ لامحدود ہزاروں خیال آ رہے تھے۔ ہر سوچ دلربا سی تھی، ہر خیال محبوب سا تھا۔ میرے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی اور یوں ہی میں کئی لمحے اسے سوچتا رہا، اس کے خیالوں میں کھویا رہا اور پھر اس کے تصور میں سو گیا تو وہ میرے خوابوں پر چھا گئی۔ میں نے دیکھا کہ ہم ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کی لہروں کو مستیاں کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے، منظر بہت ہی دلکش ہے۔ ساحل سے ٹکرا کر پلٹتی ہوئی سمندر کی لہروں کے مناظر اپنی آنکھوں میں اتار رہے ہیں۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساحل کی گیلی ریت پر ساتھ پاؤں چلتے رہے۔ ساحل کی نرم نرم ریت پر چلتے ہوئے دور بہت دور نکل گئے۔

اس کے بعد ہمارے تعلقات کو جیسے پر لگ گئے، ہم بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ آپس میں اعتماد کی فضا قائم ہوگئی۔ ہنسی مذاق ہماری گفتگو کا حصہ بن گئی، ہمارے رابطے کو دو ڈھائی مہینے گزر گئے اس دوران ہم ایک دوسرے کو خوب سمجھ گئے تھے۔ کافی دیر فون پر بات کرتے کرتے سب روزیوں ہی گزرتے رہے۔

ایک روز رخسار نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ وہ منہ سے ملنا چاہتی ہے۔ اتنی جلدی اتنی اپنائیت پر میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا اور میرا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔

اس روز منگل تھا اور ہماری ملاقات جمعہ طے ہوئی۔ وہ دو دن میں نے بڑی بے چینی سے گزارے۔ خیر مقررہ دن اور مقررہ وقت پر ہماری ملاقات ہوئی۔

وہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس پر قربان ہوا جا رہا تھا اور وہ مسلسل خلوص مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ جیسے اس کے ساتھ سالہا سال کی اپنائیت ہو۔ میں سرشاری محسوس کر رہا تھا۔

رخسار مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ میں نے رخسار سے نہیں خود اپنے دل سے کہا تھا رخسار کے رویے سے ظاہر تھا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے لیکن ایک اہم سوال میرے ذہن میں کوند رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا محبوب سمجھ رہی ہے یا اچھا دوست۔ بہر حال میں خوش تھا، بے انتہا خوش اور مطمئن بھی کہ کچھ بھی ہو اس کی محبت اور اپنائیت حاصل ہے۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر میرے دل میں اس کے لیے بے پناہ محبت تھی۔ کئی بار دل چاہا کہ اپنی محبت کا اظہار کروں مگر چاہتے ہوئے بھی میں ایسا نہیں کر رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں کسی قیمت پر بھی اسے ناراض کرنے کا خطرہ نہیں مول سکتا تھا۔ میں صبر کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں کسی مناسب دن اور وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ اب میرے سامنے صبر تھا اور انتظار ہی انتظار۔ ایک طرف رخسار کی کشش تھی، دوسری طرف مناسب وقت کا انتظار۔

وہ ایک خوشگوار دن تھا۔ آسمان پر سرمئی بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا درختوں سے شرارتیں کر رہی تھی۔ چاروں اطراف جیسے خوشیاں رقصاں تھیں۔ اس خوشگوار عالم میں رخسار میرے حواسوں پر بری طرح چھا گئی تھی۔ اسکا مسکراتا ہوا پیارا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اس کے خیالوں نے بے تاب کر دیا اور شدت سے اس کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے کل لاڑکانہ جانا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ رخسار سے ملاقات کا پوچھ لوں۔ میں نے بے تابی سے اسکا نمبر ملایا۔ کال جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ مجھے الجھن محسوس ہونے لگی اور بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ میں بے سکون ہو گیا۔

شام کے وقت رخسار کی کال آئی تو میری جان میں جان آئی۔

''اسلام علیکم کیسے ہیں جناب؟''

''وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے مختصر جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

''لگتا ہے کہ جناب ناراض ہیں۔ ارے بھئی غصہ تھوک دیں۔ پلیز۔'' اس نے پلیز پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ایک شرط پر۔'' میں نے ذرا سختی سے کہا۔

''میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

میں کل ضروری کام سے لاڑکانہ آ رہا ہوں۔ کیا آپ مل سکتی ہیں؟'' میں نے ملنے کا بہانہ بنایا۔ تو وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئی۔

''جی ضرور۔''

اگلے روز ہماری ملاقات ہوئی مگر رخسار خاموش خاموش تھی اور بات کرنے میں بہت کنجوسی کر رہی تھی۔ اور میں جو سوال کرتا سکا مختصر جواب دیتی اور جانے کہاں کھو جاتی۔

''کیا بات ہے کہ رخسار آپ بہت خاموش ہیں۔'' اسے خیالوں کی دنیا سے واپس لانے کے لیے میں نے خاموشی کو جھنجھوڑا۔

''آں۔۔ ہاں۔ کچھ بھی نہیں۔''

''کچھ تو ضرور ہے۔'' میں نے بہت محبت اور اپنائیت سے کہا۔

''نہیں سب بالکل ٹھیک ہے۔'' رخسار نے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

چہرہ اٹھا کر اور مسکرا کر مجھے دیکھا۔

مجھے احساس ہوا کہ مجھے آج اپنے جذبات کے بارے میں اسے آگاہ کر دینا چاہئے۔

''رخسار مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ میری بے پناہ محبتیں اور چاہتیں صرف تمہارے لیے ہیں۔'' میں نے لمحے کی دیر کیے بنا ہی اظہارِ محبت کر دیا۔

''تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی میرا دل دھڑک اٹھا تھا اور پھر میرے دل میں تمہارے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرنے لگے۔ رفتہ رفتہ محبت کا پودا تناور درخت بن گیا۔ کئی بار سوچا کہ تم سے اظہارِ محبت کروں لیکن ڈر تھا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ اور یوں میں تمہارے دیدار سے محروم نہ ہو جاؤں۔ بس اسی لیے میں تمہیں پرپوز کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔'' میں ایک ہی سانس میں بولا۔

''مہمانوں کے ہجوم میں آپکو بلکل بے خیالی میں دیکھا تھا۔ آپ پہلی ہی نظر میں میرے دل میں اتر گئے۔ من کے نہاں خانے سے خوشبوئیں پھوٹنے لگیں۔ میں خیالوں میں، سوچوں میں آپکو چاہنے لگی۔ من کے مندر میں آپ کو چپکے چپکے آپ کو چاہنے لگی۔ آپ اپنوں سے بڑھ کر مجھے عزیز محسوس ہوئے۔ آپ کو یوں سوچتی جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپکے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر لی۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ میری دھڑکنوں میں رہتے ہیں اور۔۔'' میں تصور میں رخسار کو اپنی محبت کا یقین دلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، جیسے میں ہمیشہ دیکھا کرتا تھا۔ مگر میرے تصورات کو دھچکا لگا جب میں نے رخسار کو حقیقت میں یہ کہتے ہوئے سنا۔

''میں آپ کے جذبات کی بہت قدر کرتی ہوں مگر مجھے افسوس ہے اس بات کا کہ میں آپکی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔''

''کیا مطلب؟ میں تمہیں پسند نہیں ہوں؟'' میں حیران تھا۔

''پسند ہیں مگر دوست کی حیثیت سے۔''

''مجھے لگا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ وہ سارا دن باتیں کرنا، اتنی اہمیت دینا۔ وہ سب کیا تھا؟'' مجھے اب غصہ آ رہا تھا۔

''دوستی میں یہ اہمیت اور باتیں کرنا تو عام ہیں۔ اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور نہ میں نے آپ سے کبھی اظہارِ محبت کیا۔''

میں بلکل چپ ہو گیا۔ اس کی بات میں صداقت تھی کہ اس نے واقعی مجھ سے کبھی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ یہ تو میں نے ہی اندازہ لگایا ہمیشہ۔

''میری تو منگنی ہو چکی ہے پچھلے سال۔ اور میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔ اور میں شرمندہ ہوں کہ میری توجہ اور اہمیت کو آپ نے غلط مطلب میں لیا۔ میں یہ دوستی آج ختم کرتی کیونکہ یہ سب جاننے کے بعد دوستی رکھنے سے آپ کو ہی تکلیف ہو گی۔'' اس نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

اور میں وہیں رہ گیا۔ بلکل تنہا۔

☆.....☆.....☆

رخسار کے میری زندگی سے جانے کے بعد جیسے ساری خوشیاں ہی چلی گئی۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ میری نہیں ہے اور نہ میری ہو سکتی ہے۔ میں جیتے جی ہی موت کی اذیت سے گزر رہا تھا۔ دن گزرتا تھا اور میں گزار لیتا تھا۔ بہت دفعہ دل کیا کہ رخسار سے بات کروں مگر رخسار کی آخری بات یاد آ جاتی۔ اس نے واقعی ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس

سے مجھے تکلیف ہی ہو گی۔ امی کا میری شادی کے لیے اصرار بڑھ رہا تھا مگر میں کسی صورت راضی نہیں ہو رہا تھا۔ میں کیسے مان جاتا اتنی جلدی؟ ابھی تو رخسار کا چہرہ، اس کی باتیں اس کی یادیں میرے دل سے معدوم بھی نہیں ہوئی تھی۔

کبھی کبھی اپنے دل پر غصہ آتا کہ کیسے اس نے اتنی جلدی کسی انسان سے اتنی امیدیں وابستہ کر لیں، کیسے اس نے ایک انسان کے بارے میں اتنی خوش فہمیاں پال لیں۔ اگر میرے دل نے اتنی بڑی غلطی نہ کی ہوتی تو میں آج خوشی خوشی جی رہا تھا اور امی کی خواہش پوری کر دیتا۔

میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ کوئی علاج کوئی مرہم کارآمد ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ اور اس سب میں امی نے مجھے مونا نامی لڑکی کی تصویر دکھا کر اس سے شادی کرنے کے بارے میں رائے لی۔ میں نے انکار کر دیا مگر انکی طبیعت خراب تھی، میں آخری اولاد تھا انکی اس لیے وہ میری خوشی جلد از جلد دیکھ لینا چاہتی تھیں۔ میں نے مجبور ہو کر انکی بات مان لی۔

گھر میں میری شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی۔ میں زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا۔ مجھے گھر میں ہونے والے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے ترس آتا، خود پر بھی اور اس لڑکی مونا پر بھی۔ جو جانے کتنی امیدیں اور خواب لے کر میرے زندگی میں آ رہی تھی مگر اسے میری طرف سے کچھ نہیں ملے گا۔

میں گھر کے ہنگاموں سے دور لاڑکانہ چلا آیا رخسار کے شہر۔ اس کی یادوں کو تازہ کرنے اور اپنے زخموں پر نمک چھڑکنے۔ محبوب کی یاد تو ایسی ہی ہوتی، تکلیف میں بھی مزہ دیتی ہے۔ ایسے ہی ناامیدوں اور غم سے بھرے دن، میں لاڑکانہ کے ہوٹل میں بیٹھا تھا۔ جب مجھے وہم گزرا کہ سامنے والی ٹیبل پر رخسار بیٹھی ہے، میں نے اٹھ کر دیکھا تو وہ رخسار ہی تھی مگر اکیلی نہیں تھی۔ میں بے صبری سے اٹھ کر اس کی طرف آیا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ فون کان سے لگائے میرے سامنے سے گزر گئی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا، مجھے افسوس ہوا کہ میں اسے دیکھنے کے باوجود بھی اس سے بات نہیں کر سکا۔

میں نے سامنے اس ٹیبل کو دیکھا جہاں سے وہ اٹھی تھی، اس ٹیبل پر ایک آدمی بھی بیٹھا تھا شاید وہ اسی آدمی سے ہی بات کر رہی تھی۔ میں رخسار کو دیکھنے میں اتنا کھو گیا تھا کہ اس کی موجودگی کو محسوس ہی نہیں کر سکا۔

شاید یہ ہی رخسار کا منگیتر ہو۔ میں نے سوچا۔ میں نے اس آدمی کو دیکھا تو مجھے وہ دیکھا دیکھا سا لگا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ وہ تو میرے کالج کا دوست اظہر ہے۔ میں اس ملنے کے لیے آگے بڑھا، وہ بھی مجھے دیکھ کر پہچان گیا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔

''کیسے ہو تم؟'' اس نے گرم جوشی سے میری خیریت پوچھی۔

''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔''

''میں بھی ٹھیک۔''

''یہ کون تھی؟'' میں نے رخسار کے بارے میں پوچھ لیا۔

''تمہاری ہونے والی بھابھی!'' وہ مسکرایا۔

مگر میں مسکرا بھی نہ سکا۔ میری محبت میرے دوست کی منگیتر تھی۔ یہ خیال ہی اذیت سے بھرا تھا۔

http://www.urdubooks.net/
http://www.urdutube.net/

SCLD
SCHOOL OF COGNITION
& LANGUAGE DEVELOPMENT
(EARLY CHILDHOOD INCLUSIVE EDUCATION SCHOOL)
• Montessori • Kindergarten • Remedial education • Daycar
• Speech therapy • Inclusive education • Play group class

Plot No-22, CP & Barar Co-Operative
Housing Society, Off Amir Khusro Road,
Near Tahir Medical Center, Karachi.
03202632430, 03343117002
scld@yahoo.com scld@yahoo.com

''میں بہت جلد اسے پرپوز کرنے والا ہوں۔''

''کیا مطلب؟ تمہاری منگیتر نہیں ہے یہ؟'' میں چونکا۔

''نہیں نہیں۔ یہ میری دوست تھی پہلے مگر اب صرف دوست نہیں رہی۔ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی محبت کرتی ہے مجھ سے۔''

''مگر میں نے اسے اپنی دوست کی شادی میں دیکھا تھا اور یہی سنا تھا اس کے بارے میں کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔'' میں نے سچ جاننے کے لیے فرضی کہانی بنائی۔

''نہیں! کوئی منگنی نہیں ہوئی یار۔ میں ایک سال سے جانتا ہوں اسے اور اس کی فیملی کو۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

''ہاں غلط فہمی ہی تو ہوگئی تھی۔'' میں اس سے کہہ کر اس کے پاس سے آگیا۔

سب کچھ میرے سامنے کھل کر آچکا تھا۔ رخسار کے خوبصورت اور معصوم چہرے کے پیچھے اسکا گھناؤنا چہرہ تھا۔ اب سب واضح تھا کہ رخسار نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ اس نے دوستی کے نام پر وقت گزاری کی تھی۔ اس نے اپنی لگاوٹ بھری باتوں سے میرے دل میں اپنی محبت جگائی اور جب میں نے اظہارِ محبت کیا تو جھوٹ بول کر اور میرے لیے ہمدردی دکھا کر بہت چالاکی سے مجھ سے جان چھڑا گئی۔ اس نے بہت بڑا دھوکہ کیا تھا میرے ساتھ، اور شاید یہی دھوکہ وہ اظہر کے ساتھ بھی کرنے والی تھی۔

☆.....☆.....☆

مونا حجلہ عروسی میں سرخ جوڑے، گلاب اور موتیوں کے پھولوں میں سجی سنوری بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کے اندر کی خوشی اس کے کھلتے گلاب جیسے چہرے سے جھلک رہی تھی جو اور مزید دلکش بنا رہی تھی۔

''میں تمہیں دنیا کی ساری آسائشات شاید دے سکوں، مگر میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دنیا ہر سکون اور خوشی دوں گا۔'' میں نے محبت سے اسے کہا۔

مونا نے آتے ہی سارے گھر کو سنبھال لیا تھا۔ وہ امی کی دل و جان سے خدمت کرتی اور بدلے میں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ پیار وصول کرتی ہے۔ میرے بہن بھائیوں کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے اور خاندان والوں سے بھی خلوص سے پیش آتی ہے۔ سب اس کے حسن و اخلاق کی مثالیں دیتے ہیں اور مجھ میں تو گویا اس کی جان ہے۔ میرے ایک اشارے پر جان چھڑکتی ہے، ہر دم میری ہر بات پر لبیک کہتی ہے۔ میری زندگی میں مونا کے آنے کے بعد ہی میں نے محبت کی حقیقت کو جانا ہے۔

ہاں یہ حقیقت ہے کہ میں نے رخسار سے محبت کی تھی مگر اس کی اصلیت جاننے کے بعد میں ایک بے وفا کے لیے اپنی ساری عمر کا غم نہیں برباد نہیں کر سکتا تھا۔ سمجھدار ہوتے ہیں وہ لوگ جو محبت میں دھوکہ کھانے کے بعد خود کو بھی اور اپنے سے جڑے دوسرے نئے اور پرانے رشتوں کو تکلیف نہیں دیتے ہیں بلکہ زندگی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میرے لیے مونا خدا کا دیا وہ حسین تحفہ ہے۔ جس کے روپ میں مجھے زمانے بھر کی خوشیاں مل گئی ہیں۔ میں اکثر اپنے رب رحمٰن کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بے پناہ محبت کرنے والی مونا کو شریکِ حیات بنایا۔

☆☆.....☆☆

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

عروس البلاد سے ارسال کردہ غیر معمولی کہانی

پتھر کا صنم

اس کا دل پتھر کا نہیں تھا بلکہ وہ حقیقتاً پتھر کا صنم تھا..... سنگ مرمر سے بنا مجسمہ..... جس کے عشق میں ایک دیوانہ گرفتار تھا.....

زرین ناز

آنکھوں میں محبت کا سمندر سمیٹے وہ والہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اس کے لمبے گھنے بال اس کے کاندھوں پر بکھرے ہوا کے جھونکوں سے لہرا کر کسی آوارہ گرد کی بے قراری کا پتہ دے رہے تھے۔ اس کا نازک وسڈول جسم سفید دودھیا لباس میں اس کے حسن اور پاکیزگی میں اضافہ کررہا تھا اس کے جسم کی جوانی سے بھرپور گرم حرارت کو وہ دور سے بھی محسوس کررہا تھا پھر ایک ادائے دلربائی اس نے انگڑائی لی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اٹھلاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی اور حکایت اللہ کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں جذبات کی شدت سے اس کی سانسیں تیز ہوگئی تھیں اور ایسے مسحور کن لمحے میں وہ ایک تیز آواز سے چونک گیا تھا۔

''سورج سر پر آنے والا ہے اور تم پڑے اینٹھ رہے ہو، چلو جلدی کرو فیکٹری سے لیٹ ہوجاؤ گے۔ تمہارا تو روز کا یہی مسئلہ ہے جب تک چیخ چیخ کر تمہیں نہ جگاؤں تمہاری آنکھ ہی نہیں کھلتی۔''

حکایت اللہ کی بیوی نسیمہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے اٹھ رہا ہوں نیک بخت، چیختی کیوں ہے۔'' حکایت اللہ نے بھی ناگوار لیکن دھیمے لہجے میں کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

''ناشتہ میز پر رکھا ہے اور تمہارا کھانا بھی۔'' نسیمہ نے روزانہ والا جملہ بولا۔

''میں گھر کی صفائی کررہی ہوں جلدی اٹھو اور فیکٹری کا راستہ پکڑو۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی اور حکایت اللہ جماہی لیتا ہوا بستر سے اٹھ گیا تھا۔

نسیمہ اور اس کی شادی کو بائیس سال گزر چکے تھے تب وہ خوبصورت نوجوان ہوتا تھا نسیمہ نے اس سے پسند کی شادی کی تھی اس وقت بھی وہ فرمائشیں کرنے کی عادی تھی اور اب بھی یہی روز کا معمول تھا لیکن حکایت اللہ نے کبھی اس کی کوئی فرمائش پوری نہیں کی تھی وہ اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتا تھا کیونکہ ایک فیکٹری میں معمولی ملازم تھا تنخواہ بہت کم تھی جس میں گزارا مشکل سے ہوتا تھا شادی کے کچھ عرصے بعد بھی نسیمہ کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی تھی کہ حکایت اللہ اپنے حالات کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کچھ عرصہ تو وہ ان حالات سے سمجھوتہ کرتی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ چڑچڑی ہوگئی اور جھنجلاہٹ اس کے مزاج کا حصہ بن گئی حکایت اللہ کو برا بھلا کہنا اور اپنے مقدر کو کوسنا اس کا شیوہ بن گیا اور حکایت اللہ نے بھی اس ناگوار تبدیلی کو اپنی زندگی کے لازمی حصے کے طور پر قبول کرلیا۔

''ارے کیا پھر سوگئے؟'' اچانک نسیمہ نے کمرے سے ہانک لگائی۔

''بس جارہا ہوں۔''

''اب ناشتہ ہی کرتے رہو گے بہت دیر ہوگئی ہے۔'' نسیمہ نے ٹوکا۔

''ہاں ہاں جارہا ہوں۔'' حکایت اللہ نے میز سے اپنا کھانے کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اسے اپنی کاہلی اور سستی کی وجہ سے اکثر فیکٹری پہنچنے میں دیر ہوجاتی تھی۔

نینداب بھی اس پر سوار تھی وہ آہستہ روی سے راستہ طے کررہا تھا کچھ دور جاکر وہ رکا اور اپنی کنجی چندیا کھجائی انداز ایسا ہی تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو لیکن پھر آگے چل پڑا تھا وہ جس علاقے میں پہلے رہتا تھا وہاں اس کی خاصی شناسائی تھی راستے میں کوئی نہ کوئی لفٹ دینے والا اسے مل جاتا تھا اور اسے فیکٹری تک چھوڑ دیتا تھا لیکن اب وہ ایک نئے علاقے میں شفٹ ہوگیا تھا۔ فیکٹری اب پہلے کے مقابلے میں اس کے گھر سے زیادہ قریب تھی لیکن کوئی لفٹ دینے والا نہیں تھا چنانچہ یہ مختصر راستہ بھی پیدل طے کرنے کی وجہ سے اسے طویل لگتا تھا اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی چلنے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

میں جوانی جیسی تیزی اور کام میں پہلے جیسی پھرتی نہیں رہی تھی لیکن ذہن میں حسین و دلکش دوشیزاؤں کا جھمیلا اکثر لگا رہتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ نسیمہ ایک معمولی شکل وصورت والی عورت تھی جو کبھی خود کو سجانے سنوارنے کی زحمت نہیں کرتی تھی جبکہ حکایت اللہ نے ہمیشہ ہی الھڑ حسین اسپراؤں کے خواب دیکھے تھے۔

''ارے بزرگو ذرا دھیان سے۔'' قریب سے گزرتی کار کی کھڑکی سے ڈرائیور نے چیخ کر اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر دیکھا وہ بے دھیانی میں فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک پر آ گیا تھا اور کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ جلدی سے سنبھل گیا اور تیز قدم اٹھاتا فٹ پاتھ پر چڑھ گیا کچھ دور جا کر وہ کونا مڑا تو فضا میں مچھلیوں کی بو محسوس ہونے لگی جو اس بات کی علامت تھی کہ اس کی منزل قریب آ گئی ہے اب فشری فیکٹری اور اس کے درمیان ایک سڑک حائل تھی اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ماری آٹھ بجنے میں دس منٹ تھے اب اسے دو بلاک اور آگے چل کر جانا تھا اس نے شارٹ کٹ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ڈیوٹی پر پہنچنے سے لیٹ نہ ہو جائے کیونکہ کئی بار اس کا باس لیٹ ہونے کی وجہ سے اس پر برہم ہو چکا تھا اس نے شارٹ کٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر ماری تو اسے پارک نظر آیا جس کی موجودگی کو اس نے پہلے محسوس نہیں کیا تھا اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ اس پارک سے گزر کر جائے گا تو سڑک پر موجود ٹریفک کے اژدھام سے بھی بچ جائے گا اور راستہ بھی جلدی طے ہو جائے گا چنانچہ وہ پارک میں داخل ہو گیا۔

پارک میں جگہ جگہ سرسبز و گھنے درخت بہار کا سماں پیش کر رہے تھے جگہ جگہ خودرو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں لیکن کیاریوں میں رنگ برنگے پھول بھی مالی کے سلیقے کا پتہ دے رہے تھے گھاس کے درمیان چلنے کے لیے پتھروں سے سجا ہوا خوبصورت راستہ بنا تھا جو پارک کے درمیان میں موجود ایک تالاب تک جاتا تھا جس کے درمیان میں ایک چبوترہ بنا تھا جس پر مصنوعی پتھروں سے بنے چھوٹے سے ٹیلے پر گھنی جھاڑیوں کے بیچ ایک مجسمہ آویزاں تھا اور وہ مبہوت اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

سفید موتیوں جیسے چمکدار سنگ مرمر سے بنی وہ دوشیزہ اس کے حواسوں پر چھا گئی وہ سب کچھ بھول گیا یہ تو وہی تھی..... اس کے خوابوں کی ملکہ..... اس کے تصور کی رانی..... اس کے دکھوں کا علاج' اس کے تخیل کی شہزادی' اس کے بال چہرے کو چھوتے ہوئے نیچے اس کے سینے تک بکھر رہے تھے ہاتھ فضا میں یوں بلند تھے جیسے دعا کے لیے اٹھے ہوں جن کی ہتھیلیوں سے پانی کی ایک پتلی سی دھار بہتی ہوئی نیچے تالاب میں گر رہی تھی وہ آرٹ کا بیش بہا نمونہ تھی اور اس بے ہنگم شہر میں ایک حسین شاہکار سے کم نہیں تھی حکایت اللہ بے یقینی سے اس دلکش خوبصورتی کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ اس کے لیے رنگ و نور کا بے بہا خزانہ تھی وہ اسے دیکھنے میں اتنا منہمک ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا اسے لگا جیسے وہ دوشیزہ اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کی روح میں جھانک رہی ہو اچانک کسی گاڑی کے ہارن کی آواز پر وہ چونکا اور پھر گھڑی کی طرف دیکھا اب آٹھ بجنے میں صرف دو منٹ تھے۔

''اوہ نہیں..... میں پھر لیٹ ہو جاؤں گا۔'' اس نے فکرمندی سے کہا اور تیزی سے فیکٹری کی

طرف بڑھا لیکن سڑک کراس کر کے جب اس نے فیکٹری میں قدم رکھا تو وہ لیٹ ہو چکا تھا اس کا باس اس کا منتظر تھا اور حکایت اللہ پر نظر پڑتے ہی اس نے بھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔

''تم پھر لیٹ ہو حکایت اللہ.....'' باس نے غصے سے کہا اور حکایت اللہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا تم دیر سے آنے کی وجہ بتانا پسند کرو گے؟'' باس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''مم..... میں..... معافی چاہتا ہوں۔'' وہ ہکلایا۔ باس اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اسے چبھتی ہوئی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے مزید وضاحت چاہتا ہو۔

''دراصل..... میں پارک کی طرف کے راستے سے آ رہا تھا کہ جلدی پہنچ جاؤں کہ اچانک میری نظر اس عورت پر پڑ گئی..... میرا مطلب ہے اس مجسمے پر..... میں نے..... اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت عورت نہیں دیکھی۔''

''ایک مجسمہ.....؟ تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ تم اس لیے لیٹ ہو گئے کہ ایک مجسمے کو دیکھ رہے تھے؟'' باس نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''وہ بہت خوبصورت تھی باس' یقین کرو..... کسی فرشتے کی طرح لگ رہی تھی۔''

''فرشتے کی طرح.....'' باس نے غصے سے کہا۔

''تم کم عقل..... سست بوڑھے..... تمہیں احساس ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم پارک میں وقت ضائع کر رہے تھے..... اور یہاں ڈوبن مچھلی کو پیک کیے جانے کے لیے تمہارا انتظار ہو رہی تھی؟ تم کب اپنی ذمہ داری کا احساس کرو گے؟ مجھے بتاؤ کہ تم کام کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟'' باس نے تیز آواز میں پوچھا۔

''میں کام کرنا چاہتا ہوں۔'' حکایت اللہ نے دھیمی آواز میں کہا اس نے اپنے ہاتھ اپنی ڈانگری کی جیبوں میں ڈال لیے تھے اور شرمندگی سے فرش کو گھور رہا تھا۔

''دیکھو اگر مجھے تمہاری بیمار بیوی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں بہت پہلے ملازمت سے نکال چکا ہوتا لیکن بار بار مجھے اس کا خیال آ جاتا ہے اور میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں جاؤ..... دفع ہو جاؤ اور جا کر اپنا کام شروع کرو۔ آئندہ لیٹ مت ہونا ورنہ میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔'' باس چیخا اور حکایت اللہ ہمیشہ کی طرح اپنی مچھلی پیک کرنے والی مشین کی طرف بڑھ گیا اور مچھلی میں کنولے کا تیل ملانے لگا' وہ ایک منٹ میں نو ڈبے پیک کرتا تھا جب مشین کی لائٹ سرخ ہوتی تو وہ لیور دبا دیتا جس سے مچھلی کا ڈبہ پریس ہو کر سیل ہو جاتا اور جب مشین کی لائٹ گرین ہوتی تو وہ لیور اٹھا دیتا بس یہی اس کا کام تھا جو وہ بائیس سال سے کر رہا تھا۔

کبھی کبھی اسے اپنا کام بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ ایک خواب دیکھتا تھا کہ ایک روز اسے بہت سی رقم ملے گی جب اس کی لاٹری نکلے گی جس کی ادائیگی وہ اس ملازمت کی تنخواہ سے کرتا تھا۔ کبھی جب اس کا باس اس پر غصہ کرتا تو حکایت اللہ کا جی چاہتا کہ وہ اس کے منہ پر مکا مار دے بعض اوقات وہ کچھ سوچتا ہی نہیں تھا اور خالی الذہن اپنے کام میں مصروف رہتا تھا لیکن آج بہت کچھ مختلف تھا۔ اس کا ذہن بار بار اس مجسمے کے بارے میں سوچنے لگتا تھا جو اس نے پارک میں دیکھا تھا وہ عورت اسے کسی طرح بھی مجسمے جیسی نہیں لگ رہی تھی وہ اس کے لیے اصلی اور خوبصورت دوشیزہ کی طرح تھی جسے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

وقت نے منجمد کر دیا تھا اور جیسے وہ اس کا ہی انتظار کر رہی تھی آج صبح اس دوشیزہ نے اس کے دماغ میں ایسی امید پیدا کر دی تھی جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی وہ جتنا کام کرتا جا رہا تھا اس کا ذہن اتنا ہی اس شاہکار دوشیزہ کے بارے میں سوچتا جا رہا تھا۔

لنچ ٹائم میں وہ اپنا لنچ لے کر پارک میں جا بیٹھا بیٹھنے کے لیے اس نے تالاب کے گرد لگی ہوئی بینچوں میں سے ایک سایہ دار بینچ کو منتخب کیا تھا سامنے مجسمے پر درختوں سے چھن چھن کر آنے والی دھوپ کی کرنیں وقفے وقفے سے پڑ رہی تھیں اور اس کے خدوخال کو نمایاں کر رہی تھیں وہ اس کے سحر میں گم اپنے لنچ کے چھوٹے چھوٹے لقمے لیتا جا رہا تھا وہی آلو بھرے پراٹھے جو اس کی بیوی اسے بائیس سال سے دے رہی تھی جن کے ذائقے سے اسے چڑ ہو گئی تھی لیکن آج اسے ان کے ذائقے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

اس کی آنکھیں دوشیزہ کے ایک ایک انچ کا جائزہ لے رہی تھیں جس کے نازک و زنانہ خدوخال کو آرٹسٹ نے بڑی مہارت سے تشکیل دیا تھا کہ وہ سانس لیتی محسوس ہو رہی تھی اور اسے فلموں میں موجود ہیروئنوں سے زیادہ دلکش و خوبصورت لگ رہی تھی وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ یوں لگ رہی تھی جیسے وہ اس کے لیے ہی مسکرا رہی ہو حکایت اللہ کا دل چاہا کہ وہ اس کے ہونٹ چوم لے اس لمحے دوشیزہ کے بال ہوا سے لہرائے اور اس کے چہرے پر چھا گئے وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آ گئی اور اپنی خوبصورت دودھیا مخروطی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔

''اوہ..... تم کتنی مہربان ہو..... کتنی خوبصورت..... تم میری زندگی میں پہلے کیوں نہیں آ گئیں۔ کاش نسیمہ سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔'' وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح اس سے سرگوشیوں میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا وہ مسکراتی ہوئی اس پر جھک گئی تھی اب وہ اس کی گرم سانسوں کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ اچانک فیکٹری کی طرف دیکھا اور تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ مجسمہ بے نیازی سے اپنی جگہ کھڑا تھا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا فیکٹری کی طرف بڑھ گیا تھا۔

سارا دن وہ اس دوشیزہ کے سحر میں گم رہا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ مجسمہ اس کے لیے زندہ ہو جائے اس سے باتیں کرے اور حکایت اللہ اس کے حسن کو چھو کر محسوس کرے وہ کام کے دوران اس ساحرہ کے خواب دیکھنے میں اتنا منہمک تھا کہ مچھلی ڈبوں میں پیک کرتے ہوئے جلتی بجھتی سرخ اور سبز لائٹوں پر بھی اس کا دھیان نہیں رہا تھا اور کئی بار وارننگ کی بیل بجی تھی جس کی توقع حکایت اللہ سے نہیں کی جا سکتی تھی اس روز باس نے اس کی مشین کی وارننگ بیل کئی بار سنی تھی وہ اپنے آفس کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے دوسرے ورکر ساتھی بھی وارننگ بیل کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

دن کے اختتام پر وہ پھر شارٹ کٹ سے گزرتے ہوئے پارک کے تالاب تک پہنچ گیا اپنے محبوب مجسمے کے قریب رک گیا تھا اور اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا نہ جانے کیوں اس کے قریب جا کر حکایت اللہ کی ساری فکریں پریشانیاں ختم ہو جاتی تھیں اسے ان لوگوں کی بھی پرواہ نہیں تھی جو پارک میں موجود تھے اور اسے عجیب نظروں سے گھور رہے تھے وہ تو بس اس دوشیزہ کے سحر میں گم تھا اچانک اس کے دل میں

گھبراہٹ جاگی تھی کہ وہ بھی اس جیسا ہی ہو اور اس کے پہلو میں کھڑا ہو۔

گھر جاتے ہوئے سارے راستے وہ مجسمے کے بارے میں ہی سوچتا رہا اور جب اس نے اپنے گھر میں قدم رکھا تو اس کی بیوی رات کے کھانے کے لیے میز پر برتن لگا رہی تھی۔

''اوہ..... تو آخر کار تم نے گھر آنے کا فیصلہ کر ہی لیا؟'' نسیمہ نے طنزیہ انداز میں کہا اور معمول سے ذرا زور سے میز پر پلیٹیں رکھنے لگی اس کے غصے کا یہی انداز تھا وہ غصے میں چیزوں کو پٹخنے لگتی تھی اور اونچی آواز میں بات کرتی تھی۔

''میں کچھ وقت سکون سے گزارنا چاہتا تھا۔'' اس نے آہستہ سے کہا اس کی نظریں نسیمہ کے تھکے تھکے زرد چہرے پر تھیں وہ جوانی سے بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔

''مگر کار کا بل آیا تھا اور کرائے کا تقاضا کر رہا تھا..... وہ کئی مہینوں سے چکر لگا رہا تھا اس کے علاوہ بجلی، گیس اور ٹیلی فون کے بل بھی پڑے ہیں جنہیں جمع کروانا ہے۔'' نسیمہ ناگواری سے ایک ایک چیز گنوانے لگی۔

''میں کہاں جاؤں سکون کے لیے؟ تم گھر کے باہر وقت گزار لیتے ہو..... لیکن میں تو سارا دن قرض خواہوں سے نمٹتی رہتی ہوں۔''

''ہاں ..... ہاں ..... دے دوں گا بل بھی۔'' حکایت اللہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''تمہیں تو کسی چیز کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ خدارا جلد یہ سارے کام نمٹا دو مجھ سے بار بار لوگوں کی باتیں نہیں سنی جاتیں۔''

''ٹھیک ہے..... دے دوں گا۔''

''تمہیں پتہ ہے حکایت اللہ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' نسیمہ غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہارے اندر کوئی صلاحیت نہیں ہے تم ایک ناکام انسان ہو۔'' نسیمہ کی اس بات پر حکایت اللہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی شدید غصے میں ہے اور اس حالت میں وہ اس کی کوئی بات نہیں سنے گی وہ اس کا عادی ہو چکا تھا اب اسے اس کی بھی پرواہ نہیں رہی تھی کہ پڑوسی بھی آئے دن ان کے جھگڑوں کی آوازیں سنتے تھے۔

''کاش میں نے بائیس سال پہلے اپنی والدہ کی نصیحت سن لی ہوتی جب انہوں نے مجھے تم سے شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے اپنی ضد پوری کر لی تھی وہ ٹھیک کہتی تھیں کہ تم ایک ناکام انسان ہو اور زندگی میں کبھی مجھے کچھ نہیں دے سکو گے۔'' نسیمہ بات کرتے کرتے رکی اور پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں' میری والدہ اس ہفتے آ رہی ہیں وہ کچھ دن میرے پاس رہیں گی۔'' نسیمہ نے کہا۔ اور حکایت اللہ کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی لیکن نسیمہ کو اس کی پرواہ نہیں تھی وہ اپنی بات مکمل کر کے کچن میں چلی گئی تھی۔

حکایت اللہ جانتا تھا کہ نسیمہ کی والدہ کے آنے کے بعد ان کے چھوٹے سے گھر میں اس کے سونے کے لیے جگہ نہیں ہو گی اور اسے باہر سونا پڑے گا پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور وہ زیر لب مسکرا دیا تھا اسے پارک میں موجود دوشیزہ یاد آئی تھی جس کا قرب اسے سکون بخشتا تھا وہ اسے پسند کرنے لگی تھی اور اس بے وفا دنیا میں اس کے لیے پناہ کا ذریعہ تھی۔ اس رات دیر تک وہ اپنے گھر کی بوسیدہ اور جھڑتی ہوئی دیواروں کو تکتا رہا اور اپنے بارے میں سوچتا رہا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

وہ پہلے کے مقابلے میں خاصا موٹا اور بھدا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے نے اس پر بھی غلبہ جمالیا تھا جبھی نسیمہ بھی اسے قابل توجہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پارک میں کھڑی دوشیزہ جو جوان اور خوبصورت تھی اسے بھا گئی تھی اسے اس خیال پر چند لمحوں کے لیے شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ خود بوڑھا ہونے کے باوجود اتنی خوبصورت اور جوان دوشیزہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ وہ حسینہ بھی تو اسے پسند کرتی ہے۔ اس کی بات سنتی ہے اور اسے ایک ناکام انسان نہیں سمجھتی۔

اس رات حکایت اللہ کو نیند نہیں آئی علی الصبح وہ بستر سے اٹھ گیا اس وقت بھی پارک میں موجود مجسمے کے بارے میں سوچ رہا تھا اس نے نسیمہ کی طرف دیکھا وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی سڑک پر روشن لائٹوں کی دھندلی سی روشنی کمرے میں آرہی تھی جس نسیمہ کا جھری زدہ چہرہ اور بھی بدنما لگ رہا تھا حکایت اللہ کو پچھتاوا محسوس ہوا کہ اس نے نسیمہ سے شادی کیوں کی تھی اب وہ اس کے اور اس کی محبوبہ کے راستے کی رکاوٹ تھی اسے حکایت اللہ کے دیر سے گھر آنے پر اعتراض تھا جبکہ وہ اس دوشیزہ کی طرح خوشی نہیں دے سکتی تھی۔

صبح ہونے سے کچھ دیر قبل حکایت اللہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کرلیں جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا اب وہ پھر دوشیزہ کے سامنے موجود تھا لیکن اب وہ پتھر کا مجسمہ نہیں بلکہ جیتی جاگتی الہڑ حسینہ تھی۔ گوشت پوست کی حسینہ جس کے سینے میں دل دھڑک رہا تھا جس کی بانہوں میں زندگی کی حرارت تھی بالکل اسی کی طرح..... وہ باوقار انداز میں تالاب میں بنے چبوترے سے نیچے اتری اور پھر فضاؤں میں اڑتی ہوئی اس کی بانہوں میں آ گئی اس کی آنکھیں محبت سے حکایت اللہ کی روح میں جھانک رہی تھیں اور اس کے جسم کی مسحور کن خوشبو اسے اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی وہ اس کے عشق میں گم تھا اور حسینہ اس پر اپنی محبت نچھاور کر رہی تھی جب حکایت اللہ کی آنکھ کھلی تو اس پر عجیب سا سرور چھایا ہوا تھا وہ فیکٹری جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے گنگنا رہا تھا بات بات پر ہنس رہا تھا اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ نسیمہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن اسے نسیمہ کی کوئی بھی پرواہ نہیں تھی۔

اس صبح دفتر جاتے ہوئے وہ نسیمہ کی نظریں بچا کر بیڈ روم سے اس کے سجائے ہوئے پھول لے گیا تھا اور انہیں اپنی محبوبہ کے قدموں میں نچھاور کر دیا تھا اور پھر اس کا چہرہ دیکھنے میں منہمک ہو گیا تھا وہ ہمیشہ کی طرح اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی حکایت اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سلام کیا تھا اور فیکٹری کی طرف بڑھ گیا تھا پارک میں بینچ پر بیٹھا ایک شخص اسے مجسمے کے قدموں میں پھول رکھتے اور سلام کرتے دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے لیکن حکایت اللہ اس سے بے خبر فیکٹری کی طرف جا رہا تھا۔

جب وہ فیکٹری پہنچا تو باس اس کا منتظر تھا اور گھڑی دیکھ رہا تھا حکایت اللہ کو احساس ہوا کہ اس پر مشکل وقت آ چکا ہے۔

"تم کیسے ہو حکایت اللہ؟" باس نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میں نے سنا ہے کہ تم یہاں سے فارغ ہو کر فالتو وقت اور اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہو؟"

"نہیں..... ایسا تو نہیں۔" حکایت اللہ نے

تم غلط کہتے ہو..... مجھے نسیمہ نے .....اس کا کہنا ہے کہ تم یہاں سے واپسی لیٹ پہنچتے ہو..... آج بھی تم لیٹ آئے خر تم کہاں وقت ضائع کرتے ہو؟"

اس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ پارک میں زہ میری منتظر ہوتی ہے..... وہ مجھے پیار ہے..... مجھے دیکھ کر مسکراتی ہے۔"

کون دوشیزہ؟" باس نے حیرت سے

وہی..... جو تالاب کے درمیان کھڑی

وہ سنگ مرمر کا مجسمہ جو وہاں آویزاں م اس کی بات کر رہے ہو؟" باس نے سے پوچھا

وہ مجسمہ نہیں ہے باس..... وہ جیتی جاگتی ت حسینہ ہے۔"

تم پاگل ہو گئے ہو حکایت اللہ..... عقل ن لو..... میری بات سنو..... اگر تم سنجیدہ ے تو میں تمہیں ملازمت سے نکال دوں

اس..... میرا یقین کرو..... وہ بہت اچھی

دیکھو حکایت اللہ! میں تمہیں تنگ کرنا نہیں ہاری جگہ کام کرنے کے لیے کسی کو بھی ہوں میرے پاس چھ امیدوار ہیں جو رہے ہیں کہ انہیں کب موقع ملے..... کو دماغ میں رکھنا..... اور جاؤ..... اب رو۔" باس کے لہجے میں حقارت نمایاں

روز حکایت کی کوشش تھی کہ وہ اپنا کام پوری توجہ سے کرے لیکن وہ دوشیزہ بار بار اس کے تصور میں جلوہ گر ہو جاتی تھی اور پھر وہ جاگتے میں خواب دیکھنے لگا تھا جیسے وہ کوئی کروٹ پتی ہو اور اس حسینہ کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہوں اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنا چاہتے ہوں لوگ ان پر رشک کرتے ہوں شہر میں ہر طرف ان کے چرچے ہوں ان کے عشق کی مثالیں دی جاتی ہوں۔

پھر وہ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے سے چونک اٹھا تھا اس کی مشین کی وارننگ بیل بجی تھی سب ورکر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اس نے بھی چونک کر اطراف کا جائزہ لیا تھا اور پھر کام میں مصروف ہو گیا تھا اس نے پیچھے پلٹ کر باس کے آفس کی طرف نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ اپنی پشت پر باس کی نظروں کی گرمی کو محسوس کر سکتا تھا۔

لنچ ٹائم میں حکایت اللہ نے اپنی الماری سے اپنا لنچ بکس نکالا تھا اور دوسرے ورکرز کے ساتھ لنچ روم میں چلا گیا تھا وہ آج پارک میں حسینہ کے ساتھ لنچ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے خیالوں میں محو ہونے کی وجہ سے آج اپنا کام بھی پوری توجہ سے نہیں کر سکا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب حسینہ کو برا سمجھنے لگیں جس وقت وہ لنچ روم میں پہنچا یاں بھی وہاں پہنچ گئے تھے اور دور ایک ٹیبل پر بیٹھ کر جس سے اُسے دیکھ رہے تھے حکایت اللہ کو اپنا لنچ بکس روز کے مقابلے میں زیادہ بھاری محسوس ہوا اور جب اس نے اسے کھولا تو اس میں پراٹھوں کے علاوہ ایک مرا ہوا چوہا بھی موجود تھا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور لنچ بکس کو ایک جھٹکے سے نیچے گرا دیا۔ سارے ورکر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اور جب ان کی سمجھ میں معاملہ آیا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تھا تو سب قہقہے لگانے لگے تھے وہ جان گیا تھا کہ کسی نے اس کے ساتھ یہ بے ہودہ مذاق کیا تھا وہ غصے سے چلتا ہوا لنچ روم سے نکل گیا تھا اس کا رخ پارک کی طرف تھا جہاں ہمیشہ اس کے لیے سکون ہوتا تھا۔

وہ پارک میں اپنی مخصوص بینچ پر بیٹھ گیا تھا جہاں سامنے اس کے خوابوں کی شہزادی موجود تھی وہ اپنی جگہ کھڑی ہمیشہ کی طرح معصوم' حسین ادا سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی وہ جانتا تھا کہ دوشیزہ اس کا دکھ جانتی ہے اسے اپنی زندگی سے شکایت تھی جس نے اسے کبھی کوئی خوشی نہیں دی تھی وہ بینچ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کرلیں وہ جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد جب وہ فیکٹری جائے گا تو پھر اسی تکلیف دہ زندگی کا سامنا کرے گا جیسے روز کرتا ہے وہی لوگوں کی چبھتی ہوئی نظریں' باس کی ڈانٹ..... نسیمہ کے طنزیہ جملے..... لیکن..... لیکن کم از کم وہ اس وقت کو سکون سے گزار سکتا تھا کیونکہ اس وقت وہ جس کے ساتھ تھا وہ اس کا پیار تھی..... اس کی چاہت تھی..... اس کی محبوبہ تھی..... وہ پھر بند آنکھوں سے اسے تالاب کے چبوترے سے اترتے دیکھنے لگا تھا اور ایک بار پھر وہ ادائے دل نوازی سے اڑتی ہوئی اس کی بانہوں میں آ گئی تھی۔

اچانک کسی کا ہاتھ اسے اپنے کاندھے پر محسوس ہوا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک پولیس مین اس کے سامنے کھڑا تھا اور غصے سے اس کی طرف ذکھ رہا تھا حکایت اللہ ابھی تک غنودگی میں تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

''تم نہیں جانتے اب لوگ یہاں پارک میں نہیں سو سکتے؟ جاؤ کہیں اور جاؤ..... اپنے لیے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈو۔'' اس نے کر... میں کہا۔

حکایت اللہ نے اطراف کا جائزہ... غروب ہونے والا تھا اسے دیر ہو چکی تھی... ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اس نے اپنی... طرف دیکھا پونے پانچ بجے تھے وہ... فیکٹری کی طرف بھاگا جب وہ وہاں پہنچا... چھٹی کے انتظار میں کھڑے تھے جو ات... ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر... وقت باس بھی وہاں آ گیا تھا۔

''تمہیں نوکری سے نکال دیا گیا... جاؤ..... تم جا سکتے ہو۔'' باس نے غصے... حکایت اللہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا اس... میں نہیں آ رہا تھا کہ بائیس سال کی نوکری... اس کے ساتھ ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ جانتا تھا... نے بڑی وفاداری سے ملازمت کی تھی وہ... کر مزید پریشان ہو گیا کہ جب اس کی بیوی... چلے گا تو وہ کیا کہے گی وہ اس کا سامنا نہیں...

''سر..... آپ اندازہ نہیں کر سکتے... بیوی بہت برہم ہو گی..... مجھے اس ملازمت... ضرورت ہے۔'' حکایت اللہ نے التجا کی۔

''میں نے کہا کہ تمہیں نکال دیا گیا... یہاں سے جاؤ۔'' باس نے غصے میں کہا۔

اللہ بے حس و حرکت کھڑا تھا اسے لوگوں... سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں وہ اس پر ہنس... تھے۔

''دیکھو عاشق کو.....'' کسی نے کہا۔

''مجسمے کو محبوبہ سمجھتا ہے۔'' دوسرے نے... لگایا۔

''بیوی بوڑھی ہو گئی ہے نا؟'' ایک ا...

...لہ حکایت اللہ کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

''چپ ہو جاؤ..... تم سب کیا بکواس کر رہے ...'' وہ زور سے چیخا۔

''کیا اس دلفریب دوشیزہ سے ملنے گئے تھے ... ہو گئے؟'' اس کا ایک ساتھی ورکر احسن ... کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے ہنسا اور ... اللہ اس پر جھپٹ پڑا اس نے احسن کے ... پر زور دار مکا مارا تھا اور احسن کے منہ سے ... بہنے لگا تھا پھر احسن نے بھی اپنی مدافعت ... ہاتھ چلائے لیکن حکایت اللہ نے اسے مسلسل ... مارنا شروع کر دیے تھے احسن نیچے گر گیا تو ... اللہ نے اسے ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں ... دوسرے ورکرز نے اُسے پکڑ کر قابو کیا اور باس نے ... کر پولیس کو بلانے کا آرڈر دیا یہ سنتے ہی ... اللہ خود کو ورکرز سے چھڑا کر بھاگتا ہوا ... ری سے نکل گیا۔

اس رات اس نے گھر جانے سے پہلے بہت ... آوارہ گردی میں گزارا اس کی ہمت نہ ہوئی ... پاس جانے کی نہیں تھی وہ شرمندہ تھا اس نے ... ساتھی ورکر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا وہ ... دیر شہر کی گلیوں میں بے مقصد گھومتا رہا پھر ... وہ اپنے گھر پہنچا تو اندھیرا پھیل چکا تھا جیسے ... اس نے گھر میں قدم رکھا اس کی نظر نسیمہ پر ... چوکی پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی اور اس ... اندر داخل ہوتے ہی اسے گھورنے لگی تھی اس ... میز کی طرف دیکھا لیکن وہاں رات کا کھانا ... نہیں تھا اس نے قمیض اُتار کر ایک طرف ... اور ٹی وی کی طرف بڑھ گیا ٹی وی آن کیا ... وہ ڈیڈ تھا پھر اس نے کئی بار اس کا بٹن دبایا ... ٹی وی آن نہیں ہوا تو اس نے زور سے اس ... مارا پھر اس کے پیچھے جھانک کر پلگ چیک کیا

تو اس کی نظر کٹی ہوئی لیڈ پر پڑی اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے نسیمہ کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اُس کی حرکتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''فاخرہ کہہ رہی تھیں کہ اس کے شوہر نے بتایا ہے آج تمہیں ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔'' نسیمہ نے پوچھا لیکن حکایت اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اُس نے یہ بھی بتایا کہ تم نے اپنے ایک ساتھی ورکر احسن کو بغیر کسی وجہ کے زدوکوب کیا اور زخمی کر کے اسپتال پہنچا دیا۔'' نسیمہ پھر غصے سے بولی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' حکایت اللہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟'' نسیمہ نے کہا اور حکایت اللہ نے اُسے سمجھانا شروع کر دیا۔

''دیکھو نسیمہ..... میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا..... اس سے ملنے کے بعد میری زندگی ہی بدل گئی ہے..... وہ میری زندگی کا حاصل ہے..... وہ میرا انتظار کرتی ہے۔ میری بات سنتی ہے..... میرے دکھوں پر مجھے تسلی دیتی ہے..... ہر وقت میری منتظر رہ کر جیسے میری یاد میں کھوئی رہتی ہے۔''

''ایک منٹ.....'' نسیمہ نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔

''وہ کون ہے؟''

''وہ..... وہ پارک میں رہتی ہے۔''

''پارک میں رہتی ہے؟''

''ہاں پارک کے تالاب کے چبوترے پر..... وہ یوں کھڑی ہوتی ہے جیسے کوئی حسن کی ملکہ ہو..... وہ چمکدار سفید سنگِ مرمر کی دیوی لگتی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہے۔"

"اوہ میرے خدا..... تم کتنے فضول شخص ہو..... کہیں تم اس پتھر کے مجسمے کی بات تو نہیں کر رہے جو تالاب کے درمیان نصب ہے؟" نسیمہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے مجسمہ مت کہو..... وہ پیار کی دیوی ہے..... حسن کا شاہکار ہے۔ اس سے ملنے کے بعد میری زندگی بدل گئی ہے..... مجھے جینے کا مقصد مل گیا ہے۔" حکایت اللہ بول رہا تھا اور نسیمہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی پھر حکایت اللہ کے خاموش ہونے کے بعد بھی چند لمحے وہ خاموش رہی پھر اچانک جیسے اُسے ہوش آ گیا۔

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پارک میں موجود اس مجسمے کی وجہ سے تمہاری ملازمت چلی گئی؟"

"نہیں نسیمہ! تم میری بات سمجھ نہیں رہی ہو وہ میرے لیے مجسمہ نہیں..... ایک جیتی جاگتی عورت ہے۔ ایک حسین دوشیزہ ہے۔" حکایت اللہ نے کہا۔

"حکایت اللہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ پچھلے بائیس سالوں سے میں تمہارا گھر سنبھال رہی ہوں یہاں صبح سے شام تک نوکرانیوں کی طرح کام کرتی ہوں۔ تمہارے لیے کھانا بناتی ہوں، تمہارے کپڑے دھوتی ہوں، تمہارے گھر کی صفائی کرتی ہوں اور تم میرے سامنے اس بستر پر ڈھیر کی طرح پڑے رہتے ہو کیا یہی تمہاری قدر ہے؟ تم نے میری ساری محنت اور قربانی کو ایک پتھر کے مجسمے پر قربان کر دیا۔" نسیمہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"نہیں نہیں وہ مختلف ہے..... وہ کوئی عام مجسمہ نہیں ہے۔ وہ حقیقت ہے۔ وہ سانس لیتی ہے..... مسکراتی ہے میں سمجھتا ہوں وہ میری ہے۔"

"تم پاگل ہو۔" نسیمہ زور سے چیخی۔

"تم پتھر کے ایک مجسمے کو گوشت پوست کی زندہ انسان سمجھتے ہو۔"

"نسیمہ ایسا مت کہو..... میری بات پر یقین کرو۔" حکایت اللہ نے اُسے سمجھانا چاہا۔

"حکایت اللہ..... میں جھتی ہوں کہ تم انسان کہے جانے کے قابل نہیں ہو..... تم کسی بچے کی طرح اپنے دماغ میں الف لیلیٰ کی داستان سجائے بیٹھے ہو اور چاہتے ہو کہ سب اس پر یقین کر لیں؟"

"میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں..... میں اس کے جسم کی گرمی کو محسوس کرتا ہوں..... اس کی خوشبودار سانسیں مجھے مسحور کر دیتی ہیں..... اس کی پیار بھری نظروں میں جادو ہے..... وہ مجھے دیکھتی ہے اور مجھے سکون ملتا ہے....." حکایت اللہ خودی میں بولے جا رہا تھا۔

"اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ بھی پاگل ہی ہوں گی اسے دینے کے لیے تمہارے پاس کیا ہے؟ تم ہنگم، موٹے، بوڑھے، چڑچڑے بڈھے۔" نسیمہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور حکایت اللہ کا غصہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔

"اس کے لیے ایسی باتیں مت کرو۔" حکایت اللہ نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"اور جس انداز میں تم اس کو بیان کر رہے ہو مجھے لگتا ہے وہ کوئی آوارہ اور بدچلن عورت ہو گی جس نے پارک میں ڈیرا جما لیا ہو گا ایسی عورتیں ہر مرد پر عاشق ہو جاتی ہیں۔"

http://www.books.urdutube.net/

چپ ہو جاؤ نسیمہ.....!" حکایت اللہ غصے

"ایسی بدچلن عورتیں سڑکوں پر بہت پھرتی نے اپنی طرف سے یہ کہانی گھڑلی ہے۔"

اسے چڑانے میں کسر اٹھا نہیں رکھ رہی

اپنا غصہ اتارنے کے لیے اکثر ایسا کرتی

اپنی بات ختم کر کے وہ اُسے غور سے دیکھ

حکایت اللہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کا

رخ ہو گیا تھا اور اس پر جنونی کیفیت طاری

اور نسیمہ اسے اس حالت میں دیکھ کر دل

میں خوش ہو رہی تھی کہ اس نے کسی حد تک

لے لیا تھا۔

تمہیں کیسا لگا جب میں نے اسے برا کہا؟

ٹھیک کہا نا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے جو

میں تمہارے حواسوں پر چھا گئی ہے۔"

نے مزید مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ بدچلن..... بدچلن..... بدچلن ہے۔"

تیز تیز بولتی جا رہی تھی اور غصہ حکایت اللہ کی

سے باہر ہو گیا تھا اچانک اس کی ناک

بننے لگا اور اسے محسوس ہوا۔ جیسے اس کے

میں کوئی چیز پھٹی ہو وہ نسیمہ پر گرا اور اسے

ہوا فرش پر آ گرا نسیمہ چیخ رہی تھی اور

اللہ کے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر تھے وہ

سے اس کا گلا دبا رہا تھا اور نسیمہ کے

غرغراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں اور

ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ رہی تھی اس

تھی کہ کسی طرح وہ اس کا گلا چھوڑ دے

اللہ سختی سے اُسے پکڑے ہوئے تھا وہ

تھی اور اس کے پاؤں بار بار قریب رکھی

رہے تھے وہ اس کے موٹے جسم کے

نکلنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی اچانک

میز پر رکھا ہوا لیمپ ایک جھٹکے سے زمین پر آ گرا نسیمہ کی آنکھیں حلقوں سے باہر آ گئیں اور زبان منہ سے باہر نکل گئی پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا۔

کچھ دیر کے لیے جیسے ہر چیز ساکت ہو گئی تھی حکایت اللہ نے اپنے ہاتھ اس کے گلے سے ہٹا لیے تھے نسیمہ کی آنکھیں چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں اور اس کے ناخنوں کے کھرونچوں سے حکایت اللہ کے چہرے پر جلن ہو رہی تھی کچھ سے خون بھی بہہ رہا تھا جس کے قطرے نسیمہ کے سفید لباس پر ٹپک رہے تھے جن سے جگہ جگہ سرخ دھبے پڑ گئے تھے حکایت اللہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل جائے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے نسیمہ کے ساتھ ایک ظالمانہ سلوک کیا تھا۔

"نسیمہ.....!" اس نے آہستہ سے نسیمہ کو آواز دی جو بے حس پڑی تھی اسی وقت دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی حکایت اللہ سیدھا ہو گیا دستک دوبارہ سنائی دی۔

"نسیمہ.....!" باہر سے فاخرہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا خیریت ہے؟" حکایت اللہ نے اس آواز کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا وہ موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا رہا تھا۔

"نسیمہ..... کیا تم سن رہی ہو؟ کیا تم خیریت سے ہو؟" فاخرہ نے دوبارہ پوچھا۔ حکایت اللہ کو احساس تھا کہ اس کے اور نسیمہ کے جھگڑے کی آوازیں برابر کے گھر میں فاخرہ نے ضرور سنی ہوں گی اس نے فوراً ہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر سے فرار ہو جائے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گلا کھنکھارا

کھڑکی سے عقبی بالکونی میں کود گیا جہاں سے دو منزلہ بلڈنگ سے نیچے اترنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا پچھلے زینے سے وہ چند ہی لمحوں میں نیچے پہنچ کر بلڈنگ سے دور بھاگتا چلا گیا تھا اس نے نسیمہ کے ساتھ جو بھی کیا تھا اس کا اسے بے حد افسوس تھا اس کا ارادہ نسیمہ کو مارنے کا نہیں تھا لیکن نسیمہ نے اسے غصہ دلا کر ایسا کرنے پر مجبو رکر دیا تھا۔

حکایت اللہ جانتا تھا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہے چنانچہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ آیا تھا اور شہر کی مختلف گلیوں' پارکوں میں چھپتا پھر رہا تھا۔ سارا سارا دن ویران علاقوں میں گزارتا اور رات کے وقت شہر کے مختلف ہوٹلوں اور ریستورانوں کے عقب میں موجود کوڑے کے ڈھیروں سے بچا ہوا کھانا کھا کر بھوک مٹا لیتا پھر کسی تاریک گوشے میں دبک کر سو جاتا ایسے ہی اچانک کوڑے کے ایک ڈھیر سے اسے ایک اخبار ہاتھ لگ گیا جس میں اس کی بیوی کی موت کی خبر چھپی تھی اس خبر میں درج تھا کہ اس کی پڑوسن کے بیان کے مطابق اس نے حکایت اللہ اور نسیمہ کے جھگڑے کی آوازیں سنی تھیں جس میں وہ کسی دوسری عورت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جو حکایت اللہ کی زندگی میں آ گئی تھی۔

کئی دن گزرنے کے بعد وہ یوں چھپنے سے تنگ آ گیا اسے ہر لمحے حسین دوشیزہ کی یاد ستاتی رہتی تھی جسے اس نے کئی روز سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جاگتے ہوئے بھی اس کے خواب دیکھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا قرب ہی سکون بخش سکتا ہے راتوں کو جب وہ سڑکوں پر آوارہ گھوم رہا ہوتا تھا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے دوشیزہ اس کے ساتھ ہی موجود ہو وہ اس کی بانہوں کی گرمی' اس کے دل کی دھڑکن اور اس کے جسم کے لمس کو محسوس کرتا تھا' ایسی خواہش دل میں شدت سے ابھرتی تھی وہ پارک کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھاتا تھا پولیس کا خوف اسے روک دیتا تھا وہ جانتا تھا پولیس اس کی تلاش میں ہے اور اس کے اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا جائے گا لیکن پھر کے دل نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ دوشیزہ کیونکہ وہی تو اس کے سارے مسائل' دکھوں پریشانیوں سے اسے نکال سکتی تھی پہلے کی قرب اور اس کی دلکش مسکراہٹ نے حکایت اللہ سکون بخشا تھا۔

''مجھے اس کے پاس جانا چاہیے وہی مصیبت سے نجات دلائے گی۔'' حکایت اللہ ایک رات خود سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ میری آخری امید ہے..... میں طرح مزید زندہ نہیں رہ سکتا' اگر اس نے میری نہیں کی تو میں خود کو پولیس کے حوالے کر گا۔'' وہ بڑبڑایا اور اس نے اپنی محبوبہ کے جانے کا ارادہ پختہ کر لیا۔

اس رات جب شہر کی سڑکیں سنسان حکایت اللہ خاموش سے اپنے علاقے میں جب وہ پارک کے قریب پہنچا تھا تو اس کے دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں ہر طرف اندھیرے خاموشی کا راج تھا' پارک کی لائٹس بھی بند نے سوچا شاید رات کے اس پہر ان لائٹوں کر دیا جاتا ہو وہ دبے قدموں پارک میں داخل اور انداز سے تالاب کی طرف بڑھنے لگا چند میں وہ اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ گیا تھا تالاب قریب کھڑے ہو کر اس نے مجسمے پر نظر ڈالی اندھیرے کے باعث اسے صرف ایک ہیولا سا نظر وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنی مخصوص بینچ پر بیٹھ گیا

طرف دیکھ کر اسے مخاطب کیا۔

اے میری محبت۔'' اس کی آواز اسے پارک میں گونجتی محسوس ہوئی۔

میری زندگی' میں بہت پریشان ہوں' میری میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ میری ملازمت لی' میری بیوی اس دنیا سے چلی گئی' پولیس میری میں ہے اور میں تمہارے سامنے بے یار و مدد بیٹھا ہوں۔'' وہ خاموش ہو گیا کچھ دیر بعد اس کہنا شروع کیا۔

''اب میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے جہاں میں لے سکوں یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میری صرف اور صرف تمہارا حسن' تمہاری تمہاری مسکراہٹ اور تمہارا پیار اس کا ذمہ میں تمہیں بے انتہا چاہتا ہوں اور شاید تم بھی سے اتنی ہی محبت کرتی ہو کیونکہ تم نے کئی بار مجھ اس کا اظہار بھی کیا ہے' میں تمہارے خلاف کسی کا ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس کا میری بیوی کی موت ہے جو تمہاری برائیاں تھی میں نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش ..... میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔'' رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے لگ رہا تھا جیسے اس کی محبوبہ توجہ سے اس کی رہی ہو۔

''میں تم سے مدد کی درخواست کرتا ہوں' اپنے حسن اپنی پاکیزگی اور اپنی بے پناہ کا واسطہ ہے مجھے اس مصیبت سے نجات ..... میری زندگی کو سکون بخش دو جسے میں نے عشق میں خود ہی اپنے لیے سوہانِ روح ..... تم میری ہو جاؤ اور مجھے اپنا بنا لو..... میں اور میں تم میں سما جاؤں جیسے ایک جسم لب.....'' حکایت اللہ بولتے بولتے رک گیا جیسے مجسمے کے جواب کا انتظار کر رہا ہو۔ ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا راج تھا سوائے دور سے آنے والی پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازوں کے اس نے پھر مجسمے کی طرف دیکھا۔

''اوہ..... میری محبت.....!'' اس نے پھر بولنا شروع کیا۔

''اگر تم میری آواز سن رہی ہو تو جان لو کہ میں اپنے دل اور اپنی روح کی گہرائیوں سے تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے بچا لو..... اگر مجھ سے محبت کرتی ہو اور میرے عشق پر یقین رکھتی ہو تو میری مدد کرو..... ہمیشہ کی طرح میری پریشانی سے مجھے نجات دلا دو۔'' وہ اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا۔ سائرنوں کی آوازیں نزدیک آتی جا رہی تھیں پھر اچانک حکایت اللہ کو ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی بھاری چیز پتھر کے پختہ فرش پر گھسیٹی جا رہی ہو۔ یہ آواز تالاب پر بنے چبوترے کی طرف سے آ رہی تھی اس نے اندھیرے میں نظریں جما کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کے خوابوں کی دوشیزہ آج حقیقت میں اس کی طرف آ رہی تھی اسے جیسے زندگی بخش دی گئی تھی۔ وہ لمحہ لمحہ اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ فضا میں سنائی دینے والی آواز اس کے فرش پر حرکت کرنے سے پیدا ہو رہی تھی اس کی محبوبہ کے ہونٹوں پر ہمیشہ کی طرح دلکش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بے تحاشہ پیار' حکایت اللہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اسے اپنا دل سینے سے نکلتا محسوس ہوا اس کی التجائیں رنگ لا رہی تھیں اس کی محبوبہ حقیقت میں والہانہ انداز سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی محبت سچی تھی جس نے پتھر کے صنم میں زندگی پھونک دی تھی وہ بے ساختگی سے اس حسینہ کی طرف بڑھا کہ خود تک پہنچنے سے پہلے اسے اپنی بانہوں میں بھر لے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی محبوبہ اس کی بانہوں میں آنے کے بجائے

http://www.urdubooks.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اپنے کئی سو ٹن وزن کے ساتھ اس پر آ گری تھی اور وہ اس کے نیچے دب گیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی لاش کے گرد لوگ جمع ہو چکے تھے جن میں پولیس افسران کی تعداد زیادہ تھی صبح کا سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ چند آوارہ گرد جو پارک میں سوئے ہوئے تھے وہ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے اور پارک کا مالی اور فیکٹری کا چوکیدار بھی مجمع دیکھ کر وہاں آ گئے تھے۔

''ہم کئی روز سے اِسے تلاش کر رہے تھے۔'' پولیس افسر نے حکایت اللہ پر گرے مجسمے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا کہنا ہے کہ تم نے اسے پہلے بھی یہاں دیکھا تھا؟'' پولیس انسپکٹر نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا۔

''جی ہاں جناب جس رات اس نے اپنی بیوی کا قتل کیا تھا اس دوپہر کو میں نے اسے بینچ پر سوتے دیکھا تھا پھر جب میں نے اسے اٹھایا تو وہ یہاں سے بھاگ گیا تھا۔'' پولیس افسر نے جواب دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ مجسمہ اچانک یوں گر جائے..... یہ تو یہاں برسوں سے نصب تھا؟'' پولیس انسپکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اسے یہاں سے نکالنے کا کام ہو رہا تھا جناب۔'' قریب کھڑے پارک کے مالی نے بتایا۔

''شہر کے نئے میئر کے حکم پر اس پارک کو نئے انداز میں سجانے کا کام جاری ہے اس مجسمے کو بھی یہاں سے ہٹانا تھا اس لیے اس کی کھدائی ہو رہی تھی پھر شام ہونے پر مزدور چلے گئے شاید وہ کل اپنا کام مکمل کرتے۔'' مالی نے وضاحت کی۔

''لیکن حکایت اللہ تو اس مجسمے کا دیوانہ تھا۔'' فشری فیکٹری کے چوکیدار نے کہا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟'' پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

''وہ اکثر اس کی خاطر اپنی ڈیوٹی پر دیر ... تھا اسی لیے اسے ملازمت سے بھی نکال دیا گیا''

''کیا مطلب.....''

''وہ فیکٹری آتے جاتے ہوئے اس ... ضرور ٹھہرتا تھا..... کافی کافی دیر اس سے ... کرتا..... اس کے قدموں میں پھول رکھتا لوگ ... پاگل کہنے لگے تھے..... وہ تنہائی میں اس سے ... باتیں کرتا جیسے وہ اس کی محبوبہ ہو۔'' چوکیدار ... ہوئے کہا۔

''فیکٹری میں بھی اگر کوئی اس مجسمے کو برا ... اس سے اُلجھ پڑتا تھا۔''

''گویا وہ جس کا عاشق تھا وہی اس کی ... سبب بنا؟'' انسپکٹر نے کہا۔

''ہاں' اس نے آخری دن فیکٹری میں ... ایک ساتھی کو لہولہان کر دیا تھا صرف اس لیے ... اس کے محبوب سے کا مذاق اُڑا رہا تھا۔'' چوکیدار ... بتایا۔

''حیرت انگیز.....'' انسپکٹر نے کہا۔

کچھ دیر بعد لوگ منتشر ہو گئے تھے اور پا... سے حکایت اللہ کی لاش کے ساتھ مجسمے کو اٹھا... کام شروع ہو گیا تھا حکایت اللہ کی لاش ... میں اور سنگ مرمر کا مجسمہ ایک بڑے ٹرک میں ... سے ایک ساتھ روانہ کر دیے گئے تھے ایک عشق ... کہانی کا انجام ہو گیا تھا ایسا عشق جو بے سا... نامانوس تھا ناممکن اور انوکھا تھا ایک انسان نے ... پتھر کے صنم کو چاہا تھا۔ دور فضاؤں میں کہیں نغمہ گو... رہا تھا۔

پتھر کے صنم' تجھے میں نے' محبت کا خدا مانا
پتھر کے صنم.....

☆☆.....☆☆

نیا سلسلے وار ناول

ایک بہت ہی خاص منفرد موضوع پر دلچسپ تحریر

ریشم کے دھاگے

(قسط نمبر 6)

غیاث الدین غیاث کا خیال

تقاضہ وقت کا ہے یہ کہ لکھو
لکھیں گے ہم کہ ہم راقم ہوئے ہیں

روشانے سبحین مہاروی

... کی بے رخی اُس کے لیے اک سزا تھی۔ اذیت اُس پر ایسی کیفیت طاری کر رہی تھی' جہاں شعور سے ... کے درمیان کی مہین سی لکیر بھی اپنی سمت کھو رہی تھی۔ درد اُس کو ایک نئی دنیا سے متعارف کروا رہا تھا' ... کے بام و در ویرانیوں کے مہیب سائے میں لپٹے ہوئے تھے۔

... یہ کوئی اور سیارہ تھا۔ وہ اپنے مدار سے چھوٹ رہی تھی۔ بے کنار خاموشیاں تھیں اور چیختی ہوئی ... .

... میں پکڑا فون بجتا چلا گیا..... لیکن اُس کا سکتہ نہ ٹوٹا۔

... سے راکھ ہونے کا عمل بڑا اذیت ناک تھا۔

... ونا تھا..... جو پیتل ہو گئی تھی۔

... نظر کی تھی.....!

... نظر انسان کو ولایت کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔

... ہی نظر پھر جائے..... تو نہ خاکی..... نہ نوری..... بس.....! آتش..... وہ آتش..... جسے دھتکار دیا

... اب اُس کی پیشانی پر لعنت تقدیر کی عریانی بن کر کندہ تھی۔ لیکن وہ لعنت تو نافرمانی کی کوکھ سے جنمی ... م سے روگردانی ہوئی تھی۔

... وہ تو نافرمانی کا ارتکاب کرنے کی جرأت بھی نہیں رکھتی تھی۔ کیا وہ اپنے مقام سے گر گئی تھی؟

... نہیں..... تو پھر وہ کیوں دھتکار دی گئی تھی..... جنم دینے والی نے اپنی محبتوں کے سبز آسمان اُس ... کیوں کھینچ لیے تھے۔

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

ں نے اُسے اپنی روح سے توڑ کر بے دخل کر دیا تھا۔

ں.....؟'' فروا نے بے ساختہ اپنی جنم داتا کو پکارا۔

ں نے بے ساختہ پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ آنسوؤں کی ایک لکیر اُن کے گالوں پر نشان چھوڑ گئی۔

جو اُن کی مٹی میں شامل تھی۔ اُن کے ذرے ذرے میں کوتی تھی۔ اس وقت اُن کو ایک بجھا ہوا تارہ

نی شباہت کھو گیا تھا۔ غم و غصہ پھر سے انہیں زنجیر پا کر گیا۔

رہیگم کی آنکھوں سے چھلکتا غصہ فروا کو پھر سے ریزہ ریزہ کر گیا۔

اں..... تمہاری نظر کی بے اعتباری اور بیگانگیت مجھے جہنم کی آخری تہہ میں لے جائے گی۔ میرا

شت کی اکائی بن گیا ہے۔

ت نصیب کی ہے۔ میں تم سے نافرمانی کروں' اِس سے پہلے مر جاؤں پلیز..... تم اِس لعنت کو میری

چیاں مت ہونے دینا..... جو میرے نصیب کی بارشوں کو سوکھا کر دے۔'' وہ بے اختیار اُن کا

کر اُن کے کندھے میں منہ چھپانے لگی۔

ں وہ ہنوز پتھر بنی رہیں..... اور بے ساختہ تھوڑا پیچھے کھسک گئیں۔ فروا کانپ کر رہ گئی۔ ماں کے

وس خوشبو کہیں کھو رہی تھی۔ فروا کو لگا..... وہ اپنے حواس بھی کھو دے گی۔ اُس کے ہر مسام سے

ٹ پڑا

ں.....''

ا کے لبوں نے مبہم سی سرگوشی کی۔ جو کائنات کے ایک کونے سے نکل کر دوسرے کونے تک ایک

ج بن کر پھیل گئی۔

ینے نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ اور فروا کی حالتِ زار کو بھی.....!

نی حد سے نکل گیا تھا۔ وہ اضطرابی انداز میں ہاتھوں کی نازک انگلیوں کو چٹخانے لگی۔

فروا کا سیل فون پھر سے گنگنا اٹھا۔ لیکن وہ کسی ایسی دنیا کے سفر میں تھی۔ جہاں حواس مخمل کی سیاہ

باندھ کر وہ جنگل کے بیچوں بیچ تنہا کھڑے اُس اندھے کنوئیں میں گروی رکھ آئی تھی۔ جس پر سیاہ

ہرہ تھا۔

ینے کا صبر رخصت ہو چلا تھا۔

Pick Up The Phone Damn ۔'' اُس نے فروا کو کندھے سے پکڑ کر

الا

نے فون پر ایک بجھی سی نظر ڈالی۔ اسکرین پر بلنک ہونے والا نمبر پریشے کا تھا۔ اُس نے خاموشی

ر زرمینے کی طرف بڑھا دیا۔ تو آن کا آپشن دیتے ہوئے اُس نے ایک تیز نگاہ نور بیگم پر ڈالی۔ جسے

ے ایک لمحے کو بھی درخورِ اعتنا نہیں جانا۔

لو پری.....''

رمینے.....!''

ی طرف سے پریشے کی آواز آئی۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

''ہاں پری..... زرمینے بول رہی ہوں..... فروا تھک گئی تھی۔ اُس کی آنکھ لگ گئی ہے۔''
فوری بہانہ گھڑا۔
''اُس کا فون میرے پاس ہے۔''
''اچھا..... اُسے بتا دینا..... تیمور کا آپریشن کامیاب ہوگیا ہے..... شکر اللہ کا اب وہ خطرے
ہے۔'' پریشے کی آواز جذبات سے کانپ رہی تھی۔
''اوہ..... تھینکس گاڈ.....''
زرمینے کے حلق سے بے اختیار ایک گہری سانس برآمد ہوئی۔
''ہاں اللہ کا بڑا کرم ہوا ہے..... شکر ہے..... اماں کی دعائیں رد نہیں گئیں۔'' پریشے کا
زرمینے کو بھی پُرسکون کر گیا۔
''تم لوگ کہاں تک پہنچے ہو؟'' دفعتاً اُسے یاد آیا تو استفسار کیا۔
''ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں..... دس پندرہ منٹ تک۔'' زرمینے نے فروا کو بغور دیکھتے ہو
''اوکے..... پھر ملتے ہیں۔''
پری نے فون بند کرتے ہوئے محبت سے کہا۔ نور بیگم بغور اُن کی گفتگو سن رہی تھیں۔ لیکن نا
واضح اظہار کرتے ہوئے زرمینے سے ہم کلام نہیں ہوئیں۔
اور..... فروا کی لاتعلقی بھی ہنوز تھی۔ جیسے وہ اُسی دائرے کے سفر میں ہو..... اُس کی نظر
سے گویا چپک کر رہ گئی تھی۔
پر..... جن سے بھنور باندھ دیے گئے تھے۔
ایک مہر تھی جو تلوؤں پر ثبت کر دی گئی تھی۔
کہ اب اُسے سفر میں رہنا ہوگا..... سفر در سفر.....
بھنور کے سفر کا لامتناہی سلسلہ تھا..... اور..... اور وحشتوں کا جنوں خیز رقص.....!
''خدایا..... اس معصوم لڑکی کے بے پایاں جذبوں کے عوض اُس کی زمین کا سرسبز
رکھنا..... مالک بے شک تو بڑا نوازنے والا ہے۔'' زرمینے نے فروا کے ساکت بت کو دیکھتے
گہرائیوں سے دعا کی۔
''بیگم صاب..... ! گاڑی اسپتال کی طرف موڑلوں' یا سیدو شریف جانا ہے؟'' مصروف
انہماک سے ڈرائیو کرتے ہوئے ڈرائیور نے گاڑی کا سکوت توڑا۔
''DHQ چلو۔'' نور بیگم کا مختصر جواب ماحول کی سرد مہری میں اضافہ کر گیا۔
تیمور کو روم میں شفٹ کیے بارہ گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ وہ اب مکمل طور پر ہوش میں تھا۔
نے اُسے زیادہ بات چیت کرنے سے منع کیا تھا۔
وہ موت کی دیواروں کو ہاتھ لگا کر لوٹا تھا۔
اُس کا دماغ ابھی بھی ماؤف تھا۔ اُس نے موت کو اپنے اتنے قریب دیکھا تھا کہ اپنا زندہ
معجزے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ موت کی وادیوں میں اترنے سے پہلے اُس نے

انسان کے بارے میں سوچا تھا۔ اور وہ تھے اُس کے بابا..... بے ہوشی کے سفر میں حواس کھونے سے
اُس کے لبوں پر صرف ایک نام تھا۔
''بابا.....!''
اور اب جب وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔ اپنوں کے بیچ تب بھی اُس کے لبوں پر وہی نام تھا۔
''بابا.....!''
''بابا.....!'' اُس نے زیر لب دہرایا۔
''بابا کی جان.....!'' ایک پُرحرارت شناسا لمس اُس نے اپنے ماتھے پر محسوس کیا۔
کیا اُس کی سرگوشی میں اتنی طاقت تھی؟
اُس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ اردگرد اپنوں کا جھمگٹا تھا' ہر چہرہ شناسا' ہر چہرہ محبوب'
..... بابا' معید ..... پریشے ..... بی بی جان ..... آغا جان ..... سب اپنے ہی تو تھے۔ جن کے چہرے پر
فکر تھا اور آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر.....!
''تیمور..... میرے بیٹے! زرین گل اُسے ہوش میں دیکھ کر پاگلوں کی طرح دیوانگی سے آگے بڑھیں۔
اُس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے' پریشے انہیں سہارا دینے کے لیے تیزی سے آگے بڑھیں اور
سرے سے اُن کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کان میں سرگوشی کی۔
''اماں..... تیمور کے سامنے آپ نے بالکل نہیں رونا..... ڈاکٹر نے اُسے ہر طرح کے اسٹریس سے
رکھنے کا کہا ہے۔''
پریشے کی سرگوشی میں حد درجہ تنبیہ تھی۔ زرین گل نے بے بسی سے آدم خان کی طرف دیکھا' انہوں نے
ہلا کر جیسے پریشے کی تائید کی۔ زرین گل نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔
''تیمورے..... میرے بچے..... کیسا ہے تُو..... ٹھیک ہے ناں؟'' وہ گلوگیر لہجے میں بولیں۔ اور
ہوں کے پیالے میں اُس کا زرد چہرہ بھر لیا۔ وہ اُن کا لاڈلا تھا۔ اُن کے دل کے دھڑکنے کا سبب تھا۔ اُن
ہاتھوں کی لرزش تیمور خان آفریدی کو یہ واضح کر رہی تھی کہ وہ اُس کی ذات سے جڑا کوئی خسارہ سہنے کی
حمل نہ تھیں۔
''اماں..... ! میں بالکل ٹھیک ہوں..... جس کے ساتھ آپ جیسی محبوب ماں کی دعائیں ہوں اُسے کچھ
سکتا ہے بھلا.....؟''
مدرم آنکھوں اور بوجھل پلکوں کے ساتھ وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولا۔
آدم خان عالم تحیر میں تھے..... ذرا ذرا سی بات پر واویلا مچا دینے والا اُن کا لاابالی سا تیمور اتنا بڑا
ہوگیا تھا کہ اس درجہ Critical Condition میں بھی اُسے اپنی بجائے ماں کی فکر تھی۔
ماحول میں ایک دم سے گھمبیرتا بڑھ گئی تھی۔
زرین گل کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی' کچھ گھنٹے پہلے جب انہیں ڈسچارج کیا گیا تو پریشے نے ہر
کوشش کی کہ وہ انہیں گھر بھجوا دے' لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی تیمور سے جدا ہونے کو تیار نہ تھیں۔
خان نے بھی اُن کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بی بی جان بھی مغموم چہرہ لیے تیمور کی بیڈ سے لگی بیٹھی تھیں۔ جبکہ آغا جان قریب پڑی کرسی پر بیٹھے خاموش کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ اُن کی خاموشی اُن کے حد درجہ اضطراب کی واضح غماز تھی۔

گھر کے دیگر افراد کی طرح اُن کے من میں بھی سوالوں کا جوار بھاٹا تھا۔ لیکن صورتِ حال کی نزاکت انہیں فی الوقت مہر بہ لب رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ چھوٹے بھائی کے مزاج کی گہرائی اور گیرائی سے واقف تھے۔ آدم خان انہیں کس قدر مان دیتے تھے یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ سو وہ اپنی زندگی کا کوئی بھی پہلو اُن سے مخفی نہیں رکھ سکتے تھے۔

اب انہیں صرف مناسب وقت کا انتظار تھا کہ جب وہ آدم خان سے اس گھر پر برپا ہونے والی قیامت کا سبب جان سکیں۔

عمرہ کی ادائیگی کے بعد وہ نہایت خوش اور مطمئن سے گھر لوٹ رہے تھے پاکستان واپس آنے تک اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں ایک دلدوز خبر اُن کی منتظر ہوگی۔

ایئرپورٹ پر انہیں ریسیو کرنے کے لیے صرف معید خان کھڑا تھا۔

''کیا کہیں کچھ غلط ہوا ہے؟'' بی بی جان نے گھبرا کر سوچا اُن کا حساس دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

آغا خان کے لیے بھی گھر کے باقی افراد کی غیر موجودگی انتہائی غیر متوقع تھی' ورنہ تو یہاں دو چار احباب اور رشتہ داروں کا ایسا جم غفیر ہوتا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی۔ وہ بھی معید خان کو تنہا دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

''معید.....!'' بی بی تیزی سے معید خان کی طرف لپکیں۔

''بی بی جان..... میں نے آپ کو بہت مس کیا۔ یہاں پل پل مجھے آپ کی ضرورت رہی۔'' وہ بے اختیاری میں اُن کے گلے لگا تو اُس کی آواز میں آنسوؤں کی گھلی نمی بی بی جان کے ساتھ ساتھ آغا جان کو بھی بے کل کر گئی۔

''معید..... آدم خان اور زرین گل کہاں ہیں؟'' بی بی جان اُسے خود سے الگ کرتے ہوئے تیزی سے بولیں۔

آغا جان بھی استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے' تو وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔

''تم ہم سے کچھ چھپا رہے ہو بچہ؟'' بی بی جان نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے بغور بیٹے کو دیکھا۔ اُس کی غیر معمولی سنجیدگی انہیں ہولائے دے رہی تھی۔

''آپ میرے ساتھ آئیں..... میں آپ کو رستے میں سب بتاتا ہوں۔'' وہ پارکنگ کی طرف بڑھا۔ آغا جان اور بی بی جان نے بھی اُس کی تقلید میں قدم آگے بڑھائے' اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس نے من و عن سارا واقعہ اُن کے گوش گزار کر دیا۔

بی بی جان نے دہل کر خوفزدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''بچہ..... پاگل تو نہیں ہوگیا..... یہ کیا کہہ رہا ہے تُو؟'' بی بی جان نے دل پر ہاتھ رکھ کر جیسے خود کو تسلی دینے کی سعی کی۔

آغا جان بھی شاک سے بے یقینی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

بی بی جان..... تیمور اسپتال میں ہے..... لیکن اب اُس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔'' وہ [illegible] سے بتا رہا تھا۔

زرین گل' بی بی جان اور آغا جان کو اپنے سامنے دیکھ کر بکھر بکھر گئیں۔

''دیکھیں ناں' بی بی جان ہمارے تیمور کے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟'' وہ اُن کے گلے لگ کر یوں آبدیدہ [illegible] کہ بی بی جان انہیں سنبھالتے ہوئے خود بھی رو دیں۔

اور اب تیمور کے ہوش میں آنے کے بعد سب کی جان میں جان آئی۔ وہ بھی سب کی موجودگی میں [illegible] محسوس کر رہا تھا۔ لیکن شدید کمزوری کے باعث بار بار نڈھال سا ہو کر آنکھیں موند لیتا۔

''بابا.....!'' اُس نے دھیرے سے آدم خان کو پکارا' جو اُس کے بالکل قریب کھڑے تھے۔ اُس کی آواز پر فوراً متوجہ ہوئے۔

''بابا..... مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' پپڑی زدہ لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ اُن کی [illegible] دیکھ کر بولا۔

آدم خان نے دیکھا' اُس کی آنکھوں میں اَن گنت سوال تھے۔

[illegible] اُس سے کچھ بھی چھپانا بے کار تھا..... اور نہ ہی وہ اب ایسا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔

''مجھے بھی اپنے بیٹے سے بہت سی باتیں کرنی ہیں..... کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ اب میرا بیٹا بہت [illegible] ہوگیا ہے۔ بہت میچور..... کہ بابا کو اپنے دل کی ہر بات اپنے بیٹے سے کرنی چاہیے۔'' انہوں نے [illegible] سے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُس کی ذات کو جو مان اور یقین دیا وہ تیمور خان آفریدی کو اِس نازک [illegible] میں بھی اندر تک پُرسکون کر گیا۔

گویا بابا اُس سے وعدہ کر رہے تھے کہ وہ اُس کی ساری اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیں گے۔

''خاک سمجھدار ہوگیا ہے..... ویسے کا ویسا ہی ہے..... بدھو' نکما' چھچھورا کہیں کا..... مجھے لگتا ہے بابا کہ [illegible] مجھے تنگ کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے..... اتنا پریشان کیا ہے اِس نے..... دل چاہ رہا ہے کس کے [illegible] لگا دوں..... ہونہہ.....!'' پریشے اُسے گھورتے ہوئے مصنوعی غصے سے چڑ کر بولی۔ تو ماحول کی [illegible] قدرے کم ہوگئی۔

سب کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''تو اِس نکمے بدھو کے لیے رو رو کر آنکھیں اتنی سُجائی ہوئی ہیں؟'' تیمور متورم لہجے میں دھیرے سے

''میرا چپڑ گنجو..... نکما.....!'' پری اُس کے قریب آ کر ماتھے کو چوم کر بولی۔

''یہ تم دونوں نے ہاسپٹل میں بھی لڑنا شروع کر دیا۔'' زرین گل نے یوں اُن دونوں کو ڈانٹا' جیسے اُن کے ساتھ ساتھ خود کو بھی یہ باور کروا رہی ہوں کہ اب پھر سب پہلے سا ہے۔

''ہاں اماں..... اور کیا.....!'' پری نے بازو چڑھائے۔

''کیوں تیمورے؟'' محبت سے بھائی کو دیکھتے ہوئے شامل گفتگو کیا۔

''ہاں پری..... میری پری..... سچ مچ کی پری.....'' کمزوری آواز میں وہ اتنی آہستگی سے بولا کہ

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

پریشے بمشکل سن پائی۔

اُس نے نڈھال سا ہو کر آنکھیں موند لیں۔ شاید وہ تھک گیا تھا زرین گل بے قراری سے آگے بڑھیں، لیکن پری نے فوراً آگے بڑھ کر اماں کو روک دیا۔

"وہ اب ٹھیک ہے اماں..... اِسے ریسٹ کی ضرورت ہے۔ آپ کے بار بار کے ایموشنل ری ایکشن سے وہ مینٹلی ڈسٹرب ہو جائے گا۔ پلیز آپ خود کو پُرسکون رکھیں۔" پری نے ماں کے شانے پر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"دیکھا آپ نے بی بی جان..... یہ پری ہر بار مجھے ٹوکتی ہے..... اب یہ کل کے بچے ہم سے سمجھدار ہو گئے بھئی۔" وہ شاکی نظروں سے پریشے کو دیکھ کر بی بی جان سے بولیں۔

"ہمارا پریشے بہت سمجھدار ہے زرین گل..... تم خواہ مخواہ سے حساس ہو رہی ہے۔" بی بی جان ناصحانہ انداز میں کہتے ہوئے زرین گل کا ہاتھ محبت سے تھپتھپایا۔

"I'm Sorry Ama Doesn't Means To Hurt You۔" پریشے گھبرا کر بولی۔

"ڈاکٹر صاحب ایکچولی یہ Advice کر رہے تھے کہ تیمور کو ہم (Peace Full Environment) میں رکھیں گے، تو وہ جلدی ریکور کرے گا۔ بس اسی لیے میں.....!" اُس نے ادھوری چھوڑ کر اماں کو دیکھا، گویا اُن کی ناراضگی جانچنا چاہ رہی ہو۔

"تم پریشان مت ہو بیٹا..... پتہ نہیں کیوں میرا Temperament ایسا ہو رہا ہے۔" زرین گل چارگی سے بولیں۔

"I Can Understand Ama..... آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔" پریشے نے ماں سے انہیں دیکھتے ہوئے گویا تسلی دی۔

"آدم خان..... ہمارا بہو کچھ زیادہ جھگڑالو نہیں ہو گیا؟" آغا جان کی بھاری آواز کمرے میں گونجی، جہاں زرین گل جھینپ سی گئیں وہاں آدم خان بھی خفت زدہ ہو گئے۔

پریشے کی دبی دبی ہنسی پر بی بی جان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دروازہ پر دستک کی آواز کے ساتھ ہی سفید یونیفارم میں ہاتھ میں فائلز پکڑے نرس اندر داخل ہوئی۔

"پیشنٹ کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا ہے..... اور پلیز آپ لوگ اب انہیں ریسٹ کرنے دیں..... کم کریں۔" نرس نپے تلے لہجے میں سنجیدگی سے تنبیہ کرتی ہوئی میڈیسن چارٹ دیکھنے لگی۔

"جی بابا..... اب ہمیں تیمور کو ریسٹ کرنے دینا ہوگا....." پری نے بھی نرس کی تائید کی۔

"آدم خان، آپ بہت ریسٹ لیس ہیں۔ پلیز آپ بی بی جان اور آغا جان کے ساتھ گھر جائیں۔ یہاں میں اور پری رُکیں گے اور پھر معید بھی تو ہے۔" آدم خان کی سرخ آنکھیں اور زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر زرین گل متفکر سی بولیں۔

"زرین! تم بھی ہمارے ساتھ چلے گا..... ابھی ابھی بیماری سے اٹھا ہے۔" بی بی جان تحکم بولیں۔ تو زرین گل بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں زرین! یہاں خانم ہے پری کے ساتھ..... تمہیں بھی گھر چلنا چاہیے، کہیں تمہاری طبیعت پھر نہ بگڑ جائے....." آدم خان نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ مزید مزاحمت نہ کر سکیں۔

نرمالہ ارپنا دیدی کو بائے کہنے کے بعد سیدھی معیز کے پاس واپس گئی۔

خلافِ توقع آج روشن اور چمکتا ہوا دن تھا۔ گلاس ونڈو سے روشنی کی کرنیں چھنک چھنک کر اندر آ رہی تھیں۔ اور وہ..... جس کے ہر ہر عضو میں نرمالہ کا دل دھڑکتا تھا۔ نیم خوابیدہ سی حالت میں بیڈ پر پڑا تھا۔

اُس کی پلکیں جڑی ہوئی تھیں..... اور چہرے پر جا بجا نیلے اور گرے جامنی نشان تھے اور اُس کے لب جو سوکھے ہوئے تھے گویا دنیا جہاں کی پیاس اُن لبوں پر ٹھہر گئی ہو..... ایک لمحے کے لیے نرمالہ کے دل کو عجیبی سی خواہش نے جنم لیا..... کہ ان لبوں کو یوں سیراب کرے کہ وہ دنیا کے ہر ذائقے کی تاثیر بھول جائیں۔

وہ دیوانہ وار اُسے تکنے لگی۔

اُس کا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھا اور اُس کی انگلی معیز کے خشک لبوں تک آن رُکی۔

کوئی طوفان تھا جو اُس کے اندر اودھم مچائے ہوئے تھا۔ وہ گرد و مافیہا سے بے نیاز ہو رہی تھی۔

اُس کی انگلی نے معیز کے لمس کو پوروں کے توسط سے نرمالہ کی روح تک یوں پہنچایا کہ وہ ہولے ہولے کانپنے لگی۔ اُسے لگا اِس لمس میں اتنی شدتیں ہیں۔ اتنی حدتیں ہیں کہ وہ اُسے پگھلا کر سونے سے تانبا بنا دیں گی۔

تانبے کی نرمالہ نے پل کی پل پلکیں موند لیں..... لیکن وہ لمس تو جیسے وہیں ٹھہر گیا تھا..... سکوتِ شب سے بے انت اندھیارے کی طرح.....!

بند آنکھوں سے وہ معیز کے چہرے کی طرف جھکی، تو اُس کے ریشمی بال بکھر گئے، سانسوں کا ردھم بکھر گیا۔

"آہ.....!" دفعتاً معیز کے منہ سے اک کراہ نکلی۔

اُس کے چہرے پر جھکی نرمالہ یوں رُکی کہ صدیاں بھی اُس کے ساتھ سانس روکے جیسے تھم گئیں۔

"تم میرے ہونٹوں پر ہمہ وقت رہنے والی دعا ہو..... نرمل سی..... کومل سی..... پاکیزہ سی....." اُس کے کانوں میں ایک سرگوشی گونجی تھی۔

ایسا ہی کوئی جذباتی سا لمحہ تھا، جب ڈوبتی شام اور اترتی رات میں سینٹرل لندن کے ایک پارک میں وہ مغرور پڑا تھا..... اُس کے نمکین حسن کی شدتوں کے سامنے بے اختیار ہوا تھا..... لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسرز کرتا، وہ رک گیا تھا..... جانے کیوں وہ ٹھہر گیا تھا۔

نرمالہ کو یاد آیا..... اُس نے سرخ اسکارف گلے میں لے رکھا تھا، جب وہ اسکارف کھول کر اُس کے سر پر ڈھانپے اُس کے سامنے اپنا سر جھکا گیا تھا۔

اور وہ ساکت ہو گئی تھی۔

نظروں میں کئی سوالوں کی شمعیں جل اٹھی تھیں اور وہ پوچھ بھی بیٹھی۔

"رُک کیوں گئے معیز خان....."

http://www.bookstube.net/
http://www.urdutube.net/

''کوئی اپنے گھر میں چوری کرتا ہے۔'' وہ روزانہ بیٹھا اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھتا تھا۔

اور تب اُسے سے نرمالہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ وہ لندن کی آزاد فضاؤں کی باسی تھی۔ اور وہیں کی Born تھی۔ اُس کا کلچر معیز خان کی ویلیوز سے میچ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ وہاں کی لڑکیوں کے برعکس اپنے اندر حجاب رکھتی تھی۔ جبکہ معیز خان نے بھی کبھی اپنی حد سے تجاوز کرنے کا نہیں سوچا تھا۔

''تم سر سے پاؤں تک میری ہو۔'' وہ نرمالہ کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر بولا تھا۔

''لیکن یہ معیز خان کوئی اور ہے..... یہ نرمالہ بھی کوئی اور ہے..... یہاں سب چلتا ہے..... لیکن معیز خان نرمالہ یہاں کے نہیں ہیں..... اُن کی دنیا کوئی اور ہے۔'' وارفتگی سے تکتے ہوئے اُس نے کہا تھا' اور نرمالہ کو یاد آیا کہ کیسے آگے بڑھ کر اُس نے نرمالہ کی پیشانی کو چوم لیا تھا۔

اور اُس دن بھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ بس وہ رودی تھی۔ اور آج بھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی بس وہ رک گئی تھی۔ جیسے اُس دن اُس کا معیار ایک حد باندھ کر رک گیا تھا۔

اور وہ آج بھی اُس دن کی طرح رو دی تھی۔ ہاتھ بے اختیار گلے میں پڑے اسکارف کی طرف گیا۔ سیاہ اسکارف اُس نے سر پر اوڑھ لیا..... اور نظر بے ساختہ اُس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

نرمالہ کو لگا اُس کی نظر جیسے دھندلا گئی ہو..... وہ نیم جان سی ہو گئی۔

انگلی کی پور سے روح میں اترا معیز خان کا لمس اُس کے اندر رقص کرنے لگا' اُسے لگا جیسے سارا عالم رقص میں ہے..... معیز خان کی روح اُس کی روح سے ہم کلام ہو رہی ہو جیسے.....

وہ نڈھال سی ہو کر بیڈ کے قریب پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی اور پیشانی معیز کے بیڈ سے ٹکا دیا۔

اُس پر عشق وارد ہو رہا تھا..... وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟'' اُس نے خوفزدہ ہو کر خود سے پوچھا۔

''وائے گرو..... یہ کیسا مفت رنگا عشق ہے۔'' اُس نے سر اٹھا کر دیوانگی سے معیز کو دیکھا۔ وہ اُسے اپنے اونچے استھان پر نظر آیا۔

وہ تقدس سے اٹھی اور اُس کے ماتھے سے ایک مقدس بوسہ چرا لیا۔ اُس کی خوشبو اُس کے لمس سے معیز خان کسمسا گیا۔ اور دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تھا جیسے..... لیکن نرمالہ جیسے اپنے ہوش گنوا بیٹھی تھی معیز نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی..... وہ گریز پا کیوں ہو رہی تھی؟

''نرمالہ.....'' اُس نے پکارا.....

''میری جان..... مائی لو..... مائی لائف.....'' اُس کے لہجے میں اتنی حلاوتیں تھیں کہ تانبے کی نرمالہ پھر سے کھرا سونا بن گئی اور اُس کے بازو سے سر ٹکا کر رو دی۔

''کتنا خوبصورت احساس ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ اُس کے لہجے سے نقاہت عیاں تھی۔

''اگر تمہیں کچھ ہو جاتا' تو میں تمہارے بغیر مر جاتی۔'' وہ اور شدت سے رو دی۔ معیز کا ہاتھ اُس کر

لیا۔

''کون لوگ تھے؟ جنہوں نے تمہاری یہ حالت کر دی؟ تمہاری تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی بھی نہیں'' وہ سخت غم زدہ تھی۔ خود کے لیے اُس کا تڑپنا' اُس کی شدتیں معیز خان کے دل کو اِس حالت میں بھی ت دینے لگیں۔

''اِس سے پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ میری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ تو چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُسے رونا دھونا سب بھول گیا۔

''کیا مطلب؟ کون تھے وہ؟ تم انہیں جانتے تھے؟'' وہ ایک سانس میں کئی سوال کر گئی۔

''کچھ پرانا حساب کتاب ہے..... جو میں جلد چکتا کر دوں گا۔'' معیز کی نظروں میں کچھ گھنٹوں پہلے ئے حادثے کی فلم تیزی سے چلنے لگی' تو رگوں میں جیسے بارود دوڑ گیا' اشتعال اور غم سے اُس کی مٹھیاں گئیں۔ نرمالہ نے خوفزدہ ہو کر اُس کے اتنے شدید ری ایکشن کو دیکھا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے..... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی..... ہم پولیس کی مدد لیں گے..... میں تمہیں نہیں ہونے دوں گی..... کبھی نہیں؟''

''I Cant Live Without You۔'' وہ تیز قطعی لہجے میں بولی۔ تو معیز خان کے رجیسے ٹھنڈی ٹھنڈی شبنم گرنے لگی۔

''پر اس کی..... کہ تم مجھے کچھ نہیں ہونے دو گی؟' وہ چاہتوں سا لبریز لہجہ میٹھی میٹھی شرارت لیے ہوئے نرمالہ بش کر گئی شفق کی سرخی اُس کے گالوں کے اطراف اتر گئی۔

''بولو ناں..... کچھ نہیں ہونے دو گی نا مجھے؟'' اُس کا اصرار بڑھا تو نرمالہ نے پلکیں اُٹھا کر اُسے ھا۔

''ہاں کچھ نہیں ہونے دوں گی میں تمہیں..... تمہارے لیے آگ کے دریا بھی پار کر جاؤں گی۔'' وہ بھرے مضبوط لہجے میں بولی تو معیز خان ٹھٹک گیا۔

خوشگوار حیرت تھی یا کچھ اور..... رب جانے.....!

''یہاں آؤ..... میرے پاس.....'' معیز نے اُسے اپنے قریب بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اتنی بدلی بدلی سی کیوں ہو؟'' وہ جانچتی نظر سے بغور دیکھ کر بولا۔

''پتہ نہیں.....'' اُس کے قریب بیٹھ کر وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

''بس اب میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں..... ہر وقت ہر لمحہ.....'' بے بسی سی بے بسی تھی۔

ایسا بانگ دل اظہار اُس کے مزاج کا خاصا نہ تھا۔ معیز پر حیرتوں کے کئی در وا ہو رہے تھے۔ ایک میں ایسا کیا ہو گیا تھا جو اُسے یہ جرأت اظہار بخش گیا تھا۔

''بے بی..... میری جان.....'' معیز نے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن پورا جسم چھوڑا بنا ہوا تھا۔ وہ درد ڈوب کر رہ گیا اور اُس کے منہ سے بے اختیار کراہیں نکل گئیں..... اُس کا سر ڈھلک کر گرنے کو تھا نرمالہ اُسے سہارا دینے کے لیے تیزی سے آگے بڑھی۔!

''معیز.....'' اُس نے فوراً اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ ہیڈ انجری کے باعث معیز کی آنکھوں تلے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اندھیرا چھا گیا۔ اور درد سے سانس جیسے اکھڑنے لگی۔

''Are You Alright?'' نرمالہ تڑپی۔

''میں ابھی ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں.....'' وہ تیزی سے اٹھی۔ جب معیز نے زیرلب اُسے کمزور سی آواز میں پکارا۔

''نرمالہ..... Please Dont Go..... مجھے اکیلا مت چھوڑو۔'' اور نرمالہ جیسے اُس پکار پر وہیں ساکت ہوگئی۔

''لیکن تمہیں بہت درد ہو رہا ہے.....'' وہ بے بسی سے بولی۔

''ڈاکٹر تمہیں پین کلر دے گا' تو تم کافی Better فیل کرو گے۔'' اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر وہ بولی۔

''تم ہی میری ڈاکٹر ہو..... میری مسیحا..... تم پاس رہو گی' تو سب درد ختم ہو جائے گا۔'' بند پلکوں سے اتنی آہستگی سے بول رہا تھا کہ نرمالہ بمشکل سن پائی تھی۔

''تم اب مجھ سے شادی کر لو معیز.....'' اُس کے منہ سے بے ساختگی میں اتنی غیر متوقع بات نکلی کہ بند پلکیں فوراً کھل گئیں اور اُن میں ایک عالم کا تحیر ٹھہر گیا۔

''شادی.....'' معیز نے زیرلب دوہرایا۔

نہ موقع محل' نہ وقت نہ سے' یہ کیسا پرپوزل تھا۔

وہ اتنے عرصے سے Relationship میں تھے' لیکن نرمالہ نے خود سے کبھی یوں پیش قدمی نہیں کی تھی۔ پھر اب.....؟ معیز سوچوں کے دقیق سمندر میں غوطہ زن ہوا تو وہ پھر سے گویا ہوئی۔

''اب تمہارے بنا جیا نہیں جائے گا؟'' معیز خان بے حد مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن شاید حساسیت تھا کہ اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اُس کے لیے دیوانگی کا دوسرا نام 'نرمالہ' تھا۔

وہ خود سے اعتراف کر رہی تھی کہ وہ اُس کی ہونا چاہتی ہے۔

وہ جو اُس کے ساتھ مبتلائے عشق تھی' اِس کے باوجود اُس کے ساتھ کسی بھی بندھن میں بندھنے سے اُلجھنے لگتی' گھبرانے لگتی' کئی تاویلیں گھڑتی' اور اب خود اُس کے ساتھ کی تمنائی تھی۔

وہ درد سے چور تھا نقاہت رگ و پے میں یوں اتری ہوئی تھی کہ اُس کے لیے آنکھیں کھولنا دشوار تھا اور اُسے خاموش دیکھ کر نرمالہ کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔

''کچھ تو کہو..... خاموش کیوں ہو؟'' وہ اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

معیز نے پوری طاقت صرف کر کے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی' وہ وارفتگی سے اُسے ہی تک رہی تھی۔ عجب بے خودی کا عالم تھا۔

''میں ٹوٹا پڑا ہوا..... اور تمہیں شادی کی سوجھ رہی ہے۔'' لبوں پر امڈنے والی بے ساختہ مسکان کو روکر وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''میں جانتی ہوں اسی لیے تو اب ایک پل کے لیے بھی تم سے دوری گوارہ نہیں۔'' وہ دھیرے سے خائف ہو کر بولی۔ اُس کے غصے سے تو وہ ہمیشہ ہی گھبرا جاتی تھی۔

اس کے Innocent Reaction پر معیز کی مسکراہٹ چھپ نہ سکی۔

''کیا بات فقط ایک حادثے کی ہے؟ ترس کھا رہی ہو مجھ پر؟ بے چارہ اکیلا معیز؟'' وہ غالباً پہلے حساب بے باق کر رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے Misunderstanding پیدا ہوتی ہے۔ Please Dont Say Like This۔'' وہ حسب عادت صفائیاں دے رہی تھی۔

اُس کی خواہ مخواہ کی (Explantaon) پر معیز کا دل محبت سے بھر گیا۔ وہ ایسی ہی سادہ مزاج تھی۔

''پاگل تمہاری Leg Pulling کر رہا تھا۔ اور تم سچ میں پریشان ہو گئی۔'' وہ مسکراہٹ لبوں سے چھپائے بند آنکھوں سے گویا ہوا۔

''ایسی حالت میں بھی تمہیں چین نہیں..... مجھے یوں ستا کر کیا ملتا ہے تمہیں۔'' نرمالہ کو سچ مچ کا غصہ آ گیا۔

''میری ایسی کنڈیشن میں تمہیں بھی تو شادی کا شوق چڑھ گیا ہے۔'' معیز نے اُس کے ہاتھ سے اپنی انگلیوں مس کیں۔

''تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟'' وہ مایوسی اور دلگرفتگی سے بولی۔

''میں تمہارے لیے تمہاری ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ جیسے اُسے باور کروا رہی تھی۔

اور معیز خان کو لگا پوری کائنات کے جگنو اُس کے اردگرد محوِ رقص ہیں۔

''اور میں..... میں اپنے لیے تمہارا ہونا چاہتا ہوں۔'' معیز کا لہجہ بوجھل اور گھمبیر تھا۔

''کہیں میں خوشی سے مر نہ جاؤں۔'' معیز کی آنکھوں میں چاہت الوہی روپ میں تھی۔

''I Love You So Much۔'' نرمالہ اُس کی پیشانی سے ماتھا ٹکا کر خوشی سے لرزتی آواز میں بولی۔

''کب میری بنو گی..... کب آؤں تمہیں اپنا بنانے کے لیے..... بولو..... کب کرو گی مجھ سے شادی؟'' معیز خان دھیمے مضبوط لہجے میں مستفسر تھا۔

''ابھی..... آج..... اسی وقت.....'' نرمالہ عجب بے خودی سے بولی تو معیز خان ششدر رہ گیا۔

سب کچھ اتنا غیر متوقع کیوں ہو رہا تھا۔ وہ دنگ تھا۔

''وہاٹ..... آج؟'' اُس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ غالباً نرمالہ کا پاگل پن اُسے اچنبھے میں ڈالے ہوئے تھا۔

دفعتاً نرمالہ کے فون کی بیپ بجی۔ تو وہ معیز کو حیرتوں کے منظر میں ڈوبا چھوڑ کر فون کی طرف لپکی۔ اسکرین پر چمکنے والا نمبر باؤ جی کا تھا۔

''باؤ جی۔'' وہ زیرلب بڑبڑائی۔ ایک طوفان اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے لیس کا آپشن دبایا۔

''کہاں ہو تم کل رات سے؟'' باؤ جی کی دھاڑتی ہوئی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہیلو مس نرمالہ.....!''

(جاری ہے)

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

سرگودھا سے ارسال کردہ جیتی جاگتی تحریر

سنگدل

ایک سنگدل عورت کی کتھا..... جو اپنے
آپ کو زمین پر خدا سمجھتی تھی.....

حامد شکور

زندگی..... کتنی حسین ہے۔ وقت انسان کا دشمن بھی ہے اور دوست بھی' میں اپنے گھر کے صحن میں کھڑی تھی۔ جب میری نظریں نئی کوٹھی پر پڑیں کچھ سوچ کر مسکرا اٹھی۔ پاس کھڑی بیٹی نے پوچھا۔

''مما..... آپ کیوں مسکرائیں؟'' میں اُسے کیسے بتاتی جس گھر کے صحن میں تم کھڑی ہو یہ مجھے ایسے ہی نہیں مل گیا' میں نے بہت کٹھن وقت کاٹ کر اس کو پایا ہے پھر ماضی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مجھے یاد آ گیا۔ جب میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی اور ہر ایک نے مجھے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ یہی نہیں جن کو اپنا جانتی تھی انہوں نے بھی مجھے کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ ابھی چھوٹی سی تھی کہ باپ کا سایہ نہ رہا۔ ماں نے بڑی کٹھنائیوں سے گزر کر پالا۔ میری بہنوں اور بھائیوں کی قسمت اچھی تھی کہ سب سے پہلے ایک بہن کی شادی ایسے لڑکے سے ہوئی جو خود اور اس کی ساری فیملی برسوں سے 'فارن نیشنل' تھے۔ وہ بیاہ کر لندن چلی گئی پھر اسی بہن کے توسط سے ایک بہن اور ایک بھائی کی شادیاں بھی برطانیہ کی 'نیشنل فیملیز' میں ہوگئی اور لندن جا بسے' میں امی کے پاس رہ گئی۔

بھائی لندن سے ترپہ بھجواتے تھے اس طرح ہماری غربت خوش حالی میں بدلنے لگی۔ تایا کا مکان ہمارے گھر سے قریب تھا ان کی دو بیٹیاں تھیں اور دو بیٹے تھے جب آخری بیٹے تقی کی شادی ہونے لگی تو تائی نے کہا۔

''وہ اپنی بھانجی سے اس کا رشتہ کریں گی۔'' اُس لڑکی کا نام سمیرا تھا کافی تیز طرار تھی تبھی تقی کو پسند نہ تھی۔ اس نے ماں کو منع کر دیا کہ آپ کی بھانجی سے شادی ہرگز نہ کروں گا' ہمیشہ کے لیے آپ یہ خیال دل سے نکال دیں۔ ماں کے دل کو بیٹے کی اس بات سے ٹھیس پہنچی اس لیے زیادہ دکھی تب ہوئیں جب تقی نے میرا نام لیا کہ شادی کروں گا تو صرف شفاء سے ورنہ نہیں کروں گا۔ میں تقی کے چچا کی بیٹی تھی اور وہ بچپن سے مجھے پسند کرتے تھے جبکہ تائی کو مجھ سے پتہ تھی۔ وہ جب مجھ کو دیکھتی تھیں ناک بھوں چڑھا لیتی تھیں۔ چونکہ میرا رنگ سانولا تھا کالی کلوٹی کہہ کر

http://www.books.urdutube.net/

http://www.urdutube.net/

حقارت سے منہ پھیر لیا کرتی تھیں۔ ان کے اس رویے سے مجھے بہت تکلیف ہوتی تقی نے میری خاطر بہت اصرار کیا تو تائی سمجھیں کہ میرا ان کے جہیز ادے کے ساتھ کوئی چکر ہے۔

تبھی وہ بھی ضد پر اڑ گئیں کہ چاہے میری بھانجی سے شادی نہ کرو جس کسی سے کہو گے کرا دوں گی مگر شفاء سے ہرگز نہیں۔ اس کے خیال کو دل سے نکالنا ہوگا۔ تقی بھی ضد کے پکے تھے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور گھر چھوڑنے پر تیار ہوگئے تب اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہوگئی اور کسی طور پر میری شادی تقی سے ہی ہوگئی۔ تاہم میرا اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہ تھا۔ میرے سسرال والوں کی غلط فہمی تھی لیکن اس غلطی کی سزا انہوں نے یوں دی کہ دل سے کسی نے بھی مجھے قبول نہ کیا۔

کوئی ایک فرد بھی ہماری شادی پر خوش اور راضی نہ تھا۔ سوائے تایا کے..... ہمت تھی کہ وہی مجھے بہو بنا کر لے آئے اور بیٹے کا انہوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ اس پر ستم یہ کہ مجھ کو کم جہیز کے طعنے ملتے' ظاہر ہے کہ میری ماں کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ بھاری جہیز دے کر رخصت کرتیں۔ تائی کی اور بھی ایک بہو تھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرتی تھیں مگر مجھ سے اللہ واسطے کا بیر پال لیا۔ اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ سارا دن جادو ٹونے کرنے والے عاملوں کے پیچھے پھرتیں کہ میرے بیٹوں کے دماغ میرے قابو میں رہیں جیسا کہوں ویسا کریں اور بیویوں کی ایک نہ سنیں۔

وہ بیٹوں کو ان کی بیویوں کے ساتھ کھانا کھاتے نہ دیکھ سکتی تھیں کسی نہ کسی بہانے کوئی کام کہہ کر اٹھا دیتیں۔ وہ مجھ سے زیادہ کام لیتیں۔ بھاری کام مجھ سے کراتیں سارا دن کام کرتے کرتے تھک جاتی ذرا دیر کو بیٹھ جاتی تو کہتیں۔

''جاشفو..... کھیتوں سے جانوروں کا چارہ کاٹ کر لا۔ صبح سے جانور بھوکے ہیں۔'' وہ مجھے شفو کے نام سے یا کالی کلوٹی کے نام سے پکارتیں۔ وہ بہت سنگدل تھیں کسی پل چین نہ لینے دیتیں۔ میں راتوں کو اٹھ کر روتی۔ دراصل یہ وہ سزا تھی کہ تقی نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ نماز پڑھ کر دعا کرتی۔

''اے اللہ میری ساس نندوں اور جیٹھانی کے دل نرم کردے اور وہ مجھ پر ظلم کرنا چھوڑ دیں۔'' ان کے دل نرم کردے۔ انہی حالات میں میرے دو بچے ہوگئے ان کا خرچہ پورا نہ دیتے تو ماں سے جا کر فریاد کرتی۔ وہ پیسے دیتیں کہ بچے بھوک سے بلکتے ہیں وہ روتے تو ساس ان کو اٹھانے نہ دیتیں' کہتیں۔

''بچے تو روتے ہی ہیں تم بس کام کرو کام' ہاں اگر مہارانی ہو تو ان کو اٹھانے کے لیے آیا رکھ لو مگر تنخواہ تمہاری ماں ہی دے گی۔''

امی اکیلی رہ گئی تھیں بہن بھائی سب انگلینڈ جا چکے تھے لیکن بھائی ابھی وہاں پوری طرح سے سیٹ نہ ہوئے تھے کہ ماں کو بلواتے..... میں ایک ہی گاؤں میں رہ کر بھی ماں کے پاس نہ جا سکتی تھی۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں لیکن مجھے ان کے پاس جانے اور ان کی خدمت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ہر روز میری ساس جھوٹی شکایت کر کے مجھے اپنے بیٹے سے پٹواتیں اور خود بھی مارتیں کیونکہ ابھی تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا کہ تقی نے مجھ سے شادی کیوں کی؟

تب میرے دل سے یہی بددعا نکلتی کہ جیسے یہ میرے ساتھ کر رہی ہیں۔ خدا کرے ان کی بیٹیاں ان کے ساتھ بھی ویسا ہی ہو۔ اتفاق کہ میری دونوں نندوں کی شادی دو سگے بھائیوں سے ایک ہی گھر میں ہوگئی۔ ایک کو تو دو ماہ بعد طلاق ہوگئی اور دوسری چھ سال بعد چار بچے لے کر آ گئی اسے بھی شوہر نے طلاق دی۔ میں ان کی طلاق سے خوش نہ تھی کہ یہ تو اللہ کا انصاف تھا' ناحق انہوں نے میرے ساتھ ظلم کیا تو ان کی بیٹیوں کے ساتھ ویسا ہی ہوا۔ ایک روز انہوں نے میرے جہیز کے برتن اور دیگر اشیاء اٹھا کر گلی میں پھینک دیے اور کہا۔

''نکل جاؤ یہاں سے یہ میرا گھر ہے۔ دوبارہ اس گھر میں قدم بھی نہ رکھنا جیٹھ' جیٹھانی بھی خاموش دیکھتے رہے کسی نے نہ کہا کہ اماں جی..... یہ آپ کیا کر رہی ہیں' نایا وفات پا چکے تھے۔ اسی وقت دفتر سے تقی آ گئے۔

انہوں نے جو ماں کو مجھ پر ظلم کرتے دیکھا اور سامان باہر پڑا دیکھا تو ان کو غیرت آ گئی اور وہ بھی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ باہر نکل آئے وہ ہم کو سیدھے امی کے گھر لے گئے۔

امی بیمار پڑی تھی شاید اللہ نے ان پر رحم کیا تھا جو ہم مستقبل کے لیے ان کے پاس رہنے آ گئے بتاتی چلوں کہ میرے شوہر اور ان کے بھائی کا مشترکہ کاروبار تھا۔ مالی طور پر وہ ان کے محتاج تھے۔ امی نے میرے بھائی کو فون کیا انہوں نے کوشش کی اور تقی کو انگلینڈ بلوالیا۔ وہاں انہوں نے تین برس جان ماری اور پھر ہم کو ملوانے میں کامیاب ہوگئے۔

ایک امیر ملک میں رہ کر چٹنی روٹی کھائی اور کمایا جوڑتے رہے یہاں تک کہ اپنا مکان لینے میں کامیاب ہوگئے۔ انہی دنوں میرے جیٹھ نے خدا لگتی کہ تم اچھی فطرت کی ہو' اللہ کو راضی کرو اور پاکستان

جاؤ تمہاری ساس تم کو بہت یاد کر رہی ہے۔ وہ چند ں کی مہمان ہیں سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئی۔ اس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوا واقعی وہ چارپائی سے لگ گئی تھیں۔

بہو اور بیٹیوں نے خدمت سے انکار کر دیا۔ سب میں کھانا کھلاتی وہ میرے ہاتھ چومتی اور روتی تھیں اور اشارے سے کہتی مجھے معاف کر دو۔

شاید انہیں احساس ہوگیا تھا کہ جس کو سب سے زیادہ حقارت سے دھتکارا وہی آج کام آئی۔ میں ہر بات بھلا کر ان کی خدمت میں لگ گئی اللہ سے دعا کرتی تھی کہ ان کی تکلیف کو کم کر دے..... میں ان کی سکرات دیکھ کر روتی اور ان کی بخشش کی دعا کرتی تھی۔ مولوی صاحب کو بلا کر قرآن پاک کی تلاوت کرواتی۔ مولوی صاحب کہتے اگر انہوں نے حق تلفی کی ہے تو وہ ان کو معاف کر دے تب ان کی تکلیف دور ہوگی۔

معاف تو ہم نے کر دیا پر گھر میں تلاشی لی تو بہت سے تعویذ گنڈے نکلے کچھ پوٹلے کے اندر دبائے ہوئے تھے اور دروازے کے دہلیز میں تھے غرض کئی کونوں سے نکلے جو کہ بیٹوں کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے تھے۔ بیویوں سے ان کی جدائی کے لیے بہرحال ان سب تعویذوں کو عامل کی ہدایت پر ندی میں بہایا اور سب نے انہیں معاف کر دیا تو ان کی تکلیف ختم ہوگئی اور وہ اپنے خالق سے جا ملیں۔ یہ کہانی جو کہ حقیقت پر مبنی ہے بہت سبق آموز ہے۔

کاش اسے پڑھ کر جو خواتین غلطی پر ہیں ان کو سبق ملے۔ وہ ایسے کام نہ کریں جن سے اللہ ناراض ہو اور حقوق العباد مجروح ہوتے ہیں۔ قطع رحمی بھی بڑا گناہ ہے اور میاں بیوی میں پھوٹ ڈلوانا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔

☆☆.....☆☆

ضرورت کیا ہے؟

بات پہ بات بڑھانے کی ضرورت کیا ہے
من کو یوں اپنے جلانے کی ضرورت کیا ہے
بے سبب اشک بہانا نہیں حق میں اچھا
غم کو یوں دل سے لگانے کی ضرورت کیا ہے
میرے احساس کا جب تم کو نہیں کچھ بھی خیال
پھر مجھے اپنا بنانے کی ضرورت کیا ہے
جب صداقت کا نہیں نام و نشاں ہی جس میں
ایسے وعدوں کو نبھانے کی ضرورت کیا ہے
فاصلے تم میں گھٹانے کی نہیں ہے ہمت
پھر ہمیں پاس بلانے کی ضرورت کیا ہے
میری چاہت کا تمہیں اتنا بھروسہ ہے اگر
میں تو حاضر ہوں' زمانے کی ضرورت کیا ہے
اشکِ غم پی کے ہی جینے کا مزا آتا ہے
دولتِ غم کو بہانے کی ضرورت کیا ہے
قدر جذبوں کو سمجھنے کی نہیں ہے من میں
دل میں جذبوں کو جگانے کی ضرورت کیا ہے
خوابِ غفلت میں ہی رہنے کی اگر ٹھانی ہے
ہوش کی شمع جلانے کی ضرورت کیا ہے
مختصر لفظ ہی کافی ہیں سمجھنے کے لیے
پھر تمہیں اور فسانے کی ضرورت کیا ہے
پرخطر راہ کا گر خوف ہے طاری دل پر
دوستی ہم سے نبھانے کی ضرورت کیا ہے
وہ تو رہتا ہے تصور میں ہی اب گم ترے
اپنی چاہت کا یقین اور دلانے کی ضرورت کیا ہے
سرخ ہونٹوں کا کس جب ملا ہے جعفر
دل کہیں اور لگانے کی ضرورت کیا ہے

جعفر خان جمالی

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

ڈرامہ

اُس کی بیوی نے کیا خوب ڈرامہ کھیلا تھا.....

ڈاکٹر طارق محمود آکاش

راشد سر پکڑے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والے اس مسئلے نے اس کے اعصابوں کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ایک کم ہمت انسان تھا یا آزمائش سے گھبراتا تھا۔ اس نے تو زندگی کے ہر امتحان کو بہت صبر سے پار کیا۔ مگر یہ تو آزمائش نہیں سزا معلوم ہوتی تھی۔ ایسی سزا جس سے کوئی بھی راہ فرار نہ مل سکے۔ اس نے بہت سوچا ہر پہلو سے مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔ کوئی راہ نہ سجھائی دی۔ اس کی چند دن پہلے ہی شادی ہوئی تھی مگر اس کی ٹینشن بھری صورت دیکھ کر لگتا تھا کہ اس کے اوپر چار بچوں کی ذمہ داری ہو یا جوان بیٹیوں کی شادی کرنی ہو۔

راشد کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ وہ ایک فیکٹری میں معمولی عہدے پر فائز تھا۔ مگر گھر کے اخراجات احسن طریقے سے چلا رہا تھا۔ ماں باپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی۔ جبکہ ایک بھائی اور بہن اس چھوٹے تھے۔

رشتہ کرانے والی خالہ کے ذریعے راشد رشتہ بسمہ سے طے ہو گیا۔ بسمہ کے گھر وا نہایت شریف لوگ تھے۔ بہت زیادہ نہ سہی مگ پھر بھی ضرورت کی ہر چیز انہوں نے اپنی بیٹی لیے تیار کی اور شادی کی تاریخ طے کر دی۔

بہت ارمانوں اور خوشیوں سے راشد کی بہنیں اپنی بھابھی کو لے کر آئیں۔ راشد دوستوں اور رشتہ داروں نے بھی بہت کیے۔ مگر کسی کو کیا پتہ تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے۔

سب دلہن کو اس کے کمرے میں لے گئے اور راشد سے نیگ لینے کے بعد بہنوں نے بلا آخر اسے کمرے میں جانے کی اجازت دے دی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ راشد ہانپتا کانپتا

باہر آیا۔ بس پھر فوراً سارے گھر میں شور مچ گیا کہ دلہن کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر کو بلاؤ، کوئی مولوی صاحب کو بلانے کا کہہ رہا تھا۔ کوئی مشورہ دے رہا تھا کہ زیادہ شور مت کرو ورنہ محلے میں سب کو پتہ چل جائے گا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

کسی کا خیال تھا کہ بسمہ کے گھر والوں کو فون کر کے پتہ کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ جب اندر جا کر دیکھا تو دلہن سکون سے مسہری پر سو رہی تھی۔ راشد کا خوف کم نہیں ہوا تھا، اس نے اندر جانے سے انکار کر دیا۔

☆.....☆.....☆

جب صبح ہوئی تو بسمہ نے بیڈ ٹی کی طلب سب نے اس کی بات پر حیرانگی کا اظہار تو ضرور کیا مگر پھر بھی اس کی خواہش فوری طور پر پوری کر دی گئی۔ آخر کو وہ نئی نویلی دلہن تھی۔ اس وقت وہ بلکل نارمل لگ رہی تھی۔ مگر راشد پریشان ہی تھا کیونکہ جب فجر میں نماز کے بعد اماں نے آیت الکرسی اور سورہ فاتحہ پڑھ کر بسمہ پر دم کیا تو اس نے پلٹ کر غصے سے گھورا تھا۔

اور راشد وہیں تھا۔ اس نے بسمہ کا یہ روپ دیکھا اور خوف زدہ ہو گیا۔

صبح سب نے ڈاکٹر کو بلایا تو انہوں نے بلڈ پریشر، ٹمپریچر چیک کرنے کے بعد بتایا کہ آپ کی بیوی بلکل نارمل اور ٹھیک ہیں۔ بس زرا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

والدین سے بچھڑنے کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہیں۔ ریسٹ کریں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔

اگلے دن رسم کے مطابق ولیمہ کا پروگرام تھا۔ ولیمہ کے بعد دلہن کے گھر والے بسمہ کے ساتھ راشد کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بسمہ سارا وقت اپنے گھر والوں کے ساتھ مگن رہی۔ راشد نے یہی اخذ کیا کہ گھر والوں سے دوری کے باعث اس کی عجیب سی حالت ہوئی۔ البتہ راشد کے ساس سسر نے محسوس کیا کہ راشد کچھ پریشان پریشان سا ہے مگر پھر اس خیال کو جھٹک دیا کہ پہلی مرتبہ سسرال آنے سے تھوڑی جھجک تو ہوتی ہے۔ بسمہ نے اپنے گھر آ کر راشد کو پوری طرح سے نظر انداز کیا اور بلکل ٹائم نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ رات میں اپنی بہنوں سے باتیں کرتی انکے ساتھ ہی سو گئی۔ راشد کو بسمہ کا لاپروہ رویہ بُرا لگا۔ اگلے روز راشد بسمہ کے ساتھ گھر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

جب رات کا وقت ہوا تو راشد کھانے کے بعد کمرے میں آیا مگر وہاں آ کر اس نے جو دیکھا اس کی اسے امید نہ تھی۔

بسمہ سجاوٹ کے لیے لگی پھول کی لڑیوں کو توڑ رہی تھی اور غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔ کبھی وہ اپنے ہاتھوں کو دیوار کے ساتھ مارتی تو کبھی شیشے کے آگے کھڑے ہو کر بے ڈھنگے انداز میں لپ اسٹک منہ پر ملتی۔ راشد دروازے میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آواز دی تو بسمہ اس کی جانب بڑھی۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیوں لے آئے ہو مجھے؟ یہ پھول۔۔۔ یہ کہاں سے آئے؟ قبرستان کے پھول یہاں کیسے آئے۔"

"بسمہ ہوش کرو۔ میں شوہر ہوں تمہارا۔"

"کیسا شوہر۔ میں کسی کو نہیں جانتی۔ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں آگ سے جلا کر بھسم کر دوں گی۔" راشد کا دل و دماغ خوف سے بند ہونے لگا۔

اگلے روز اس نے فوری طور پر مولوی صاحب کو بلوایا۔ انہوں نے بہت سی آیتیں [illegible] کیں بسمہ پر اور کچھ تعویز بھی دیے باندھنے کے لیے مگر بسمہ کی حالت وہی رہی۔ اس نے مولوی صاحب کے جاتے ہی سارے کمرے کا حشر کر دیا۔ ہر چیز الٹ دی۔ اور خود بیڈ کے سرہانے بال کھول کر بیٹھ گئی اور اول فول بولنے لگی۔ راشد نے اب صحیح معنوں میں اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کی زندگی میں آنے والے اس مسئلے نے اس کے حواس معطل کر دیے تھے۔

اس کا دوست احمد اس سے ملنے آیا تو راشد نے اس کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اس کے دوست نے ایک بنگالی عامل سے عمل کروانے کا مشورہ دیا۔ راشد یہ عامل وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا تھا مگر ہر حربہ بسمہ پر ناکارہ جا رہا تھا تو اس لیے اس نے عامل بابا کو بلانے کی حامی بھر لی۔

☆.....☆.....☆

عامل بابا نے آ کر ہر چیز کا جائزہ لیا اور عمل کرنا شروع کر دیا۔ بابا کو دیکھ کر بسمہ چیخ چیخ کر رونے لگی، راشد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے قابو کرے۔ بابا نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اور اسے عمل کے لیے درکار چند چیزیں لانے کے لیے بھیج دیا۔ عامل بابا رات گئے تک

عمل میں مصروف رہا۔ اور اس دوران بسمہ [illegible] تو قع بلکل خاموشی سے بیٹھی رہی اور کوئی [illegible] نہ دکھایا۔

عامل اگلے روز شام میں دوبارہ آنے کا کہہ [illegible] چلا گیا۔

راشد اگلے دن اپنے دوست کے ہمراہ بابا کو [illegible] پہنچا اور اس سے صورتحال کے بارے [illegible] دریافت کیا۔

"تمہاری دلہن پر ایک خطرناک جن عاشق [illegible]۔ وہ اس وقت اس جن کے قبضے میں ہے۔ [illegible] اس کو آزاد کروانا چاہتے ہو تو معاوضہ ادا [illegible] پڑے گا۔ تین دن کا عمل ہوگا اور اس کے [illegible] تمہاری دلہن بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

عامل کی یہ بات سن کر راشد پریشان [illegible] گیا۔ وہ ایک معمولی ملازم تھا اس کے لیے اتنا [illegible] معاوضہ ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ مگر اپنے [illegible] دوست کی مدد کی وجہ سے اس نے عامل بابا کو پیسے [illegible] دیے اور عمل شروع کرنے کا کہہ دیا۔

شام کو مقررہ وقت پر عامل عمل کرنے [illegible] گیا۔ بسمہ عامل کے سامنے پہلے کی طرح [illegible] خاموشی سے بیٹھی رہی۔ عامل آدھی رات تک عمل [illegible] کے بعد چلا گیا۔ عامل کے جاتے ہی [illegible] عجیب سی آواز میں بولی۔

"تم اپنے ان ہتھکنڈوں سے باز [illegible] آؤ راشد۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔ اور [illegible] ارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ یہ عامل میرا کچھ [illegible] بگاڑ سکتا۔ اس کو منع کر دو کہ آئندہ یہاں نہ [illegible] ورنہ میں نہیں چھوڑوں گی اسے۔" وہ [illegible] تھی۔

مگر راشد نے اس کی بات کا کوئی اثر نہ لیا۔ اسے پوری امید تھی کہ عامل بابا بہت جلد جن کو قابو کر لیں گے اور پھر بسمہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اگلے روز بھی عامل بابا آئے اور عمل کر کے اپنے مقررہ وقت پر جانے لگے۔

"کسی طرح سے اپنی بیوی کے تھوڑے سے بال کاٹ لو اور پھر انہیں قبرستان کی سب سے پرانی قبر میں دبا دو تو تمہاری بیوی ہمیشہ کے لیے جن کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میرا عمل کارگر نہ ہوگا۔" جاتے جاتے انہوں نے راشد کو ہدایت کی۔

"ایسا خوفناک عمل سن کر راشد کی سانس اٹک گئی۔ مگر عامل نے اس کی بہت ہمت بندھائی کہ کچھ نہیں ہوگا۔

"تم بالکل مت گھبراؤ کہ کوئی مشکل عمل نہیں ہے۔ میرے چیلے تمہاری مدد کر دیں گے۔"

راشد نے ہامی بھر لی۔

☆.....☆.....☆

وہ واپس کمرے میں آیا تو بسمہ بیڈ سے ٹیک لگائے پرسکون انداز میں بیٹھی تھی۔ راشد بھی مطمئن انداز میں وہیں لیٹ گیا۔ ہمیشہ وہ اپنے خوف کی وجہ سے دوسرے کمرے میں سوتا تھا مگر آج یہاں سونا اس کی مجبوری تھی۔

"کچھ کھاؤ گی؟" اس نے عام سے انداز میں بسمہ سے پوچھا۔

"ہاں! میرے لیے کچا گوشت لے کر آؤ۔" وہ غرائی۔

"ابھی نہیں۔ صبح لے آؤں گا۔" وہ تسلی سے بولا بھی لوٹنے لگا۔ "اس کا ڈ[illegible] بیٹ کے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

"تم یہاں کیوں سو رہے ہو؟ مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے۔"

"ایسے ہی۔ میرا دل کر رہا ہے۔"

بسمہ اسے گھور گھور کر دیکھتی رہی، بنا پلک جھپکائے۔ راشد نظر انداز کر کے سوتا بن گیا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ بسمہ سو گئی ہے تو وہ بنا آہٹ اٹھا۔

بسمہ سرہانے سے سر ٹکائے سو رہی تھی۔

راشد نے تکیے کے نیچے سے قینچی نکالی اور بسمہ کی جانب بڑھا ہی تھا کہ بسمہ نے اپنی لال آنکھیں پل میں کھولیں اور اس کے ہاتھ سے قینچی لے لی۔

راشد کی جان ہی نکل گئی۔ بسمہ نے پلک جھپکتے ہی وہی قینچی راشد کے گلے پر رکھ دی۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے مگر تم نے دھوکہ دیا۔ مجھے ہمیشہ کے لیے اس دنیا میں رہنا ہے اس لڑکی کے جسم میں اور تمہارے ہوتے یہ ممکن نہیں۔ اسے اسی وقت طلاق دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" ایسا لگتا تھا کہ بسمہ پر وہ جن پوری طرح سے قابض ہو گیا تھا۔ یہ سن کر راشد کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ اس کے تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ اس کی غلطی کی وجہ سے عامل کا عمل الٹا ہو گیا تھا۔

راشد نے اسے طلاق دے دی۔

☆.....☆.....☆

بسمہ خوب ہنس رہی تھی۔ اس نے راشد کو حکم دیا کہ اسے ابھی اور اسی وقت اس کے گھر چھوڑ کر آئے۔ چار و ناچار راشد بسمہ کو لیے [illegible]

[illegible] ضامند ہو گیا۔ صبح کے چار بجے جب سب [illegible] تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو راشد اور بسمہ [illegible] کمرے کا دروازہ کھلا پایا۔ حیرت کی انتہا تھی [illegible] لوگ آدھی رات کو کہاں چلے گئے۔

کمرے سے نکل کر اس نے بائیک نکالی [illegible] بسمہ کو اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا۔

سسرال پہنچ کر اس نے بسمہ کو اتارا۔ [illegible] کے جانے کا راشد کو کوئی افسوس نہیں ہو رہا تھا [illegible] اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سر سے کوئی بوجھ [illegible] گیا ہو۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"شکریہ راشد آپ نے مجھے آزاد کر دیا۔" اس وقت بسمہ کی آواز عجیب سی نہیں تھی۔ "میرا خیال تھا کہ مجھے بہت محنت کرنی پڑے گی آپ سے نجات حاصل کرنے کے لیے۔ مگر آپ ایک اچھے اور شریف آدمی تھے اس لیے مجھے اپنے کھیل کو سچ ثابت کرنے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ مگر میرے پاس آپ کو دینے کے لیے دو مشورے ہیں۔ کسی اچھی لڑکی کے ساتھ شادی کر لیجیے گا۔ اور دوسرا یہ کہ کبھی بھی عامل بابا پر یقین مت کیجیے گا۔ آپ جب پہلے دن اس عامل بابا کو لائے تھے تو میں نے اسے تھوڑے زیادہ پیسے دے کر اپنے کھیل میں شامل کر لیا تھا۔ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں، مگر میرے گھر والوں نے زبردستی آپ کے ساتھ شادی کروا دی۔ اس لیے میں نے یہ ڈرامہ کیا۔ آپ کے لیے میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ خدا حافظ۔"

بسمہ کی بات پر وہ منہ کھولے اس کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆.....☆☆

کراچی سے بھیجی گئی سچی تحریر

مایا جال

اُس نے بھی اپنے کولیگ کے گرد جال بنا تھا بس فرق اتنا تھا کہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے اُس کو بھی اس جال میں پھنسنا تھا.....

محمد ثاقب منیر

[illegible] نے ڈائری سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور لیمپ [illegible] کا سوئچ آف کیا۔ لبوں پر بے چین مسکراہٹ [illegible] سجائے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ لاہور [illegible] کے پوش علاقے ڈیفنس فیز فائیو کی گود میں اپنی [illegible] زندگی کے زینے چڑھ رہی تھی۔ اُسے اپنی زندگی [illegible] ایک کم سن طالب علم کے ہوم ورک کی مانند لگتی تھی [illegible] کہ جسے کرنے کی پابندی ہو۔ مگر نہیں۔۔۔ اس کی [illegible] زندگی تو رنگوں سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی [illegible] بھی قوس قزح کے رنگ گلشن کو زندگی بخشتی [illegible] تتلیوں کے رنگ کی مانند ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب [illegible] ہر شام ہی۔ ایک ڈھلتی شام۔۔۔ جو زخموں سے [illegible] چور تاریکی میں ڈوبے ہر نفس کو تحفہ درد دیا کرتی تھی۔

کل بروز منگل اس کی کاؤنسلنگ کا پانچواں [illegible] سیشن تھا۔ وہ شہر کے معروف و مقبول ماہر نفسیات سے تھیراپی لیا کرتی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں جان [illegible] پائی تھی کہ کسی ماہر نفسیات سے سیشن لے رہی ہے [illegible] یا کسی بابا کی خانقاہ جا کے زندگی گزار رہے ہے کہ [illegible]

رہی ہے۔ وہ ہفتے میں ایک بار ڈاکٹر بیگ کے کلینک کیور یور مینٹل ہیلتھ جایا کرتی تھی۔ اور آج منگل تھا۔ وہ الارم بجنے سے پہلے ہی کچی نیند سے بیدار ہو چکی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ پُر کشش تھی۔ ایک فیصلے، نئی امید کی مسکان۔ زندگی کے ساتھ کہیں نہ کہیں نبھا کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔ مگر یہ صرف اس کا ذاتی خیال تھا۔

اس نے کلینک کے سامنے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی پارک کی۔ اس کے علاوہ دو گاڑیاں اور پارکنگ ایریا میں موجود تھیں۔ اس نے اپنی دائیں کلائی پر پہنی خوبصورت اور دیدہ زیب سوئس واچ پر نظر دوڑائی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔ اور ہر ہفتے اسی وقت وہ ڈاکٹر بیگ کے تجربہ کار الفاظ میں قید ہو کر خود کو سکون بخشتی تھی۔ وہ تیزی سے کلینک میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ریسپشنسٹ نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر بیگ کے کمرے میں جانے کا اشارہ

http://www.books.urdutube.net/

کیا۔

''آیئے آیئے مس عمامہ! گڈ مارننگ۔'' کرسی پر بیٹھے ڈاکٹر بیگ نے اسے دیکھ کر کہا۔

''سیم ٹو یو ڈاکٹر۔'' وہ مسکرائی۔

''آج آپ کے پیچھے دیوار پر آویزاں تصویر نظر نہیں آرہی مجھے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کونسی تصویر مس عمامہ؟'' ڈاکٹر بیگ مسکرا رہے تھے۔ انہیں عمامہ سے اس سوال کی امید تھی۔

''وہی تصویر جو میرے لفظوں میں رچ بس کر انہیں بامعنی بناتی ہے۔''

''نہیں مس عمامہ!'' وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھتے زرا آگے ہوئے۔ ''وہ تصویر صرف آپ کی نہیں بلکہ ہزاروں لوگوں کی کہانی کی ترجمانی کرتی تھی۔

آپ نے اپنی سوچوں کو صرف اپنے تک [illegible] ہوا ہے۔ مس عمامہ آپ نے کبھی ترازو [illegible] ہے؟ جس سے ہر دکاندار اپنے مزاج کے مطابق [illegible] کام لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہم اپنی زندگی [illegible] اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ [illegible] میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں [illegible] زندگی میں کوئی بھی کسی کو مستقل سہارا نہیں [illegible] جیسا کہ آپ پچھلے پانچ سیشن میں اس تصویر [illegible] وابستہ تھیں، مگر آج اس نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔''

''مگر ڈاکٹر وہ تصویر تو محض ایک مذاق تھی، ایک مسیحا۔ جو مجھے زندگی میں لے جاتی تھی۔ میں اب اس کے دیدار کو ترس رہی ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں اس کے بنا اب آگے نہیں بڑھ سکوں گی۔''

ڈاکٹر بیگ نے کرسی سے ٹیک لگاتے آہ

آخر یہ مسیحائی کب تک آپ کے زخم بھرتی ؟ یہ تو مسافر تھی اور مسافر کا کام سفر کرنا ہوتا اس کے ٹھکانے ایک نہیں، مختلف ہوتے

ٹھیک کہا آپ نے مجھے اب خود ایک قدم بڑھانا ہوگا۔ اب مجھے اس کلرفل تصویر کی بلکہ ایک کینوس کی ضرورت ہے جس سے ف رنگوں کی مدد سے اپنی زندگی کو ڈیفائن کی کوشش کروں گی۔''

گڈ مس عمامہ! اب آپ مجھ سے ایک ماہ تب تک آپ اور آپ کی زندگی کے آف لک۔''

عمامہ مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر آگئی۔ یک کی باتوں سے وہ پُرامید ہوگئی تھی، مگر ک وہ یہ بات نہیں جانتی تھی۔

☆.....☆.....☆

مکول ڈاون تیمور! پلیز ریلیکس ڈرامہ اپنے آخری مراحل میں ہے اور ت تمہیں یہ برتاؤ زیب نہیں دیتا۔ تمہیں ے پہ کنٹرول کرنا ہوگا۔''

کیا کہا آپ نے سر فراز صاحب؟ میں ل کروں؟ وہ نواب زادی عینی کے انتظار کب سے بیٹھے ہیں۔ اوہ نہیں سوری تو اب شہرت کی بلندیوں کو چھو رہی ہے، عزت و تکریم کے ساتھ بلانا چاہئے۔ عینی نہیں بلکہ میڈم عینی۔'' وہ طنز سے وہ ایسا بے وقوف لمحہ تھا جب میں نے میڈم ساتھ کنٹریکٹ پر دستخط کیے تھے۔''

تیمور! تم جانتے ہو کہ ہمارے ڈرامے کی ریٹنگ دوسرے ڈراموں کی نسبت کتنی ہائی جا رہی ہے۔ اور اس کا کریڈٹ ماضی کی طرح صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ عینی کو بھی جاتا ہے۔ تم فیڈ بیک چیک کر سکتے ہو۔'' ڈائریکٹر نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''How Are All Of You۔'' عینی شوٹنگ کے لیے نک سک سے سیٹ پر پہنچی۔

''خیریت تو ہے سر فراز صاحب یہ تیمور اتنا چپ کیوں ہے؟ اوہ اچھا! سمجھ آیا۔ یقیناً! آج بھی اسکرپٹ پسند نہیں آیا ہوگا اسے۔ اتنی بار سمجھایا ہے تیمور کہ ڈائیلوگز کی سلیکشن میری ذمہ داری نہیں بلکہ اس کام کے لئے اسکرپٹ رائٹرز موجود ہیں۔''

''جی میں بھی یہی سمجھا رہا تھا اسے۔'' سر فراز صاحب نے بات سنبھالی، اس سے پہلے کہ تیمور دو باہ بھڑکتا۔

''چلیں سیٹ ریڈی کریں، میں تیاری کر کے آئی ہوں۔''

سر فراز صاحب نے جلدی جلدی کیمرہ اور لائٹنگ ریڈی کیے۔

''ایکشن۔ کٹ۔ اسٹارٹ۔''

عینی نے عیشا کے اور تیمور نے بلال کے کردار میں خود ڈھالا۔

''بلال یہ لو!''

''یہ کیا ہے عیشا؟''

''تمہاری زندگی کی انمول شے۔ تمہارے ڈرامے کا چیک۔''

بلال نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے چیک لیا۔

''بلال تم خود سے، اپنے پیشے سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہو؟''

http://www.books.urdutube.net/

چند لمحوں کے لئے فضا لفظوں سے محروم ہو جاتی ہے۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے بلال؟" عیشا نے سوالیہ انداز میں اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہاں عیشا میں خود سے اپنے پیشے سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔ اور اس محبت کا تقاضا یعنی پیسہ، دولت اور شہرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ان سب سے تو تم ابھی بھی آراستہ ہو۔" عینی کا اشارہ اسکے ویل آف خاندان اور بزنس پر تھا۔

"نہیں عیشا! میں شوبز کی دنیا کا برانڈ بننا چاہتا ہوں۔ ایک رول ماڈل۔ جسے ہر کوئی فالو کرے۔ اس طرح کی زندگی بسر کرے، میری پسند اس کی پسند ہو۔ وہ میرا نام لیتے ہوئے جیتا مرتا ہو۔ مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے میں آسانی ہو۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ڈائیلاگ کے سہارے اپنے دل کی بات بول رہے تھے۔

"کٹ! زبردست۔ بہت خوب! ریہلیٹی سے بہت قریب ایکٹنگ کی ہے دونوں نے۔" سرفراز صاحب ان دونوں سے مطمئن نظر آرہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"بابا جانی میں نے آپ کو دسٹرب تو نہیں کیا؟" عینی ناک کر کے اسٹڈی روم میں داخل ہوئی۔

"نہیں بیٹا آؤ۔ بیٹھو۔ میں تو اپنے دماغ کو آکسیجن دے رہا ہوں۔ یہ میری کتابیں ہی مجھے زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں کیونکہ کتابوں کے لفظ لفظ میں زندگی بولتی ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہا بابا جانی آپ نے۔ یہ قاری کو زندگی کی اداکاری سکھاتی ہیں اور اپنے اردگرد دیکھیں تو ہمیں ایسے بہت ملیں گے جنہوں نے نہ صرف اپنی مشکلوں کا ساتھ لڑا بلکہ اپنے آپ کو ایک اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔"

"ہاں اور ان لوگوں کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جیسے کہ Stephen Hawkings کو ہی دیکھ لو کس طرح وہ اپنی ہم سفر بنا کر منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ کہ وہ بیٹا معذور جسم نہیں، معذور سوچ انسان کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس طرح Hawkings کی سوچ بھی اس کے جسم کی طرح معذور بلکہ اس کا ذہن عام انسان کے مقابلے میں گنا زیادہ کام کرتا ہے۔ وہ مثبت سوچ کے ساتھ زندگی بس گزر رہا ہے۔"

"بابا جانی آپ کی یہی باتیں مجھے حوصلہ دیتی ہیں۔ لیکن ہر دفعہ کی طرح آپ نے میرے ہفتے کے بارے میں نہیں پوچھا۔ میں نہیں آپ سے۔" وہ بچوں کی طرح ناراض ہوئی۔

"اوہ سوری بیٹا۔ اچھا بتائیں آپ کی دوسری دنیا کیسی جا رہی ہے؟"

"دوسری دنیا!" وہ ہنسی۔ "ہاں میری ورلڈ امید سے اچھی اور آپ تو بہ خوبی جانتے ہیں کہ مجھے بچپن سے ہی اداکاری کا بھوت تھا۔ اپنی سہیلیوں کی کمپنی میں اداکاری کرنا، تالیوں کی گونج۔" اس نے بولتے بولتے ایک آہ بھری۔ "ان دنوں کا رویہ ان کی زبان کتنی میٹھی تھی مگر یہاں سب کچھ بہت مختلف ہے۔ مگر پھر بھلا ہو سرفراز صاحب کا کہ مجھے شہ

ے۔ انہی کی وجہ سے مجھے اتنا جانا اور پہچانا جاتا لیکن مجھے اپنے کولیگ کی سمجھ نہیں آئی۔" وہ ڈسٹرب نظر آنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا بیٹا؟ کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"جھگڑا تو نہیں ہوا مگر وہ لڑکا عجیب طبیعت کا مالک ہے۔ سیٹ پہ کبھی اسے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شوٹنگ سے پہلے ہر ایک سے ملنا اس کی عادت بنتی جا رہی ہے۔ لیکن اداکاری اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

"بیٹا تم یہ سب کیوں سوچ رہی ہو؟ یہ اس کی زندگی ہے۔ چھوڑو اسے۔ یہ لو تم نے واصف صاحب کی کتاب یہی کتاب مانگی تھی تذکرہ قطرہ قلزم۔ تو یہ میں نے تمہارے لیے لے رکھی تھی۔"

وہ مسکرائی۔ بابا جانی اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالتے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے کتاب لی اور ان کا ہاتھ چوم کر باہر آگئی۔

☆.....☆.....☆

لاہور کے فائیو اسٹار ہوٹل میں اس شام کو رنگ و قزح کے رنگوں سے رنگے شوبز کے لوگوں کا ہجوم خود اپنی زبان بول رہا تھا۔

"گڈ ایوننگ لیڈیز اینڈ جنٹل مین۔" اسٹیج پر کھڑے دونامور اور حسین ستاروں نے اس شو کا آغاز کیا۔

"سارم ویسے تمہیں نہیں لگتا کہ شوبز کی دنیا اتنے ستاروں کا ہونا کچھ بتا رہا ہے۔" ہوسٹ نے مائیک پر ہلکے پھلکے انداز میں کو ہوسٹ سے کہا۔

"کیا مطلب عنایہ! میں تو اتنی تعداد دیکھ کر ک میں ہوں۔"

"نہیں مطلب ان میں سے کافی تو فارغ عنایہ کہنا چاہیے کہ ایوارڈ کی حسرت میں بیٹھیں ہیں۔"

ہال میں قہقہوں کی گونج ہوتی ہے۔

"چلیں اب ہم آتے ہیں اپنی پہلی nomination کی جانب۔ تو ہمارے بیسٹ ڈرامہ سیریل کی nominees ہیں۔"

"رخ یار، خلش یاراں، کچے دھاگے، اور زندگی۔"

"فار پریزینٹنگ دی ایوارڈ وی کال اپان دا اسٹیج میسم اینڈ مایا۔"

ہال میں تالیوں کی گونج اتنی بلند تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

"بیسٹ ایوارڈ گوز ٹو۔۔" سب دم سادھے بیٹھے بیسٹ ڈرامے کا نام سننے کے منتظر تھے۔ "دی موسٹ ہائی ریٹیڈ ڈرامہ رخ یار۔"

عینی نے خوشی سے باقاعدہ چیخ ماری اور تیمور نے کھڑے ہو کر سیٹی بجائی۔ انکا ڈرامہ بہت ہٹ جا رہا تھا مگر اتنا ہٹ تھا کہ ایوارڈ جیت لے گا۔ اس بات کا کسی کو یقین نہیں تھا۔

سرفراز صاحب نے خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ایوارڈ وصول کیا۔

"بہت شکریہ آپ سب کا اور خاص طور پر ان کا جنہوں نے اس ڈرامے کو دیکھا اور پسند کیا۔ میڈم عینی اور تیمور کی خوبصورت ایکٹنگ کا بہت شکریہ جن کی ان تھک محنت کے ڈرامے کو عروج پر پہنچایا۔"

"بہت شکریہ سرفراز۔" ہوسٹ نے ان کی لمبی تقریر کو بریک لگوایا۔

"ویسے عنایہ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ نگار صاحبہ کے ڈرامے کو سرفراز سر نے بیٹ کیا ہے۔" کو ہوسٹ نے سرگوشی بھرے انداز میں

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہوسٹ سے کہا۔ اور یہ خیال صرف اس کا ہی نہیں ، بلکہ وہاں بیٹھے ہر اسٹار کا تھا۔

''ہاں یہ عروج و زوال تو شوبز کی دنیا کا اصول ہے۔'' اس نے بھی جواباً سرگوشی میں کہا۔

''آپ سب کو اپنی پرفارمنس سے گرمانے آرہے ہیں کاشی اور بیلا۔'' اس نے مائیک پر آناؤنس کیا۔

☆.....☆.....☆

شہزاد اور نگہت اتوار کی صبح ناشتے کی میز پر خاموشی سے ناشتہ کررہے تھے۔

''تم خوش ہو؟'' شہزاد نے نگہت کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''کس بات پہ؟'' سلائس پہ جیم لگاتی نگہت نے الٹا سوال کیا۔

''مطلب تمہیں ابھی تک معلوم نہیں!'' وہ الٹا خفا ہوا۔

''ہاں ہوں اور تم بھی اپنی عادت سے مجبور ہو۔''

''کیسی عادت؟'' وہ حیران ہوا۔

''پہیلیاں بجھوانے کی۔''

''اوہ مائی گاڈ! میں اپنے بیٹے تیمور کے بارے میں بات کررہا ہوں۔''

''ہاں تو کرو۔''

''نگہت اس کے ڈرامے نے ایوارڈ جیتا ہے۔''

''اچھی بات ہے مگر اس میں اتنا خوش اور حیران ہونے کی کیا بات ہے؟'' ان کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

''میں خوش ہرگز نہیں ہوں، مگر مجھے افسوس ہے کہ تم میں انسانیت کا درد تو بولتا ہے مگر تم اپنی اکلوتی اولاد کے معاملے میں خود کو بری الزماں سمجھتی ہو۔ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تمہارے ہاتھ میں پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں

غزل

ہم روز صبح کو ملتے تھے
نئے پھول بھی اس دن کھلتے تھے

تم روز مجھے یہ کہتی تھی
ہم کب تک ملیں گے اس طرح

میں آہستہ سے ہنس دیتا تھا
تو چپکے سے رو دیتی تھی

اسکول کے دفتر میں ہم ملتے تھے
تو پانی پینے آتی تھی میں تجھے ملنے آتا تھا

وہ گزرے لمحے یاد آئے
وہ بیتے دن یاد آئے

آج ملنے کو ترستے ہیں
آنسو آنکھوں سے برستے ہیں

کبھی ملیں گے ہم اس طرح
جیسے ماضی میں ہم ملتے تھے

یاسر وکی اڈہ۔ اوکاڑہ

...م اپنی این جی او کو بہت مہارت سے چلا
...ایک ماں ہونے کا فرض تم سے نہیں نبھایا
...وہ دکھ سے بول رہا تھا جب نوکر اخبار
...کے پاس آیا۔
''صاحب جی یہ اخبار!''
''ہاں رکھ دو۔''
...سے پہلے کے وہ دوبارہ اپنی بات جاری
...کی نظر اخبار کی ہیڈ لائن پر پڑی۔
...لٹے کی حالت میں شوبز کا اسٹار ہوٹل میں
...کے ساتھ دیکھا گیا۔ ان کی غیر اخلاقی
...رے سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئی ہے۔
...دیکھو! اپنے بیٹے کے کرتوت! اور
...وتم اسے۔ یہی انجام ہونا تھا ان سب
...پہلے ہی اسے صحیح غلط کی تمیز سکھائی ہوتی تم
...دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اپنی من مانی کرکے وہ
...گیا اور اب یہ سب کرکے ہمارے
...کا نام مٹی میں ملا رہا ہے۔''
...شہزاد اتنا بپھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
...کسی کی سازش ہے۔ تیمور کا خواب برانڈ
...ہے۔ وہ کسی صورت ایسا قدم نہیں اٹھائے گا
...اس کے کیریئر میں مسئلے ہوں۔''
...ابھی تو سارا میڈیا ہمارے دروازے پر
...ہائے گا ناں۔ ان کے سوالوں کا جواب
...ے گا۔''
...م رہنے دو میں خود نمٹ لوں گی۔''
...یا والوں کے ہجوم میں گھری نگہت کے
...غرور واضح تھا۔
...س نگہت کیا آپ کو کسی پر شک
...ایک رپوٹر نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔
...ں ضرور آپ سب کو معلوم ہے کہ شوبز کی
...ہیں طرح کے سازشوں کے جال سے
بھری پڑی ہے جس میں زیادہ تر شہرت یافتہ ایکٹر پھنس جاتے ہیں۔ میرے بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔''

''اب مسٹر تیمور پھر سے شوبز میں جلوہ گر ہوں گے یا نہیں؟''

''فی الحال تیمور مزید میڈیا اسٹڈیز کے لئے لندن جارہا ہے۔''

☆.....☆.....☆

شوبز کی دنیا پر نگار صاحبہ کی حکومت تھی۔ انہوں نے برسوں چھوٹی اسکرین پر کام کیا ور خوب نام کمایا۔ رخ یار کی کامیابی ان پر بجلی بن کر گری تھی۔

''حکم کریں نگار صاحبہ!'' ان کا وفادار ملازم کالیہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''ہمارے پہلے تاش کے پتے نے آگ لگائی ؟''

''ضرور لگائی ہے میڈم! ہماری پھیلائی گئی ان دونوں کی جھوٹی ویڈیو بہت تیزی سے وائرل ہوئی ہے۔''

''کالیہ مجھے اب تیمور کی شوبز میں واپسی نہیں ...ید بربادی چاہئے۔ اور عینی صرف میرے نگار پروڈکشن کے علاوہ کہیں کام نہ کرسکے۔''

☆.....☆.....☆

''ڈاکٹر بیگ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے چہروں کو پڑھا ہے، سرخ آنکھوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔'' عینی ڈاکٹر بیگ کے کلینک میں ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

''میں نے ضمیر کی محفل میں وقت گزارہ ہے۔ وہ ضمیر جس میں میں نے شہرت کا مزہ بھی چکھا ہے اور شہرت کے وجود پر الزام تراشی کے ...ونڈ لگے بھی دیکھے ہیں۔'' اس کا ڈاکٹر بیگ کے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ساتھ یہ پہلا سیشن تھا۔

''جی میڈم عینی۔۔۔۔''

''عینی نہیں ڈاکٹر! آپ مجھے میرے اصلی نام عمامہ سے ہی بلائیں۔''

''جی بہتر عمامہ، آپ کے کولیگ مسٹر تیمور کا ایشو منظر عام پر آیا جس میں آپ بھی لپیٹ میں آ گئیں۔۔''

''مگر فرق صرف مجھے پڑا ہے۔ تیمور اب لندن چلا جائے گا۔'' اس نے ان کی بات کاٹی۔ اسی وقت اس موبائل کی میسج ٹون بجی۔

''سیومی! کم ٹو دی پریس ہال۔ تیمور۔''

''ڈاکٹر مجھے فوراً کہیں جانا ہے۔ عجلت میں کہتی وہ تیزی سے اٹھی۔

پریس ہال کے باہر میڈیا والوں کا رش لگا تھا۔ وہ گاڑی سے اتری تو سامنے ہی ایمبولنس کھڑی تھی۔ سامنے ہال میں سے اسٹریچر پر تیمور کو لایا گیا۔ تیمور کی لاش کو! وہ شاک میں کھڑی سب دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جولائی کی چلچلاتی دھوپ اپنے جوبن پر تھی مگر اس کا تعلق یا رشتہ اس بپھرے ہوئے آگ برساتے سورج سے نہ تھا۔ اس کے دل و دماغ میں بس ایک چہرہ تھا اور یہی چہرہ اس کے قدم مقناطیسی طاقت کی مانند کھینچ رہے تھے۔ ڈاکٹر بیگ کے کلینک کے بعد وہ سیدھا اس کے پاس آئی تھی۔ ڈاکٹر بیگ نے اسے ایک ماہ بعد ملنے کا کہا تھا۔ اس ایک ماہ میں اس نے اپنی زندگی کی جو نئی اور رنگوں سے بھرپور تصویر بنائی تھی اُس کے لیے اسے ماضی کی گرہوں کو کھولنا تھا۔

وہ آج فورسز قبرستان میں تیمور اور اپنے ماضی کو پیار کرنے جا رہی تھی۔

''تیمور میں آج کچھ الفاظ بیان [illegible] ہوں جس کا بوجھ میں اب اپنے کاندھوں سے اٹھانے سے قاصر ہوں۔

میرا بچپن ایک چھوٹے سے غریب گھرانے میں گزرا ہے۔ جہاں خواب دیکھنا گناہ [illegible] تھا۔ لیکن اللہ نے اداکاری کا ہنر مجھے خود [illegible] کیا تھا۔ پھر تم سے اور سرفراز صاحب سے [illegible] ملاقات ہوئی۔ میں صرف پیسے اور شہرت کو کامیاب زندگی سمجھتی تھی، جو کہ بعد میں غلط [illegible] ہوئی۔ ڈاکٹر بیگ وہ خاص شخصیت ہیں [illegible] میں نے خود کو دریافت کیا۔ پھر نگار صاحب [illegible] ڈرامے کی جیت ہضم نہ ہوئی اور انہوں [illegible] سازش کی جو ہم دونوں کو لے ڈوبی۔ [illegible] ملازم کالیا کے ذریعے انہوں نے تمہارا [illegible] اور تمہیں مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔

''تیمور مجھے یہ اعتراف کر لینے دو کہ تمہارا [illegible] اور اپنے خلاف کی جانے والی اس سازش کا میں بھی ایک مہرہ ہوں۔ تمہارے ساتھ سفر کرتی [illegible] کامیابیاں دھیرے دھیرے میری جانب [illegible] مگر تمہارے اس طرح جانے سے مجھے جو [illegible] وہ ناقابل بیان ہے۔ اب میں نگار پروڈکشن [illegible] تحت بننے والے ڈراموں میں کام کروں گی [illegible] چاہا معاوضہ وصول کروں گی۔ شہرت تمہاری [illegible] اور میری بدنامی نے مجھے دے ہی دی۔ یہ [illegible] نہیں۔۔۔۔'' یہ کہہ کر عینی نے پھول تیمور کی [illegible] رکھے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھایا اور قبرستان [illegible] باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

(نوٹ) اس کہانی کے کرداروں کے [illegible] تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ کردار [illegible] ہماری شوبز انڈسٹری کا چمکتا ستارہ ہے۔

☆☆.....☆☆

خون کا رشتہ

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں پیار کرنے والے رشتے مل جاتے ہیں.....

محمد شہزاد

یہ واقعہ 1985ء کا ہے جب میرا چھوٹا بھائی [illegible] پیدا ہوا۔ ہم چار بھائی تھے۔ ارمان کی پیدائش [illegible] سرے دن ہماری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ جب [illegible] انتقال ہوا تو میری عمر فقط 9 سال تھی مجھ سے [illegible] سال، چھوٹا 7 سال اور سب سے چھوٹا صرف [illegible] کا تھا۔ میرے والد کاروباری انسان اور نہایت [illegible] تھے۔ دن رات محنت کر کے انہوں نے کاروبار [illegible] چکا لیا تھا ساتھ ساتھ وہ ہم بن ماں کے [illegible] کو بھی سنبھال رہے تھے۔

[illegible] وہ لوگوں کے مکینک تھے اور ان جیسا کام کرنے [illegible] اس پاس کے علاقوں میں بلکہ پورے شہر میں [illegible] کی نہ تھا اسی لیے دور دور سے لوگ ان کے پاس [illegible] اور انہی سے کام کروا کر مطمئن ہوتے۔ زندگی [illegible] اچھی گزر رہی تھی مالی طور پر کوئی پریشانی نہیں [illegible] ہاں ماں کی کمی محسوس ہوتی تھی مگر ہم لوگ اتنے [illegible] تھے کہ کھیل کود میں لگ کر بھول جاتے تھے [illegible] جیسی نعمت ہمارے پاس نہیں۔ کچھ [illegible]

بعد والد صاحب نے فیصلہ کیا کہ کاروبار قریبی شہر شفٹ کر لیں وہاں جانے میں دو فائدے تھے ایک تو کام بہت تھا دوسرے ورکشاپ اور گھر ساتھ ساتھ تھا۔

اس طرح وہ کام پر بھی مکمل توجہ دے سکتے تھے اور ہم بچوں پر بھی..... لوگوں نے میری ماں کے گزرنے کے بعد بہت زور دیا کہ والد صاحب دوسری شادی کر لیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میں اپنے بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے نہیں کروں گا۔ ان کے اس فیصلے کے بعد یہ طے ہوا کہ میں اور میرا بڑا بھائی والد کے ساتھ شہر چلے جائیں گے اور دونوں چھوٹے نانی کے پاس رہیں گے۔ والد صاحب ان سے ملنے آتے رہیں گے۔ یوں زندگی ایک نئے ڈگر پر چل پڑی۔

کچھ دن تو سکون سے گزرے پھر ایک دن نانی نے والد کو پیغام بھجوایا کہ ارمان کی طبیعت خراب ہے۔ ہم سب افراتفری میں اسپتال کو دیکھنے نکل پڑے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا ننھا منا بھائی ہماری ماں کے پاس چلا گیا۔ نانی نے اس کا بہت خیال رکھا مگر ماں کے بغیر چند دن کا بچہ کیسے جی پاتا۔ ارمان کی تدفین کے بعد ابو ہم تینوں بھائیوں کو لے کر واپس شہر آ گئے۔ وہ ہم تینوں کو اب ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کچھ وقت اور گذرا اب بڑا بھائی بھی والد صاحب کا ہاتھ بٹانے لگا تھا میں اور مجھ سے چھوٹا ہم ابو اور بھائی کی خواہش کے مطابق اپنی ساری توجہ اپنی پڑھائی کو دے رہے تھے۔ والد کے ساتھ بھائی نے ہاتھ بٹانا شروع کیا تو کاروبار مزید پھیلتا گیا۔

بے حساب پیسہ اور ذہنی سکون نے ہم لوگوں کو اپنے علاقے کے لوگوں میں ممتاز کر دیا تھا لوگ ہم سے تعلقات رکھنے کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ پیسہ کی اس ریل پیل نے ہم دونوں بھائیوں کے دماغ کچھ خراب کر دیے تھے اور ہماری توجہ پڑھائی کے علاوہ ہر طرف تھی۔

بھائی کاروبار کے ساتھ ساتھ والد صاحب بھی خیال رکھتے تھے کیونکہ اُن کی طبیعت ہفتہ سے ناساز تھی بہترین علاج اور طاقت ور ادویات کے باوجود وہ دن بدن کمزور ہو رہے تھے۔ پھر ایک انہوں نے بڑے بھائی کو بلا کر اس سے وعدہ لیا ہمارا ایک باپ کی طرح خیال رکھے گا۔ کچھ دن اُن کا انتقال ہو گیا بھائی نے والد صاحب سے وعدہ نبھایا اور باپ بن کر ہمارا خیال رکھنا شروع کر دیا حالانکہ وہ عمر میں ہم سے زیادہ بڑا نہیں تھا بہت ذمہ دار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم بھائی پڑھ لکھ کر والد کی خواہش پوری کریں۔

میرے ماموں بھی اب ہمارے ساتھ رہتے تھے عام طور سے جیسا ہوتا ہے کہ بے انتہا پیسہ ا

پر پور توجہ نہ دینا چھوٹوں کو برائی کی طرف ردیتا ہے ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ م میں مصروف رہتا اور ہم دونوں کالج کے وگوں کے ساتھ مل کر عیاشی کرتے۔ گرتے ریجویشن کیا۔ اسی دوران مجھے ایک لڑکی سے وگئی۔

بھائی کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوا اور لڑکی والوں جا کر بات پکی کر آیا۔ اب میری زندگی کا ہر کا دن تھا۔ اپنی منگیتر کے علاوہ میری اور بھی یکیوں سے دوستیاں تھیں۔ ہلہ گلہ' شراب کی محفلیں اور میں لازم و ملزوم تھے۔ میں نے اتھ اس گند میں چھوٹے بھائی کو بھی گھسیٹ ے کی تو کوئی کمی تھی نہیں..... بھائی کمار ہا تھا اور ے تھے۔

جب انسان کے پاس پیسہ ہوتا ہے تو اس کے یار بھی بہت بن جاتے ہیں۔ اب تک تو ہم ں چھپ چھپا کر کر رہے تھے۔ لیکن میری کے شادی والے دن میں نے دوستوں کے ر اتنی شراب پی لی کہ سدھ بدھ ہی کھو بیٹھا اور پر وہ ہنگامہ مچایا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ بھائی اور ماموں حیران تھے کہ یہ مہ نوشی کی لت گی۔ شادی تو کیا ہوتی لڑکی والے رشتہ ہی ۔ بھائی نے کس طرح لوگوں کا سامنا کیا یہ تو استان ہے مگر دوسرے دن میری خوب بے ی اور وعدہ لیا کہ میں اس قبیح عمل کو ہمیشہ کے ک کر دوں گا۔ میں نے بھی وعدہ کیا مگر صرف ڑانے کے لیے.....

کچھ دن خاموشی سے گزر گئے..... ایک رات نوں نے محفل سجائی اور دوسرے شہر سے مشہور والیاں بلوائیں..... شراب اور مختلف قسم کے کھلا چل رہے تھے۔ ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب بڑے فخر سے ہو رہا تھا میں نے خود شراب پی ساتھ ساتھ بھائی کو بھی خوب پلائی..... جب انسان کے ہوش و حواس ساتھ نہ ہوں تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی اُس رات ہوا کہ نشے میں دھت ناچنے والیوں کے ساتھ موج مستی کرتے کرتے آپس میں لڑائی ہو گئی جو اتنی بڑھی کہ گولیاں چل گئیں اور ایک گولی ناچتی لڑکی کے چہرے پر لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی پولیس نے موقع سے کئی لوگوں کو گرفتار کیا جس میں میں بھی تھا۔ بھائی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا مجھ پر قتل کا پرچہ کٹا 7 سال کی قید ہوئی۔

بھائی نے منہ بھر بھر کر نائکہ کو پیسہ دیا کیس کی دوبارہ سنوائی ہوئی اور مجھے قید سے خلاصی ملی کہ جب میں گرفتار ہوا تھا تب ہوش میں نہیں تھا لہٰذا یہ قتل اتفاقاً کسی کی گولی سے ہوا۔ میں باہر تو آ گیا مگر کاروبار تباہ ہو چکا تھا۔

عزت بھی دو کوڑی کی رہ گئی تھی۔ کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ بھائی کسی گینگ کے ہاتھ چڑھ گیا تھا اور ایک دن کسی اندھی گولی کا شکار ہو گیا۔ ہماری زندگی اندھیری ہو چکی تھی اس لیے بڑے بھائی نے فیصلہ کیا کہ شہر ہی چھوڑ دیں۔ ہم لوگ دور افتادہ علاقے میں آ گئے۔ میں نے عہد کیا کہ اب برائیوں سے دور رہوں گا۔ بھائی کے ساتھ مل کر دوبارہ کام شروع کیا۔

میں یہ حقیقت جان چکا تھا کہ کامیابی صرف شرافت کے راستے پر چلنے والوں کو ملتی ہے۔ دن و رات کی محنت نے ایک بار پھر ہمارے قدم جما دیے تھے۔ پہلے جیسی آسودگی تو نہ تھی مگر حالات ایک بار پھر ہمارے حق میں ہو گئے۔ میں نے بڑے بھائی سے رو رو کر معافی مانگی اور عہد کر لیا کہ اب کبھی برائی کی طرف قدم نہیں بڑھاؤں گا۔

☆☆.....☆☆

http://www.books.urdutube.net/

منچن آباد سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

صنف نازک

کہتے ہیں کہ عورت کمزور ہوتی ہے.....وہ فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی.....وہ گھر نہیں سنبھال سکتی ہے.....

حسین خواجہ

فراز کن ذہن تھا لہٰذا زیور تعلیم سے محروم رہا سارا دن گلی محلے کی پاؤں سے مٹی اڑاتے اڑاتے طبیعت میں آوارگی آگئی اور آوارگی میں انسان کو نشے کی لت نا لگے ایسا ممکن ہی نہیں خواہ وہ ایک سادہ سگریٹ ہی کیوں نا ہو سگریٹ کے نشے نے فراز کی عقل چٹ کردی تھی اور زیور تعلیم سے تو ویسے ہی محروم تھا لہٰذا اخلاقیات سے اس کا دور دراز کا کوئی واسطہ نہ تھا بکھرے بال گندمی رنگت میلے کپڑے پسینے میں شرابور مٹی میں اٹے ہوئے پاؤں' گریبان کے دو بٹن کھولے ہوئے کانوں میں ہینڈ فری ہاتھ میں سگریٹ گلی کی نکڑ میں کھڑا فراز ہر آنے جانے والے کو ایسے دیکھ رہا ہوتا جیسے کسی اور سیارے کی مخلوق یہاں آئی ہوئی ہو دور سے آتے شفیق صاحب کی نظر پڑی تو وہ غمگین ہوگئے اور ساتھ ہی یہ سوال ان کے دماغ میں گردش کرنے لگا اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ آخر میں نے فراز کی تربیت میں کس چیز کی کمی چھوڑی ہے۔

شفیق صاحب نے گھر جاتے ہی فراز کی ماں کو آواز دی۔

''نسرین میری بات سنو۔'' فراز کی ماں دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو شفیق صاحب کو قدرے پریشان دیکھ کر گھبرا سی گئی اور خود بھی پریشان ہوتی پریشانی کے عالم میں بولی۔

''شفیق صاحب خیریت تو ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟'' شفیق صاحب نے جھکی ہوئی گردن اُٹھا کر نسرین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''فراز کہاں ہے؟''

''باہر گیا ہوا ہے۔'' شفیق صاحب تلخ لہجے میں بولے۔

''اتنی گرمی میں اس کو باہر کیا کام ہوسکتا ہے تمہارا لڑکا سارا دن گلی کے نکڑ پر کھڑا رہتا ہے نہیں اس کی کیا مجبوری ہے یہ بات میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتی دراصل نسرین تمہارے لاڈ پیار نے فراز کو بگاڑ دیا ہے۔''

''اچھا جی تو جب میں فراز کو بگاڑ رہی تھی' تب

ل تھے؟ میرے ساتھ ساتھ آپ کی بھی ی ہے۔''

سرین یہ بحث کا وقت نہیں ہے اور نا ہی ک کے موڈ میں ہوں تم بتاؤ کوئی مشورہ دو یسے راہ راست پر لایا جائے میری سمجھ میں تو آ رہا تمہارا بیٹا میری سنتا ہی کب ہے؟''

نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

شفیق صاحب میرا تو خیال ہے کہ فراز کی کردی جائے آنے والی بہو اس کو خود ہی کرلے گی۔''

لیکن اس نکمے کو اپنی بیٹی کون دے گا؟''

شفیق صاحب اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ے کے لیے رشتے بڑے۔'' پھر فراز کی کے ذہنی مثبت پہلو تخلیق کر کے شفیق اور نسرین بی بی نے اپنی کمر کس لی نکٹھو بیٹے کے رشتے کے لیے وقت تو لگا لیکن مسئلہ حل ہوگیا۔ مفلس ماں باپ کی ادھیڑ عمر بیٹی مل ہی گئی اور یوں فراز کی شادی مریم سے ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

نسرین بی بی اب سارا دن محلے میں چکر لگاتی گھر کے کام کاج کے لیے بہو تھی شفیق صاحب بھی اب مطمئن تھے کہ فراز اب گلی کی نکڑ پر نہیں کھڑا ہوتا لیکن جہاں شفیق صاحب اور نسرین بی بی مطمئن تھے وہاں فراز پریشان کھڑا تھا کیونکہ اب فراز کو واضح طور پر نظر آ رہا تھا کہ اب آگے چل کر گزارا مشکل ہوگا لہٰذا جتنی جلدی ہوسکے آمدنی کی طرف قدم بڑھایا جائے ورنہ بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مریم فراز کی پریشانی سے باخوبی واقف تھی اس نے اپنا زیور اس کو دے دیا اور کہا۔

''میرا چار دن کا شوق تھا جو اب پورا ہوگیا لہٰذا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

غزل

نظریں ویران
لبوں پر جامد خاموشی
تیری آس محبت میں
سوچ کے احساس میں
میں کچھ اس طرح سے
محو ہوں
کہ.....!
جینے اور مرنے کا
"فرق"
کچھ خاص نہیں

عابدہ مغل۔کراچی

سے وہ تنہا لڑی اور کبھی جو بھولے سے اپنی
خیال آتا تو دل کو یہ کہہ کر تسلی دے دیتی
میری ذات بٹ چکی ہے میرے بچوں کی
میں۔

فراز ہر دو سال بعد آتا دو تین ماہ رہ کر چلا
کہہ کر یہ اب میں آخری بار جا رہا ہوں اگلی
آجاؤں مریم فراز کی اس بات کو مسکرا دیتی۔

پتا نہیں کب اور کیسے وقت گزر گیا شفیق
اور نسرین بی بی فراز کی راہ تکتے تکتے کوچ کر
اب بڑے ہو گئے تو مریم نے اُن کی شادیاں
زندگی کا ایک طویل عرصہ باہر گزار کر فراز
واپس آیا تو تمام عزیز و اقارب کی دعوت رکھی
میں مریم نے کہا۔

"اگر میری زندگی میں فراز جیسا مخلص
کامیاب انسان نہ ہوتا تو میں شاید اپنے مقصد
کامیاب نہ ہو پاتی میری کامیابی اور خوشحالی
فراز کا ہاتھ ہے فراز نے اپنی ساری زندگی
میں گزار دی صرف اور صرف ہمارے لیے
پاس تو سہارا تھا اپنی اولاد کا اور فراز کے پاس
اور صرف ہماری یادیں تھیں اور اس طرح خیال
مریم نے اپنی ساری کاوشوں کا سہرا فراز کے
باندھ دیا۔

کون کہتا ہے کہ عورت کمزور ہوتی ہے۔
کرنے کی طاقت نہیں رکھتی جو عورت اپنی کامیابی
کا سہرا کسی اور کے سر باندھ دے اس سے
بہادر تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا ایثار اور قربانی کی اعلیٰ
ترین مثال فقط عورت ہی ہے۔

اور مریم جیسی عورتیں ہی ہیں جنہوں
معاشرے کا توازن برقرار رکھا ہوا ہے جس
باپ نہیں سنبھال سکتے اُس کو بیوی سنبھال لیتی

☆☆.....☆☆

آپ اس کو بیچ کر کوئی کام کاج کر لیں۔"

لیکن جس نے سارا وقت آوارگی میں گزارا ہو
اس کے پاس کاروبار کا تجربہ کہاں سے آتا اور نا ہی
پلے کوئی ہنر تھا لے دے کے جو بچی تھی وہ مزدوری
تھی لیکن طبیعت کی نازکی اُس کی اجازت نہیں دیتی
تھی لہٰذا فراز نے اپنے دنیا میں آنے والے بچے
کے حال کو چھوڑ کر اس کے بہتر مستقبل کی خاطر
بیرون ملک چلا گیا غریب کو روٹی کی بڑی قیمت ادا
کرنی پڑتی ہے۔

شفیق صاحب اب گھر پر ہی رہتے ہیں مریم نے
اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا اور اطمینان سے اپنا فرض ادا
کرتی رہی فراز کی ماہوار تنخواہ آجاتی جس سے گزر
بسر ہوتی رہی وقت برق رفتاری کے ساتھ چلتا رہا
مریم گھر بڑی کفایت شعاری کے ساتھ چلاتی رہی۔

مفلس ماں باپ کی بیٹی مریم نے اپنی ذات کو
ہمیشہ زندگی کے میدان میں تنہا پایا زمانے کی تلخیوں

دعاؤں کا حصار

حاجرہ دعاؤں کے حصار میں تھی تو کیوں نہ خوشیاں اُس کی جھولی میں گرتیں.....

فوزیہ سرور

کمرہ گلاب کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو
معطر تھا یہ خوشبو کمرے کے عین وسط میں شان
سجے جہازی سائز بیڈ کے اطراف لٹکتی گلاب
پھولوں کی لڑیوں سے پھوٹ رہی تھی۔ جہازی
بیڈ کے بیچوں بیچ وہ اپنے گلاب کی پتیوں سے
کامدار لہنگے کے گھیر کو پھیلائے دلہن بنی لبوں
پہ دلکش مسکان سجائے اپنے من کے میت کی
آمد سے منتظر تھی۔ ذرا سی بازوؤں کی جنبش
سے چوڑیوں کا جلترنگ بجا دیتی تو وہ خود مسحور ہوتے
کمرے کا ماحول پُرفسوں تھا۔ دروازے کی
چرچراہٹ کی آواز پر اس کا وجود گنگنا اٹھا۔
دھیرے دھیرے قریب آتے قدموں کی مدھم
چاپ سے اس کے دل کی دھڑکنیں مرتعش کر گئی۔
مردانہ پرفیوم کی دلفریب خوشبو سے معطر وجود
اس کے سامنے بیڈ پر براجمان ہو گیا شرم و حیا کی
لالی سے اس کی دراز پلکوں کی گھنیری چلمن لرزنے
لگی حنا کے نقش و نگار سے سجے ہاتھ کو مضبوط ہاتھ
میں تھاما تو گویا دل ہاتھ میں دھڑک اٹھا۔ ساعتوں
میں مدھر گھمبیر سرگوشی ابھری۔

"نی حاجرہ..... کدھر مر کھپ گئی ہے۔" اماں
سعیدہ کی پاٹ دار آواز صور اسرافیل بن کر حاجرہ
کی سماعتوں میں بازگشت بن کر ٹکرائی تو ہاتھ میں
تھاما سرخ کامدار ٹکوں سے مزین لہنگا حاجرہ کے
ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس لہنگے کو دیکھتے دیکھتے ہی تو
حاجرہ خوابوں کے خوبصورت جہان میں پہنچی ہوئی
تھی۔ خوابوں کے شہزادے کی گھمبیر مدھر سرگوشی کی
بجائے اماں سعیدہ کا صور کان کے پردے کو ہلا گیا
تھا۔

اماں کی چنگھاڑتی آواز نے گویا اسے جھنجھوڑ
ڈالا تھا۔ لمحوں میں سارا فسوں بھک سے اڑا تھا۔
مرے مرے انداز سے کامدار لہنگا اچھی طرح پیک
کر کے واپس لوہے کے ٹرنک میں رکھا۔ تالا لگانے
کے بعد چابی پرانے گلدان میں رکھ دی۔ جو خاصا
اونچائی پر الماری کے خانے میں رکھا تھا۔

"نی حاجرہ..... جلدی باہر آ..... کیا سو گئی ہے
یا منہ میں گنگنیاں ڈال کر بیٹھ گئی ہے۔ اماں کی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

دوبارہ گونجنے والی دھاڑ نے حاجرہ کو پل بھر میں اماں کے دربار میں پیش کر دیا۔ جو صحن کی دیوار کے ساتھ بچھی چارپائی پر لگا تھا۔ اماں سعیدہ چارپائی پر بیٹھی دھڑا دھڑ جرسیوں کو ادھیڑ رہی تھی۔ حاجرہ کو سامنے دیکھ کر خوب گھوری سے نوازا۔

''کیا ہے اماں..... کیوں رولا ڈال رکھا ہے۔'' حاجرہ کو خوابوں کے شہزادے کی مدھر سرگوشی نہ سننے کا دکھ تھا۔ اسی دکھ میں بدتمیزی کر گئی جو خاصی مہنگی پڑی۔

''تجھے تو میں بتاتی ہوں..... رولا ڈالتی ہوں میں تجھے کمرے میں جا کر سَپ (سانپ) کیوں سونگھ جاتا ہے۔ ٹرنک میں ایسا کون سا خزانہ دفن ہے جو تجھے اپنے ساتھ اتنی زور سے باندھ لیتا ہے کہ تو اپنی ماں سے ہی لاپرواہ ہو جاتی ہے۔'' اماں سعیدہ کا جلال عود کر آیا تھا۔

''اماں تو جانتی تو ہے۔ ٹرنک میں کیا دفن ہے پھر بھی پوچھتی ہے۔'' اب حاجرہ ڈھیما تھا۔

''ایک لہنگا بنا کر تُو نے خود کو دلہن ہی سمجھ لیا ارے حاجرہ غریب کی کٹیا میں لہنگے نہیں بنتے رقم ڈبو دی تو نے لہنگا بنانے میں اگر تیری تالی ما جائے تو پھر تو لہنگا کام آ جائے گا ورنہ کوئی غریب متھے لگے گا۔ میں تو کہتی ہوں بچ ڈال اسے پیسے ہاتھ آ جائیں گے۔ آج کل میں رمضان چاند نظر آ جائے گا۔ گھر میں راشن ڈلوانا ہے سویلے اور افطاری کے وقت ہم بھی کچھ چنگا کھا گے۔'' اماں نے لہنگا بیچنے کی بات کر کے گویا حا کے دل پر گھونسہ دے مارا۔ حاجرہ بلبلا اٹھی۔

''اماں لہنگا میں نے بڑے چاؤ اور محبت بھ ارمانوں سے بنایا ہے۔ ایک ہی تو خوشی کا احسا

ے پاس، تو اس سے تو محروم نہ کر مجھے..... کے پاس خواب ہی تو ہوتے ہیں۔ کیا خواب بھی چھوڑ دوں۔ یہ لہنگا مجھے بڑے حسین خواب ہے۔'' حاجرہ کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''اچھا چل دیکھتی رہ خواب، اب جا کے مشین ل، کپڑوں کا آرڈر وقت پر دینا ہے۔ عید پر تو وں کی مانگ بڑھ جاتی ہے زیادہ کپڑے سلائی ے گی تو روزے بھی سوکھے (آسانی) گزر ں گے اور عید بھی، نقشی دبکے کے سوٹ بھی رنے ہیں۔ ہمت کرے گی تو آسانی ہوگی میرا ابھی وان (بان) بس تیار ہی ہے اس کو ں پرسوں تک بیچ دوں گی۔ چار پیسے ملیں گے ون ہوگا۔ سو ضرورتیں منہ کھولے بیٹھی ہیں۔ نکل بھی چوہی امی جیسی نکل آئی ہے۔ وں میں روزے کی حالت میں کام کرنا پڑے کچھ کھلا پلا دوں تجھے ماں کا دل تو دکھتا ہے نا۔ سعیدہ کا لہجہ مسلسل بولتے بولتے گلوگیر ہو گیا۔ تو دل چھوٹا نہ کر..... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ے پاس سر چھپانے کو چھت تو ہے نا۔ ہاتھ ں سلامت ہیں۔ محنت کر کے روزی کماتے ہیں عزت سے کھاتے ہیں۔ دوسروں کے آگے پھیلانے کی بجائے مجبور کی مدد بھی کر دیتے ۔ اللہ کا اس سے بڑا کرم اور کیا ہوگا۔ وہ ے دن مزید پھیر دے گا۔ حاجرہ کے لہجے میں اور توکل کی دولت کی بھرمار تھی۔

''نی حاجرہ تو تو بڑی سیانی ہو گئی ہے۔ اتنی ڑی (گہری) باتیں تو نے کہاں سے سیکھیں۔'' سعیدہ کو بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''اماں مجھے یہ باتیں ڈائجسٹ سکھاتے ہیں۔ ں پڑھنا اور خریدنا تو وقت اور پیسوں کی ری سمجھتی ہے بھلا مڈل پاس حاجرہ کہاں سے سیکھتی ایسی باتیں، اچھا یہ ڈائجسٹ (ڈائجسٹ) اتنی اچھی باتیں سکھاتے ہیں۔ چل اب تو خوش ہو جا میں خود خرید کر لا دیا کروں گی پھر تو مجھے بھی پڑھ کر سنانا۔'' سچ اماں حاجرہ وفور مسرت سے چلا اٹھی۔

''ہاں بالکل سچ، اب تو جا کر مشین سنبھال، مجھے لگتا ہے آج چاند ضرور نظر آئے گا۔ اس لیے مغرب سے پہلے کام نبٹ جائے تو اچھا ہے۔'' اماں سعیدہ محبت سے کہہ کر جرسی کی اون کا گولہ بنانے لگی۔ وہ اسی اون سے چارپائیاں بننے والا بان بناتی تھی اور بیچ آتی تھی۔ اب بھی اماں سعیدہ تندہی سے وان بنانے میں جت گئی۔ حاجرہ کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ لیکن بیرونی دروازے سے داخل ہوتے اشفاق کے بلند آواز میں سلام کرنے پر قدم وہیں ٹھہر گئے۔

''السلام علیکم چاچی۔'' اشفاق مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑے چارپائی پر بیٹھی اماں سعیدہ کی طرف بڑھا۔ اشفاق کو دیکھ کر جہاں اماں سعیدہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا وہیں منجمد ہوئی حاجرہ کے چہرے پر خفگی بھرے تاثرات سج گئے۔

''اونہہ ہر چوتھے روز آ جاتا ہے نئی نئی کہانیاں سنانے۔'' اس کی اماں کو ہم ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

''وعلیکم السلام پتر اشفاق، بڑے دنوں بعد چکر لگایا تو نے۔ تیری اماں اور ابا تو ٹھیک ہیں نا۔ اماں سعیدہ نے محبت سے استفسار کرتے اشفاق کے بیٹھنے کے لیے چارپائی پر جگہ بنائی۔ اشفاق نے چارپائی پر بیٹھ کر ڈبہ اماں سعیدہ کو پکڑایا۔ جسے انہوں نے محبت سے تھام کر حاجرہ کو آواز لگائی۔

''حاجرہ لے مٹھائی پکڑ..... اور پلیٹ میں ڈال کر میرے اور اشفاق کے لیے لا..... چائے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بھی بنالینا۔" حاجرہ پلٹ کر نپے تلے قدموں سے چلتی اماں کی طرف بڑھی سانولے سلونے دلکش چہرے پر خفگی ابھی بھی رقم تھی۔ اشفاق کے قریب ہاجرہ نے ٹھہر کر ہاتھ اماں کی جانب بڑھایا اور ایک نروٹھی نگاہ خود کو دیکھتے اشفاق پر ڈالی۔ اشفاق کے گھنی مونچھوں تلے لب مسکرا اٹھے۔

"یہ لگتی بلی کچھ زیادہ ہی روٹھنے لگی تھی۔"

"اماں تو نے یہ تو پوچھا ہی نہیں یہ مٹھائی ہے کس خوشی میں' کہیں تیرے پتر کی بات تو پکی نہیں ہوگئی۔" سنجیدہ بھرا لہجہ اشفاق کی نگاہوں میں شکوہ مچلا۔

"مجھے ایسا سمجھتی ہے۔" جسے حاجرہ نے سرے سے درخواعتنا نہ جانا۔ اماں سعیدہ نے حاجرہ کی بات پر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ وہ اشفاق کو دیکھ کر جوش اور خوشی میں پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔

"ہاں بتا اشفاق پتر مٹھائی کس خوشی میں لایا ہے۔" دل میں اندیشوں کے ناگ سرسرانے لگے۔

"کہیں سچ مچ رشتہ تو طے نہیں ہوگیا۔"

چاچی مجھے نوکری مل گئی ہے۔" اشفاق جوش سے بولا تو اماں سعیدہ کا وجود گویا ہلکا پھلکا ہوگیا۔ خوشی اور محبت سے اشفاق کا ماتھا چوم ڈالا۔

"جا حاجرہ جلدی سے مٹھائی اور چائے لے کر آ....." حاجرہ مٹھائی کا ڈبا تھام کر دھیمے لہجے میں بولی۔

"مبارک ہو....."

"خیر مبارک....." اشفاق زیر لب بولا۔ حاجرہ برآمدے کے کونے میں بنے چھوٹے سے کچن میں چلی گئی۔

"پتر تجھے بہت بہت مبارک ہو۔ جمیلہ بھرجائی اور بھائی شکور کو میری طرف سے بہت بہت مبارکباد دینا۔ آج رات کا کھانا سب کا میرے گھر

اپنی اماں اور ابا کو لے کر آنا۔" اماں سعیدہ [illegible] میں چھٹ کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

"ضرور چاچی' اماں اور ابا کو لے کر [illegible] رات کو۔" اشفاق نے یقین دلایا۔

"اوہو جیسے تائی تو آ ہی جائے گی۔" [illegible] کپوں میں انڈیلتی حاجرہ بڑبڑائی۔

"جلدی چائے لے آ حاجرہ۔" اماں [illegible] پکار پر حاجرہ ٹرے میں دو کپ اور مٹھائی والی [illegible] رکھ کر چارپائی کے قریب چلی آئی۔ اماں [illegible] چارپائی پر ٹرے رکھی اور اشفاق [illegible] تھمایا۔ اشفاق نے محبت سے لو دیتی نگاہوں [illegible] حاجرہ کو دیکھا اور کپ تھام کر لبوں سے [illegible] حاجرہ نے ایک پل کے لیے ان نگاہوں میں [illegible] پھر پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔ دل دھڑک اٹھا لیکن دل کو لگام ڈالنا اُسے آتی تھی۔ [illegible] کپڑوں کی سلائی شروع کرتے ہوئے بھی [illegible] کے دھیان کی ساری ڈوریں باہر صحن میں [illegible] تھیں۔ باہر صحن میں اشفاق چائے ختم کر کے [illegible] کھڑا ہوا۔

"اچھا چاچی..... اب چلتا ہوں۔ شام [illegible] رات کو اماں اور ابا کو ضرور لاؤں گا۔" اشفاق [illegible] ادب سے اجازت چاہی۔

"چل ٹھیک ہے پتر..... ضرور لانا اپنے [illegible] ابا کو۔" اماں سعیدہ نے محبت سے الوداعی [illegible] اشفاق کے گھنے بالوں پر پھیرا۔

"اچھا چاچی..... اللہ حافظ۔" باہر کی [illegible] قدم بڑھاتے اشفاق نے اپنی آواز دانستہ [illegible] رکھی۔ جس کو سنانا مقصود تھا اس نے بہت محبت [illegible] توجہ سے اس کا اللہ حافظ سنا اور مشین پر جھکے [illegible] کے لبوں پر دھیرے سے اللہ حافظ آ گیا۔

شکور اور غفور دو ہی بھائی تھے۔ ایک ہی [illegible] میں الگ الگ گلیوں میں رہائش پذیر دونوں بھائیوں کی بازار میں پرچون کی دکان تھی۔ دکان دونوں کی خوب چلتی تھی۔ شکور کی ایک ہی اولاد نرینہ تھی۔ بیٹی تھی نہیں شکور کی بیوی جمیلہ کو بیٹے کی ماں ہونے کا غرور تھا۔ بیٹا بھی قابل' پڑھنے لکھنے کا شوقین' جمیلہ کا غرور دوآتشہ ہوگیا۔ غفور اور سعیدہ کی ایک ہی بیٹی حاجرہ تھی۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کا دکھ کبھی کبھی جاگتا لیکن دونوں میاں بیوی رب کی رضا میں راضی رہتے۔ حاجرہ مڈل میں تھی جب غفور کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ شکور نے بھائی کی دکان میں رکھا سامان خرید کر رقم سعیدہ کے حوالے کردی۔ مکان ذاتی تھا کرائے کا جھنجھٹ نہ تھا۔ ایک سال اسی رقم سے کھینچ تان کر گزارا کیا حاجرہ کے آٹھویں کے امتحان دیتے ہی سعیدہ نے اسے سلائی' کڑھائی' نقش دبکی اور گوٹوں کو ٹانکنے کا کام سکھانے اسکول میں ڈال دیا۔ خود لنڈے سے جرسیاں خرید کر ادھیڑ کر بان بنا کر بیچنے لگی۔ زندگی کی گاڑی رینگنے لگی۔ سعیدہ کی خودداری نے کبھی اجازت نہ دی کہ وہ جیٹھ سے کسی قسم کی مدد لے۔ سال بعد ہی حاجرہ سارے کاموں میں طاق ہوگئی۔ گزارا آسانی سے ہونے لگا۔

سعیدہ فیکٹری سے کپڑوں کی سلائی کا آرڈر لیتی حاجرہ سلائی کردیتی۔ انہی دنوں حاجرہ کے ہاتھ اخبار کا ایک صفحہ لگا۔ جس پر فیشن شو میں ماڈل دلہنوں کی تصاویر تھیں۔ حاجرہ جدید ڈیزائن کے دیدہ زیب لہنگے دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ ایک لہنگے پر تو حاجرہ کا دل بری طرح اٹک گیا۔ حاجرہ نے صفحہ سنبھال کر رکھ لیا۔ منت ترلا کر کے اماں سعیدہ سے بالآخر لہنگا بنانے کی اجازت لے لی۔ حاجرہ دو سال پیسوں کی بچت کر کے اتنی رقم اکٹھی کرنے میں کامیاب ہوگئی کہ وہ لہنگا بنانے کے لیے مطلوبہ سامان خرید سکے۔ باقی کام تو اس نے خود ہی کرنا تھا۔ اس کی انتھک محنت سے جو لہنگا تیار ہوا اس کو دیکھ کر حاجرہ تو کیا اماں سعیدہ کی نگاہیں بھی خیرہ ہوگئیں۔

آبدیدہ ہو کر بیٹی کے بلند نصیب کی دعا مانگی۔ دوسری طرف اشفاق بھی پڑھ لکھ گیا جمیلہ کی گردن کا سریا مزید اکڑتا گیا۔ شکور نے دوسرے گھر میں تین مرلے مزید خرید کر شامل کر لیے پانچ مرلے کے گھر پر بہترین گھر تعمیر کیا اب تو جمیلہ دونوں ماں بیٹی کی صورت دیکھنے کی روادار نہ رہی۔ شکور کی پرچون کی دکان چھوٹے سے جنرل اسٹور میں ڈھل گئی تھی۔ دکان کی تعمیر اسی جنرل اسٹور سے ہونے والی آمدن کی مرہون منت تھی۔

اماں سعیدہ کی دلی آرزو تھی۔ شکور بھائی حاجرہ کا رشتہ اشفاق کے لیے مانگ لے۔ حاجرہ کے بھی خوابوں کا شہزادہ اشفاق ہی تھا لیکن تائی جمیلہ کے تیور اس کے دل کو اس کی اوقات باور کراتے رہتے تھے۔ حاجرہ کو اپنی عزت اور خودداری بے حد عزیز تھی۔ اس لیے اس نے ہمیشہ اشفاق سے لیے دیے انداز میں بات کی۔ اماں سعیدہ کی خواہش کے باوجود حاجرہ کا رشتہ تو اشفاق سے طے نہ ہوا۔

لیکن حاجرہ کا جب بھی دل چاہتا ٹرنک میں حفاظت سے رکھے لہنگے کو نکال کر دیکھنے لگتی اور خوابوں کے جہان میں پہنچ جاتی پھر اماں سے کبھی کبھار خوب ڈانٹ پڑتی۔ لیکن حاجرہ ہر تیسرے روز ٹرنک کھول کر بیٹھ جاتی۔ تائی جمیلہ کو تو حاجرہ زہر لگتی تھی۔ سانولی رنگت والی حاجرہ میں اسے کوئی کشش محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹی کو غریب غربا سمجھ کر منہ نہ لگاتی تھی۔ اب اشفاق نوکری پے لگ گیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کے دل میں خدشہ تھا اب جمیلہ شاید ان کے غریب خانے پر آنا

http://www.books.urdufuture.net/
http://www.urdufuture.net/

پسند نہ کرے۔ پھر بھی سعیدہ نے کھانے کی دعوت دے ڈالی تھی۔ حاجرہ عصر کے بعد چولہے کے پاس آ بیٹھی اس کا ارادہ چکن پلاؤ اور بھنڈی گوشت پکانے کا تھا۔ حاجرہ نے دل لگا کر کھانا تیار کیا۔ رائتے میں کھیروں کا کچومر سلاد بھی ڈالا۔

شام سے کچھ وقت پہلے کھانا بالکل تیار تھا۔ روٹیاں مہمانوں کی آمد پر حاجرہ نے پکائی تھیں گرمی اور حبس نے حاجرہ کو نڈھال کر دیا تھا۔ کھانا پکانے کے دوران پسینہ اس کی چوٹی سے ایڑھی تک بہنے لگا تھا۔ حاجرہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گھس گئی۔ اماں سعیدہ کی نگاہیں دروازے پر گویا کیل بن کر گڑ گئی تھیں۔ حاجرہ نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر تیار بھی ہوگئی۔ تایا اور تائی کی آمد نہ ہوئی۔ حاجرہ چھت پر چلی گئی۔ اسے رمضان کا چاند دیکھنا تھا۔ آسمان کو بغور دیکھتے اسے پتلی سی کمان نظر آ ہی گئی۔ اس کا دل جھوم اٹھا۔ جھٹ ہاتھ رب کی بارگاہ میں اٹھ گئے۔ آنکھیں بند کر کے رب سے مناجات کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرا ہی تھا جب مانوس قدموں کی چاپ قریب ہی ابھری۔ سرگوشی ساعتوں کو گرما گئی۔

''کیا مانگا رب سے؟''

''اپنے رب سے میں نے اس کی رضا مانگی ہے۔'' حاجرہ پُرسکون انداز میں کہہ کر لکڑی کی سیڑھی کی طرف بڑھی۔ اس کی بے نیازی پر اشفاق کے لبوں کے کنارے مسکراہٹ سے بھیگ گئے۔ اشفاق کی آمد نے حاجرہ کو تایا تائی کی آمد کا پتہ دیا تھا۔ وہ سیڑھی سے اتری تو نگاہ سیدھی تائی جمیلہ پر پڑی جو کڑے تیوروں سے حاجرہ کو گھور رہی تھی۔ اشفاق کا چھت پر جانا جمیلہ کو بری طرح کھلا تھا۔ جانتی تھی بیٹا حاجرہ سے شادی کا خواہش مند ہے لیکن وہ اس کالی کلوٹی غریب گھر کی لڑکی کو منہ کیوں

لگاتی۔ حاجرہ کا سانولا رنگ جمیلہ کو کالا ہی لگا۔ حاجرہ نے تائی کے تیور نظر انداز کر کے ادب تایا تائی کو سلام کیا۔ تایا شکور نے محبت سے ہاتھ پھیرا۔ جمیلہ تائی نے رخ ہی پھیر لیا سعیدہ دل پر گھونسہ پڑا لیکن چہرے پر ضبط کی سرخی باوجود مسکراہٹ تھی۔ حاجرہ نے جھٹ پٹ روٹیاں پکا کر دسترخوان سجا دیا۔

اشفاق بھی چھت سے نیچے آ چکا تھا۔ کے بیٹھتے ہی حاجرہ بھی ماں کے اشارے پر سنہالی بڑی پلیٹ میں ڈالے چلی آئی۔ اماں سعیدہ اپنی ازلی سادگی سے اشفاق کے مٹھائی لانے بابت بتا دیا۔ تائی جمیلہ گویا جلتے توے پر جا بیٹھی حاجرہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر پلیٹوں میں سالن اور چاول ڈال کر تایا اور تائی کے سامنے رکھنے لگی اشفاق کو مکمل نظر انداز کیا۔ حاجرہ کے کھانا شروع کرنے پر تائی جمیلہ پاروبن کر بھڑک اٹھیں زیادہ آگ تو مٹھائی کی لگی تھی اشفاق نے ان ماں بیٹی کو نوکری لگنے کا کیوں بتایا' حاجرہ اور سعیدہ پر گویا جلتے انگارے پھینکے۔

''بند کرو یہ چونچلے ..... اشفاق کو مٹھی میں کرنے کے گر سیکھے بیٹھی ہیں دونوں ماں بیٹی کرتوت جانتی ہوں تم ماں بیٹی کے۔'' بنا شوہر اور بیٹے کا لحاظ کیے تائی جمیلہ نے دونوں ماں بیٹی کا دل ادھیڑ کر رکھ دیا۔ حاجرہ کا وجود بھربھری مٹی میں ڈھل گیا۔ اتنی اہانت و ذلت اشفاق نے دکھ اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت سے حاجرہ کا سرسوں کا پھول بنا چہرہ دیکھا' تایا شکور بیوی کی بدزبانی پر آگ بگولا ہوا اٹھے۔ گرج کر بولے۔

''زبان سنبھال کر بات کر جمیلہ' میری بھائی اور بھتیجی کے بارے میں بات کرتے وقت سو بار سوچا کر' زیادہ ہی منہ کھل گیا ہے تیرا۔ حاجرہ بنت

اشفاق کے لیے پسند ہے۔ تُو کون ہوتی ہے اعتراض کرنے والی۔'' تایا شکور نے اچھی طرح [illegible] کی طبیعت صاف کی۔

''ماں ہوں میں اشفاق کی جہاں میں چاہوں وہیں اشفاق کا رشتہ طے ہوگا۔ لوکر لوگل چاچی گھر عشق معشوقی کا کھیل چل رہا ہے۔ ذرا جو شرم ہو سعیدہ کے دیدوں میں۔'' جواباً جمیلہ نے گویا ٹینک کے گولے داغ دیے۔ سعیدہ کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگا۔ حاجرہ کے تو کاٹو بدن میں لہو نہیں۔ مزید بیٹھنا دشوار ہوگیا۔ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور کمرے میں غائب ہوگئی۔ مجھے یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔ یہ تو اشفاق پیچھے پڑ گیا تو مجھے آنا پڑا۔ جا رہی ہوں میں۔'' حاجرہ اٹھے پر تائی جمیلہ انگارے چباتی اٹھی اور چند قدموں میں بیرونی دروازہ پار کر گئی۔ تایا شکور تائی جمیلہ کی اتنی جرأت پر گشت بدنداں' ذرا جو اپنے ناری خدا کی موجودگی کا لحاظ کیا ہو بدزبان عورت غصے سے کھول کر رہ گئے۔ دسترخوان پر سجا کھانا اپنی بے قدری پر نالاں تھا۔ اماں سعیدہ سر جھکائے غم واندوہ کی تصویر بنی بیٹھی تھیں۔ تایا شکور کھڑے ہوئے تو سعیدہ کا جھکا ہوا سر تھوڑی سی [illegible] تایا شکور نے سعیدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دی اور بنا کچھ کہے گھر کی دہلیز پار کر لی۔ تو گھر جا کر خبر لینی تھی۔ اشفاق دکھی دل لیے اور کمرے میں چلا گیا جہاں حاجرہ پلنگ پر مشکل سسکیاں دباتی بیٹھی تھی۔ اماں نے جو کچھ کہا۔

''مجھے اس کا بہت زیادہ دکھ اور پشیمانی ہے۔'' حاجرہ کے قریب کھڑے ہو کر اشفاق بولا تو لہجہ اَن دیکھے کرب کی آنچ میں لپٹا تھا۔ حاجرہ کے وجود میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اشفاق حاجرہ کی نگاہوں کے سامنے جم کر کھڑا ہوگیا۔ حاجرہ کی نم آلود نگاہیں اشفاق کی محبت سے لبریز نگاہوں سے ٹکرائیں تو حاجرہ بولی۔ لہجے میں تلخی گھلی تھی۔ میں مڈل پاس تم ایم اے پاس' میرا تمہارا کیا جوڑ' بہتر یہی ہے اپنی اماں کی بات مان لو' مجھے محبت سے زیادہ عزت کی چاہ ہے۔ وہ تمہاری اماں کے پاس میرے لیے نہیں ہے۔ خود کو اور مجھے مشکل میں نہ ڈالو' اشفاق نے حاجرہ کا تلخی میں ڈوبا لفظ لفظ سماعتوں میں اتارا۔ کچھ پل خاموشی کی نذر ہوگئے اشفاق نے خاموشی کے سکوت کو توڑا۔

''محبت بھی دوں گا اور عزت بھی یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' لہجہ مضبوط اور اٹل تھا۔

''دیکھتے ہیں۔'' حاجرہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''دیکھ بھی لو گی اور مانو گی بھی.....'' اشفاق پُرعزم لہجے میں کہتا پلٹ گیا حاجرہ کی نگاہوں نے دروازے سے نکلنے تک اشفاق کا تعاقب کیا۔

آسمان پر کالی گھنگور گھٹائیں چھائی تھیں۔ انیسواں روزہ۔ مدھر چلتی نسیم فزا ہر روزے دار کی روح کو فرحت بخش احساس بہم پہنچا رہی تھی۔ اماں سعیدہ اور حاجرہ صحن میں ہی جائے نماز بچھا کر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھیں۔ جب اَدھ کھلے بیرونی دروازے سے گزر کر بتول بی بی جو محلے کے دوسرے کونے پر رہائش پذیر تھی دونوں کے قریب آ رکی۔ اس محلے میں دروازہ سب گھروں کا شاذ و نادر ہی بند ہوتا تھا۔ دروازوں کے سامنے کپڑے کا پردہ لٹکا ہونے کے باعث دروازہ زیادہ تر کھلا ہی رہتا تھا۔ بتول بی بی کو دیکھ کر اماں سعیدہ نے تلاوت روک دی۔ اور نشانی رکھ کر قرآن پاک بند کر دیا۔

بتول بی بی کے چہرے پر غم کی گہری

http://www.books.urdutube.net/

پر چھائیاں تھیں۔ شاید اسی وجہ سے وہ سلام کرنا تک بھول گئی تھی۔ حاجرہ نے بھی تلاوت روک کر بتول خالہ کا غمزدہ چہرہ دیکھا تو دل دکھ سے بھر گیا۔ بتول خالہ بھی بیوہ عورت تھی ایک اکلوتی بیٹی ثوبیہ اس کی کل متاع تھی۔ جس کا رشتہ طے تھا' بتول خالہ بیٹی کے رشتہ طے ہونے پر اللہ کا شکر ادا نہ کرتے تھکتی تھیں۔

اب نہ جانے کیا پریشانی تھی جو بتول خالہ کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ اماں سعیدہ قرآن پاک حاجرہ کو الماری میں رکھنے کا کہہ کر خود جائے نماز سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور بتول خالہ کو مکان کے واحد کمرے میں لے گئی۔ حاجرہ نے بھی نشانی رکھ کر قرآن پاک بند کر کے غلاف چڑھایا اور رقت سے دعا مانگی اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد دونوں قرآن پاک برآمدے میں بنی الماری میں رکھ کر جائے نماز تہہ کرنے لگی۔ ساعتیں کمرے سے آنے والی آوازوں پر مرکوز کر دیں۔

''کیا پریشانی ہے' بتول اب بتاؤ؟'' اماں سعیدہ نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔ بتول بی بی کی غمزدہ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر جھریوں میں گم ہونے لگے۔ اماں سعیدہ کا دل آنسوؤں میں گویا ڈوب گیا۔

''کچ تو بول بتول..... میرا دل کیوں ہولا رہا ہے۔'' اماں سعیدہ کا لہجہ پریشانی سے اٹا تھا۔

''سعیدہ ثوبیہ کا دیاہ مانگتے ہیں لڑکے والے' میں کہا بھی سال ٹھہر جاؤ لیکن بس ایک ہی رٹ' عید کے بعد دیاہ رکھو۔ جہیز لینے سے تو انہوں نے انکار کر دیا مہربانی ان کی' لیکن دیاہ کے باقی خرچے کہاں سے پورے کروں۔ ثوبیہ کو شادی کے دن کون سا جوڑا پہنا کر رخصت کروں گی۔ ہاتھ وچ دھیلا نہیں۔ کچ سمجھ نہیں آتا۔ کیسے دیاہ ہوگا۔ سب گھروں سے ڈھکے چھپے امداد مانگی ہے۔ لیکن کسی نے مدد کی ہامی نہ بھری سب سے مایوس ہو کر تیرے گھر آ گئی۔ جانتی ہوں تو بھی کہاں کی امیر ہے۔ غریب بیوہ عورت ہے لیکن تیرے پاس سب سے قیمتی چیز احساس کرنے والا دل ہے۔ جو اس محلے کے کسی صاحب حیثیت کے کسی عورت کے پاس بھی نہیں۔ تیری جٹھانی بھی یہ کہہ کر ٹال دیا دیکھتی ہوں اگر کچھ ہو سکا تو ضرور مدد کروں گی۔ اب تُو ہی بتا میں کیا کروں سعیدہ۔'' بتول بی بی پھپک پھپک کر رو پڑی۔ برآمدے میں کھڑی حاجرہ کی سماعتیں رونے کے کرب سے لرز گئیں۔ سعیدہ بھی گم صم بیٹھی تھی۔ وہ بتول کی مدد کہاں سے کرتی' رقم کبھی جمع ہوئی ہی نہیں۔ جو ملتا جاتا وہ گھر کی ضرورت میں اٹھ جاتا۔ یک لخت اماں سعیدہ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

حاجرہ بتول خالہ کے شدت سے گریہ زاری کی سوچ میں پڑ گئی کہ بتول خالہ کی مدد کیسے کی جائے۔ عین اسی لمحے جب سعیدہ کے ذہن میں خیال کا جھماکا ہوا تھا اسی پل حاجرہ کے ذہن میں بھی ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند لپکا۔ حاجرہ سرعت سے کمرے میں گئی۔ بتول خالہ رونے میں مشغول' اماں سعیدہ نے حاجرہ کے چہرے پر پھیلی فیصلہ کن روشنی کو خود میں سرایت کرتے پایا۔ دونوں ماں بیٹیوں نے ایک ہی فیصلہ کیا تھا۔ سعیدہ کو حاجرہ سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ اس کی گنوں والی نیک فطرت بیٹی' سعیدہ کا دل بیٹی کے لیے دعا گو ہو گیا۔ حاجرہ نے ٹرنک کا تالا کھول کر اپنی محنت اور ارمانوں سے بنایا لہنگا دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور بتول خالہ کی گود میں رکھ دیا۔ بتول خالہ رونا دھونا بھول کر حیرانگی سے اتنے خوبصورت آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے لہنگے کو دیکھنے لگی۔ قوت گویائی گویا سلب ہو گئی۔ حاجرہ نے

رمضان میں اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنی سے قیمتی چیز قربان کر دی تھی۔

اس کا دل سکون کے رنگوں سے بھرنے لگا تھا۔ ل خالہ کچھ لمحوں بعد بولنے کے قابل ہوئیں تو گھڑاتے لہجے میں بولیں۔

''اتنا سوہنا لہنگا حاجرہ..... کیا تو نے ثوبیہ کے لیے دے دیا۔'' لہجے میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''جی خالہ..... اب ثوبیہ کا ہے یہ..... تُو فکر نہ کر۔ عید کے دن تک کچھ رقم بچانے کی کوشش کروں گی۔'' حاجرہ کا لہجہ انکساری لیے ہوئے تھا۔

''جیتی رہ میری بچی..... اللہ تجھے دو جہانوں کی خوشیاں دے' تو نے میری کتنی بڑی فکر کم کر دی اتنا سوہنا لہنگا دیکھ کر تو ثوبیہ خوشی سے دیوانی ہو جائے گی۔ سعیدہ بڑی چنگی تربیت کی ہے تُو نے حاجرہ کی۔ تم دونوں کو اللہ اتنا سکون اور خوشیاں دے جتنا سمندروں میں پانی ہے۔'' بتول بی بی کے دونوں ہاتھ رب کی بارگاہ میں اٹھے تھے۔ دعاؤں کا جھرنا تھا جو دہن سے بہے جا رہا تھا۔ حاجرہ اور اماں سعیدہ بھی آبدیدہ ہو گئیں طمانیت دونوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ بتول بی بی ان کے گرد دعا کا حصار کھینچ کر لہنگا لے کر چلی گئی۔

گرمی کا زور مسلسل ہونے والی بارشوں توڑ دیا تھا۔ آخری عشرہ رحمت و انوار کی تجلیاں ہر مومن پر کرائے۔ خراماں خراماں اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اشفاق نے اُس دن کے بعد پھر چکر نہ لگایا تھا۔ اماں سعیدہ کی بھی اب امید دم توڑ چکی تھی۔ حاجرہ افطاری بنانے میں مگن تھی پچیسویں روزے کی بابرکت رات اسے عبادت کرنا تھی۔ آج اس کی نیت پوری رات جاگنے کی تھی۔ افطاری میں اس کا دل چکن کے پکوڑے کھانے کو چاہا تو اماں سے چکن منگوالیا۔ اماں نے اس ماہ کے ڈائجسٹ بھی لا دیے تھے۔ حاجرہ نے عید کے دن ڈائجسٹ پڑھنے تھے۔ اس وقت وہ پکوڑے تلنے میں مصروف تھی۔ پکوڑوں کی اشتہا انگیز خوشبو چھوٹے سے گھر میں پھیلی تھی۔ اماں سعیدہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھنے میں گم تھی۔ دل بے حد اداس تھا۔ لب چپکے چپکے رب سے مناجات میں مصروف تھے۔

''میرے سوہنے اللہ..... میری بیٹی کے نصیب کا رشتہ بھیج دے۔'' دروازے پر کھٹکا ہوا۔ حاجرہ نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اماں سعیدہ کے دھیان کی ڈوریں رب کے ساتھ بندھی تھیں۔ کھٹکے پر توجہ نہ دی۔ لٹکتے پردے کے پیچھے سے نمودار ہوتے تایا اور تائی کو دیکھ کر حاجرہ کا وجود منجمد ہو گیا۔ اس کے وجود کا انجماد تایا تائی کی آمد کے باعث نہیں تھا بلکہ تائی کے ہنستے مسکراتے چہرے کے باعث تھا۔

''السلام علیکم!'' تایا شکور کی پُرجوش آواز پر اماں سعیدہ کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چہرے پر خوشی' نگاہوں میں حیرانگی لیے اماں سعیدہ جھٹ وعلیکم السلام بولیں۔ آواز وفور مسرت سے کانپ رہی تھی۔

''کیا حال ہے سعیدہ.....'' تائی جمیلہ نے مسکرا کر حال پوچھا تو سعیدہ مارے حیرت کے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی' یہ کایا کیسے پلٹ گئی۔

''میں ٹھک ہوں بھرجائی..... آؤ آؤ اندر کمرے میں چلو باہر حبس ہے پنکھے کے نیچے سکون ہے۔'' سعیدہ دونوں کو ہمراہ لیے کمرے کی جانب بھی لیکن اس کی حیرت دو چند ہو گئی جب جمیلہ نے حاجرہ کو بھینچ کر گلے لگا کر ماتھا چوما۔ حاجرہ اتنی محبت پر آبدیدہ ہو گئی وہ بھی حیرانگی کے جنگل میں سرگرداں تھی تائی جمیلہ اتنی محبت کرنے والی تائی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کیسے بن گئی۔ تایا اور تائی کے کمرے میں جاتے ہی حاجرہ میں پھرتی آ گئی۔ سرعت سے پلاسٹک کی بالٹی میں چاول چیک کیے۔ ایک کلو چاول دیکھ کر جھٹ چکن پلاؤ بنانے کا خیال ذہن میں ابھرا۔ تھوڑا سا چکن اس نے سالن بنانے کے لیے بچایا تھا۔ اسے افطاری تک مزیدار سا کھانا تیار کرنا تھا۔

''سعیدہ..... حاجرہ کو میری بیٹی بنادو۔ میرا اشفاق حاجرہ کو بہت خوش رکھے گا۔'' تائی جمیلہ کا لہجہ محبت بھرا اور شہد آگیں تھا۔ سعیدہ پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سوہنے رب نے اس کی دم توڑتی امید کو پل بھر میں زندگی عطا کی تھی۔ اماں سعیدہ کو بتول بی بی کی دعا کے کھینچے گئے حصار کی قبولیت کا یقین آ گیا۔ جمیلہ بھرجائی کا مان جانا اسے دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہی لگا تھا اتنا قابل' خوبصورت نوجوان ان کی بیٹی کا نصیب رب نے بنا دیا تھا۔

''بھئی سعیدہ انکار نہ کرنا..... مجھے تو حاجرہ اشفاق کے لیے اول دن سے پسند ہے۔ جس دن یہ دنیا میں آئی تھی۔'' تایا شکور سعیدہ کی خاموش پر محبت سے گویا ہوا۔ یا اللہ اتنی خوشیاں کیسے سمیٹوں میں کہیں میرا دامن تنگ نہ پڑ جائے۔ نگاہوں میں نمی' لہجے میں خوشی کی کھنک لیے اماں سعیدہ عاجزی وانکساری سے گویا ہوئی۔

''بھائی شکور حاجرہ تم دونوں کی ہی بیٹی ہے جب چاہو آ کر اپنی امانت لے جانا۔''

''پھر حاجرہ کو بلاؤ شگن تو کرلوں۔'' تائی جمیلہ کا لہجہ اندرونی خوشی کا غماز تھا۔

''حاجرہ کمرے میں آ جلدی.....'' اماں سعیدہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا' جھٹ حاجرہ کو پکارا۔ شرمائی لجائی حاجرہ کمرے میں داخل ہوئی تو تائی جمیلہ سرعت سے اٹھی اور حاجرہ کو ساتھ لگائے ماتھا چومتی نہ تھکی۔ حاجرہ کی آنکھیں خوشی کے بے پایاں احساس سے نم ہوگئیں۔ چاول بھگو کر رکھے تھے جب اماں کی پکار اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ تائی جمیلہ نے ہزار کا نوٹ حاجرہ کی ہتھیلی پر رکھ کر بات پکی کردی۔ تایا شکور نے بھی اٹھ کر حاجرہ کو محبت سے ساتھ لگا لیا۔ اماں سعیدہ کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔

''اشفاق افطاری کے بعد مٹھائی لے کر آئے گا۔ پھر سب کا منہ میٹھا کرواؤں گی۔'' تائی جمیلہ خوشی سے کھنکتے لہجے میں بولی تو حاجرہ نے شرما کر جھکا لیا۔ خوشی اس کے لمحے میں وہ اپنے بھگو کر رکھے چاولوں کو بھی بھول گئی۔ اُسے نہ جانے کیوں یقین ہو چلا تھا یہ بتول خالہ کی دعا کا حصار تھا جس نے اس کی سوں زندگی میں رنگ بھر دیے تھے۔ اماں سعیدہ کی سوچ بھی اسی نکتے پر ٹھہری تھی دونوں ماں بیٹی کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی خیال روشنی بن کر چمکا تھا بتول خالہ کی صدق دل سے دی گئی دعاؤں کی قبولیت تائی جمیلہ کی آمد کی صورت ان کے سامنے تھی۔

''جا حاجرہ جا کے افطاری بنا۔'' اماں سعیدہ نے حاجرہ کو مخاطب کیا۔ حاجرہ اٹھی اور دھیرے سے چلتی کمرے سے نکل گئی۔ تائی جمیلہ کی محبت بھری نگاہوں نے حاجرہ کے کمرے سے نکلنے تک حاجرہ کا پیچھا کیا۔ حاجرہ کو بہو بنانے کا خیال کبھی اس کے ذہن و دل پر حاوی نہ ہوتا اگر اس کی ملاقات بتول بی بی سے نہ ہوتی۔ بتول نے جمیلہ سے بھی امداد طلب کی تھی تب تو جمیلہ نے ٹرخا دیا تھا ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے دل میں نیکی کمانے کا جذبہ پوری شدت سے اجاگر ہوا۔

پانچ ہزار لے کر بتول بی بی کے گھر پہنچ گئی۔ ایک کمرے پر مشتمل گھر میں کسمپرسی کا عالم تھا۔ بتول بی بی جمیلہ کو اپنے غریب خانے پر دیکھ کر حیرت سے

دنگ رہ گئی۔ جمیلہ تو گھر جانے پر سیدھے منہ نہیں بلاتی تھی کجا اس کے گھر میں آمد..... لیکن جمیلہ اس کے گھر میں موجود تھی۔ بتول بی بی نے احترام سے جمیلہ کو بوسیدہ موڑھے پر بٹھایا' جمیلہ حیرانگی سے گھر کی حالت زار دیکھ کر سوچ میں گم تھی ثوبیہ کا رشتہ لے کیسے لیا ان لوگوں نے.....

یہی سوال زبان کی نوک پر مچل گیا۔ بتول بی بی عاجزی میں پور پور ڈوبے لہجے میں بولی۔

''بس مولا کا کرم ہوگیا وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ دن رات اپنی ثوبیہ کے لیے دعائیں مانگیں اللہ نے کرم کیا رشتہ بھیج دیا۔ لڑکے کی اپنی پھلوں کی ریڑھی ہے کلی گلی بیچتا ہے۔ من کا کھرا' ریڑھی والا..... مانو میری ثوبیہ کا نصیب کھل گیا۔''

''اچھا یہ لے رقم..... ثوبیہ کی شادی کے دن والا سوٹ لے لینا.....'' بتول بی بی کی بات مکمل ہونے پر تائی جمیلہ نے پانچ ہزار کا نوٹ اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے عقیدت سے تھام لیا۔ تائی جمیلہ اتنی کرمی اور حسن سے گھبرا کر اٹھنے کو پر تولنے لگی جب بتول بی بی کی بات نے اسے چارپائی سے گویا باندھ دیا۔

''ثوبیہ کی شادی والے جوڑے کا انتظام ہوگیا ہے۔ یہ رقم دوسرے خرچوں میں کام آ جائے گی۔''

''کیسے انتظام ہوا؟'' جمیلہ نے بے اختیار استفسار کیا۔ جاننے کی بے چینی تھی آخر کس نے اتنی بڑی رقم فراہم کی۔ حسن آڑے آ چکا تھا۔

''اپنی حاجرہ نے اپنا اتنا سوہنا لہنگا ثوبیہ کے لیے دیا ہے۔ میں لا کر دکھاتی ہوں۔'' بتول بی بی جوش سے اٹھ کر لوہے کے ٹرنک کی طرف بڑھی۔ ثوبیہ کمرے کے ایک کونے میں سلائی مشین سنبھالے بیٹھی تھی۔ اس نے تائی جمیلہ کو دھیمے لہجے میں سلام کیا تھا جو جمیلہ نے سنا ہی نہیں تھا ثوبیہ پھر کام میں جت گئی تھی۔ اب کمرے میں اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ لیکن ثوبیہ نے مشین چلانی روک کر خوشی چھلکاتی نگاہوں سے اپنی اماں کو لہنگا تائی جمیلہ کی طرف لے جاتے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر مشین چلانے لگی۔ جمیلہ کی نگاہیں اتنا خوبصورت نگوں سے مزین جھلمل کرتا لہنگا دیکھ کر تحیر کے باعث پھیل گئیں۔

''یہ لہنگا حاجرہ کے پاس کہاں سے آیا؟''

دونوں ماں بیٹی کی غربت اس کی نگاہوں سے مخفی تو نہ تھی۔

''حاجرہ نے خود بنایا تھا اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے۔ سعیدہ نے مجھے بتایا تھا' حاجرہ نے بچت کر کے رقم اتنی اکٹھی کرلی پھر یہ لہنگا بنایا۔ دل کی اتنی ستھری اور نیک' درد مند دل رکھنے والی میرے مجبوری بیان کرنے پر جھٹ لہنگا میری گود میں لا رکھا۔ خالہ یہ ثوبیہ کا ہوا' اتنی اچھی فطرت' اللہ اس کے نصیب بلند کرے۔ جس گھر میں جائے گی چراغاں کردے گی اپنی اچھی عادات سے..... ثوبیہ تو اتنی خوش ہوئی لہنگا دیکھ کر..... حاجرہ نے میری بیٹی کا دل خوش کردیا۔ میرا دل حاجرہ کے گرداب ہمہ وقت دعاؤں کا حصار کھینچتا رہتا ہے۔ اللہ حاجرہ کا دل بھی خوشیوں سے آباد کرے۔'' تائی جمیلہ کا دل تو حاجرہ کے اتنا قیمتی لہنگا دینے پر ہی نرم موم میں ڈھل چکا تھا۔ دل کی خوشی کی بات پر اشفاق کا چہرہ نگاہوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اشفاق کے دل کی خوشی تو حاجرہ تھی یقیناً حاجرہ کے دل کی خوشی بھی اشفاق ہوگا۔ وہ دو دلوں کو خوشیوں سے دور کرنے کا گناہ کیوں کماتی۔ حاجرہ کا دل تو خاص تھا۔ اس خاص دل والی کو ہی اب اسے اپنی بہو بنانا تھا۔ فیصلہ اسی پل ہوگیا تھا۔ اس پر یقین کی مہر ثبت اب جمیلہ نے کردی تھی۔ حاجرہ کی ہتھیلی پر ہزار کا نوٹ رکھ کر

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اسے وہ پل کیسے بھول سکتا تھا جب اس نے اپنے شوہر اور بیٹے کے سامنے حاجرہ کے لیے رضامندی دی تھی۔ تایا شکور نے محبت سے بیوی کو دیکھا تھا۔ اشفاق نے تو باقاعدہ خوشی سے بھنگڑا ڈالا تھا۔ گھر کے در و دیوار خوشی سے گنگنانے لگے تھے۔ جس کی وجہ سے اس گھر کے در و بام سے خوشیاں لپٹی تھیں وہ اسے گھر میں کیوں نہ لاتیں۔ حاجرہ کمرے سے جا چکی تھی تائی جمیلہ نے بھی سوچوں کے حصار سے نکل کر اماں سعیدہ کی طرف دیکھا جو جیٹھ سے محوِ گفتگو تھی لیکن گاہے بگاہے نگاہ جٹھانی کے چہرے کی طرف بھی اٹھ جاتی۔ تائی جمیلہ نے مسکرا کر سعیدہ کو دیکھا اور ان کی گفتگو میں شامل ہوگئی۔ جو اشفاق اور حاجرہ کی شادی کے متعلق تھی۔

مزید افطاری کرنے کے بعد نماز مغرب ادا کر کے سعیدہ اور جمیلہ کمرے میں چلی گئیں۔ تایا شکور مسجد سے نہ لوٹے تھے۔ حاجرہ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد برتن سمیٹ رہی تھی۔ جب مانوس قدموں کی چاپ قریب ہی ابھری۔ دل دھڑک اٹھا لیکن لہجے میں حتی المقدور بے نیازی سمو کر پلٹ کر گویا ہوئی۔

"یہ چوروں کی طرح دبے پاؤں کیوں آئے ہو۔"

"بھئی سنا ہے کسی کو ہمارا آنا ناگوار گزرتا ہے۔" لہجے میں شوخی نگاہوں میں شرارت لیے دونوں ہاتھوں میں پانچ کلو مٹھائی کی ٹوکری تھامے اشفاق کی گھمبیر سرگوشی نے حاجرہ کے گال پر گویا سرخ گلاب کی پتیوں کو بکھیر دیا گیا ہو۔ اشفاق نے دلچسپی اور محبت بھری محویت سے سرخ رنگ کی بہار کو ملاحظہ کیا۔

"جاؤ اندر کمرے میں....." حاجرہ کی اس کے دیکھنے کی محویت پر ساری بے نیازی ہوا ہوگئی۔ گڑبڑا کر بولی۔ اس سے قبل اشفاق کچھ کہتا۔ تائی جمیلہ غالباً اس کی آواز سن چکی تھی۔ پکار کر اشفاق کو کمرے میں بلایا۔

"بعد میں بات کروں گا تجھ سے۔ اماں ا بات سن لوں۔" اشفاق دھیرے سے دھیمے لہ میں بولتا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ حاجرہ نے محبت بھری نگاہیں آسمان کی جانب اٹھا دیں۔

"سوہنے رب نے اس کے دل کو خوشیوں سے بھر دیا تھا شکر واجب تھا۔ صحن میں بچھی چٹائی سے برتن وہ اٹھا چکنے کے بعد اب چٹائی اٹھا برآمدے میں رکھ ہی رہی تھی۔ جب سعیدہ کمرے سے نکلی۔

"حاجرہ پلیٹیں دو مجھے..... اور چائے بنا لے آنا اندر کمرے میں تیرا تایا بس آتا ہی ہوگا۔" خوشی سے چہکتے لہجے میں بولتی اماں سعیدہ گویا پھ سے جوان ہوا تھی تھی۔ حاجرہ نے پلیٹیں پکڑائیں تو وہ کمرے میں غائب ہوگئی۔ حاجرہ درود پاک ورد کرتی چائے کا پانی رکھنے لگی۔ جب تک چا تیار ہوئی تایا شکور بھی آگئے۔ حاجرہ نے چا کپوں میں انڈیل کر کپ ٹرے میں سجائے اور کمرے میں داخل ہوگئی۔

"لو میری دھی (بیٹی) آگئی ہن منہ میٹھا جمیلہ....." تایا شکور محبت سے بولے تائی جمیلہ اپنے دونوں اطراف حاجرہ اور اشفاق کو بٹھا برفی کا ٹکڑا پکڑ کر اشفاق کو کھلایا اور پھر حاجرہ منہ کی جانب بڑھایا۔ حاجرہ نے منہ کھولتے ہو پل بھر کے لیے اشفاق کو دیکھا لیکن اس کی نگاہ میں مچلتی محبت اور احترام دیکھ کر نگاہیں جھکا لیں رب نے اس کی جھولی میں محبت کے ساتھ احترا اور عزت بھی ڈال دی تھی۔ دعا کے حصار نے اس کے وجود کا اس شدت سے گھیراؤ کیا تھا کہ وہ مالا مال ہوگئی تھی۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ اسے مل چکا تھا

☆☆.....☆☆

کراچی سے سچی کہانی

اچھی بیٹی

اچھی لڑکیاں کبھی والدین کی عزت کو پیروں تلے نہیں روندتیں.....

فوزیہ اختر

آج میں جب اس قسم کے واقعات سنتی ہوں کہ لڑکی اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی یا دونوں کے گھر والوں نے دو پیار کرنے والے جوڑے کو قتل کر دیا تو میرا دل بے حد غمزدہ ہو جاتا ہے محبت کرنا کوئی جرم نہیں، مگر آج کے دور میں محبت کو ایک کاروبار بنا دیا گیا ہے۔

جس طرح لوگ اپنا موبائل چینج کرتے ہیں بالکل اسی طرح اپنی محبت کو بھی بدل لیتے ہیں محبت صرف پا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ محبت میں ایک دوسرے کا احترام اور عزت لازم ہے اگر یہ نہ ہو تو محبت محبت نہیں رہتی بلکہ ہوس بن جاتی ہے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں آٹھویں کلاس کی طلبہ تھی۔ پڑھنے میں اچھی تھی گھر میں والدہ ہی مجھے پڑھاتی تھیں کیونکہ وہ میٹرک پاس تھیں۔

یہ 1980ء کی بات ہے اُس زمانے میں ٹین سینٹر نہ ہونے کے برابر تھے۔ زیادہ تر بچے گھر ہی میں پڑھتے تھے۔

میری دوست روبینہ میری بہت گہری سہیلی تھی۔ ایک دن روبینہ اسکول سے غیر حاضر تھی میں اسکول گئی تو پتہ چلا کہ روبینہ کو بخار ہے اس لیے وہ اسکول نہیں آسکی ہے۔

روبینہ کا گھر میرے گھر سے کافی دور تھا اور مجھے کسی سہیلی کے گھر جانے کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا گھر آ کر میں نے روبینہ کو فون کیا تاکہ اُس کی طبیعت معلوم کرسکوں۔

اُس زمانے میں زیادہ تر پی ٹی سی ایل فون ہوا کرتے تھے۔ میں نے روبینہ کا نمبر ڈائل کیا تو نہایت خوبصورت آواز میں ایک نوجوان نے فون اٹھایا میں نے کہا کہ میں روبینہ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

اُس نوجوان نے اپنا نام منصور بتایا اور کہا کہ آپ نے غلط نمبر ڈائل کیا ہے؟ اگر آپ چاہیں تو مجھ سے بات کرسکتی ہیں کیونکہ میں بھی اس وقت بور ہو رہا ہوں۔

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

وہ شخص باتوں سے انتہائی مذہب اور شائستہ لگ رہا تھا اور بات کرنے پر بضد بھی تھا۔ جانے کیوں میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ بات کرلی جائے۔

اُس شخص کی گفتگو کا انداز بہت اچھا تھا میں بھی اس سے باتیں کرنے لگی۔

اُس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اپنی بہن کے گھر رہتا ہے۔ سیکنڈ ایئر کا امتحان دیا ہے اور ساتھ ہی اپنے بہنوئی کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی کا کام بھی کررہا ہے۔

اُس نے مجھے اپنا نمبر بھی دیا۔ اس طرح یہ روز کا معمول بن گیا۔ دوپہر کے وقت جب گھر

والے سوجاتے تو میں اُسے فون کرتی اور ہم با
میں مصروف ہوجاتے۔ رفتہ رفتہ ہم ایک دو
کے عادی ہوگئے۔ اب اگر ایک دن بھی فو
آتا تو میں پریشان ہوجاتی اور میرا ذہن اُد
بھٹکتا رہتا تھا۔

کسی دن میں بات نہ کرتا تو وہ بھی سارا
پریشان رہتا اور دوسرے دن کہتا۔

''نادیہ تم پلیز مجھے فون پر اپنی آواز ہی
کرو میرے دل کو تسلی ہوجائے گی۔''

یہاں میرے گھر والوں کو بھی کچھ شک
ہوگیا کہ نادیہ آخر کس سے گھنٹوں باتیں کرتی
ایک دن میں نے اپنی ایک دوست کو سا

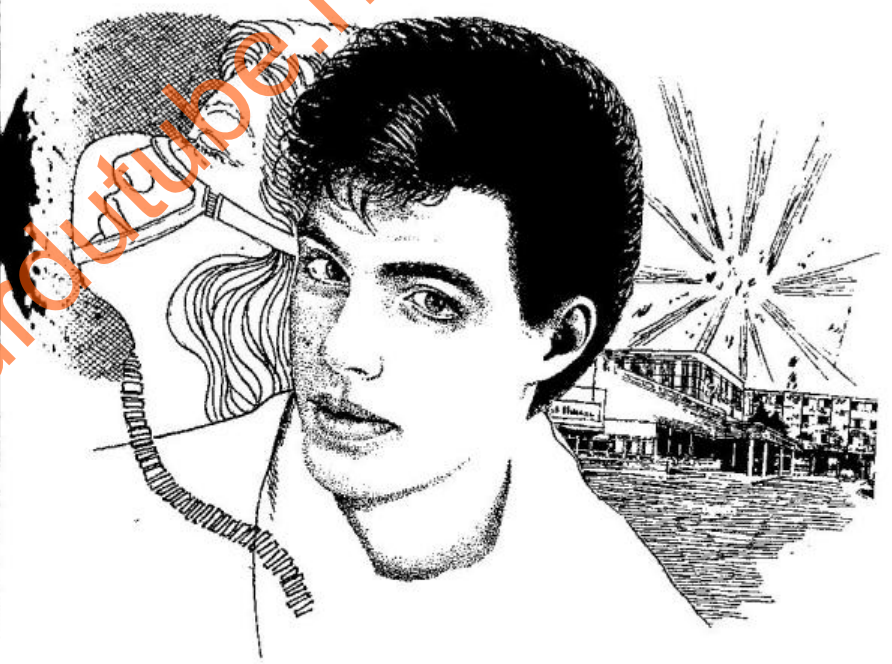

صورت حال بتائی اور کہا کہ میرے گھر والوں کو مجھ پر شک ہوگیا ہے آخر مجھے کیا کرنا چاہیے' روبینہ نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے تم اُس سے بات کرنا چھوڑ دو۔ وہ ایک انجان شخص ہے جسے تم نے دیکھا بھی نہیں۔ مگر اس دل کا کیا کیا جائے جو کسی صورت مانتا ہی نہیں۔ دیکھتے دیکھتے دو سال کا عرصہ گزر گیا اب میں میٹرک میں آچکی تھی اور ہماری فون پر باتوں کا سلسلہ یونہی جاری تھا۔

اب تو دل میں صرف یہی خواہش تھی کہ میں ایک بار اُس شخص کو دیکھوں وہ کون ہے اور کیسا ہے؟

اتفاق سے ہمارے محلے میں شادی تھی' اُس دن منصور کا فون آیا تو اُس نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی میں بھی ملنا چاہتی تھی مگر ڈرتی تھی۔

شاید اسی کا نام محبت ہے مگر یہ کیسی محبت ہے نہ اُس نے مجھے دیکھا اور نہ ہی میں نے اُسے دیکھا پھر بھی ایک دوسرے کے بغیر اتنے بے چین تھے۔

سچ ہی کہتے ہیں کہ پہلا پیار بھلائے نہیں بھولتا۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ صرف ایک جھلک دیکھ کر چلا جائے گا اور ہرگز کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

میں نے ہمت کی اور اُسے بتایا کہ ''میں آج شادی میں شرکت کرنے آؤں گی۔''

تم بھی اس بہانے آجانا ہم نے ایک دوسرے کو کپڑوں کے رنگ بتائے جب وہ ملنے آیا تو ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

اور دور سے ایک دوسرے کو دیکھ لیا' آج میں بہت خوش تھی۔

اُس نے مجھے کہا کہ تم بالکل ویسی ہو جیسا میں نے سوچا تھا۔ آج سے تمہیں چندہ کہا کروں گا۔ تم میرے خوابوں کی شہزادی ہو۔''

میرے میٹرک کے امتحانات ہونے والے تھے میں اُس کی تیاری میں مصروف ہوگئی ایک دن اُس نے فون کیا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے لاہور جارہا ہے اور جلد واپس آئے گا۔ اُس نے کہا کہ وہ وہاں پہنچ کر مجھے فون کردے گا۔

میرے امتحانات ہوچکے تھے اور منصور بھی واپس آچکا تھا اُس نے کہا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں اور تمہیں سامنے بٹھا کر بات کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو کچھ قرار آجائے۔'' میں نے اُس سے ملنے کا وعدہ کرلیا۔ اُسے ایک پارک کا بتایا۔

''تم یہاں آجاؤ میں شام میں اِس پارک میں آؤں گی۔'' اس طرح یہ میری اُس سے باقاعدہ پہلی ملاقات تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اس دوران اُس نے کوئی بھی نازیبا حرکت نہیں کی اور نہ ہی ایسی کوئی بات جس سے میرا مان ٹوٹ جائے۔

اس طرح ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوگیا محبت کی دنیا بھی کتنی عجیب ہوتی ہے مل جائے تو دنیا حاصل ہوجاتی ہے اور نہ ملے تو دل کی دنیا اجڑ جاتی ہے۔

میں اب کالج میں آچکی تھی۔ اکثر کالج کے بہانے اُس سے ملنے جاتی پیار اور محبت کی باتیں ہوتی اور زندگی بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں بھی کھالی۔

مگر شاید زندگی بھر کا ساتھ ہمارے مقدر میں نہیں تھا ایک دن منصور نے بتایا۔

''اس کے بہنوئی کو کاروبار میں خسارہ ہوا ہے لہٰذا وہ آج کل سخت پریشان ہے۔''

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

میں نے اُسے تسلی دی اور کہا۔
''تم پریشان نہ ہو اللہ کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔'' میں نے اُس سے کہا۔
''آخر ہم اس طرح کب تک ملتے رہیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے گھر والوں سے بات کرو تاکہ ہم ایک ہو جائیں۔''
اُس نے کہا۔
''اس عید پر جب وہ اپنے گھر جائے گا تو اپنی امی سے ضرور بات کرے گا۔'' پھر وہ عید پر ملنے چلا گیا اس نے اپنے گھر والوں سے بات کی کہ وہ ایک لڑکی کو پسند کرتا ہے اور اُس سے شادی کا خواہش مند ہے۔
مگر اُس کی والدہ نے سختی سے منع کر دیا کہ ہم تمہاری شادی تمہاری خالہ کے گھر کرنا چاہتے ہیں۔
اُس نے جب مجھے یہ خبر سنائی تو میرا رو رو کے برا حال ہو گیا۔ اُس نے مجھے تسلی دی اللہ پر بھروسا رکھو میں دوبارہ اپنی والدہ سے بات کروں گا اور انہیں سمجھاؤں گا۔
اب میرا دل بہت اُداس رہتا تھا اور پڑھائی میں بالکل نہیں لگتا تھا۔ میں اکثر روتی رہتی تھی۔
اس بار اُس نے اپنی بڑی بہن سے بات کی اور اپنی والدہ سے بات کرنے کو کہا مگر اُس کی ماں راضی نہ ہوئی۔ دوسری طرف کاروبار کی تباہی کا افسوس تھا۔
میں نے کہا۔ ''ہم آئندہ ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ میں نے اُس سے بات کرنا چھوڑ دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سخت بیمار ہو گیا اور اُسے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔
میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے اور میں بھی اُس سے بے حد محبت کرتی تھی۔

غزل

یہ اور بات کہ تجھ کو کبھی پکارا نہیں
کوئی بھی لمحہ ترے بغیر مگر گزارا نہیں

اگرچہ کھو دیئے ہیں تمام خون کے رشتے
تمہیں جو پا لیا ہے تو پھر خسارہ نہیں

ستارے راہ میں اُس کی بچھا دیئے ہم نے
مگر وہ شخص کسی طور بھی ہمارا نہیں

تمہاری یاد سے کنارہ کش تو ہو جاؤں
مگر یہ دل کہ اب بھی اِسے گوارہ نہیں

کبھی نہ صبح طلوع ہو ندیمؔ وصل کی شب
یہی سوچ کر تیری زلف کو سنوارا نہیں

شفیق احمد ندیمؔ

مگر ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے جو ہمارے والدین کی بدنامی کا سبب بنے میں نے اُس کی بڑی بہن کو فون کیا اُس نے مجھے بتایا کہ کل منصور گھر آ جائے گا۔ جب وہ گھر آیا تو میں نے اُس سے بات کی اور تسلی دی۔
''میں جانتی ہوں تم مجھ سے محبت کرتے ہو مگر جب ہم ایک نہیں ہو سکتے تو یہ دوستی کیا معنی رکھتی ہے ہماری محبت پاکیزہ ہے ہم نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس پر ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔
بے شک میں تم سے پیار کرتی ہوں مگر میں وہ لڑکی نہیں جو اپنے والدین کی عزت کو روندھ کر تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔
میں جانتا ہوں تم ایک اچھی لڑکی ہو' مگر میں مجبور ہوں میں اپنے والدین کے آگے بے بس ہوں میری اپنی کوئی جاب نہیں ہے۔ میں اپنے والدین کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں وہ ہرگز تمہیں قبول نہ کریں گے میں نہیں چاہتا کہ زندگی میں تم چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے ترسو۔ اگر میں نے خود کوئی قدم اٹھایا تو اُس کا مطلب ہے بغاوت.....
میرے راستے میں صرف کانٹے ہیں اور کچھ نہیں' میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تم مرد ہو کر مجبور ہو تو میں ایک لڑکی ہوں اور میں اپنے والدین کی دعاؤں میں رخصت ہونا چاہتی ہوں۔
مجھے تم سے محبت ہے مگر محبت خود غرض نہیں ہوتی محبت صرف پانے کا نام نہیں ہے کبھی کبھی محبت قربانی مانگتی ہے۔
ہم اپنے والدین کو ناراض کر کے کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ ہمارے والدین کا پہلے ہم پر حق ہے۔
آج سے ہمارے راستے جدا ہیں یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے۔ ہم اچھے دوست تھے اور رہیں گے۔
کچھ عرصے بعد منصور کی شادی ہو گئی اپنی خالہ زاد کے ساتھ..... میں نے اپنی تعلیم مکمل کی جاب کی کچھ عرصے بعد میرا رشتہ آیا میرے والدین نے لڑکے کو پسند کیا میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی یوں میری شادی ہو گئی۔
میرے شوہر ایک بہت اچھے جیون ساتھی ثابت ہوئے آج میں اپنے گھر میں خوش ہوں۔ جس دن میری شادی ہوئی اُس دن میں نے ماضی کے تمام نقش اپنے دل سے مٹا دیے۔
اب سوچتی ہوں وہ ایک دھوکا تھا یا فریب یا پھر وقت گزاری کا بہانہ اگر ایسا تھا تو آج بھی کبھی کبھی میرا دل بے چین کیوں ہو جاتا ہے۔
پھر سوچتی ہوں وہ ایک مجبور انسان تو ہو سکتا ہے مگر غلط نہیں اگر وہ چاہتا تو تنہائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مگر اُس نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے میں بدنام ہوتی۔
وہ خاموشی سے میری زندگی میں آیا اور خاموشی سے میری زندگی سے نکل گیا اُس نے ہمیشہ میری عزت کی اور کبھی حد سے تجاوز نہ کیا۔
آج اس واقعے کو اتنا عرصہ گزر چکا ہے آج بھی میری سالگرہ کے دن ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک خاموش فون آتا ہے کوئی خاموشی سے آواز سن کر فون بند کر دیتا ہے۔
میں جانتی ہوں کہ یہ کس کی کال ہوتی ہے مگر میں بہت خوش ہوں کہ میں نے ایک اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دیا اور کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا جو یقیناً بعد میں صرف پچھتاوؤں کا سبب بنتا۔

☆☆.....☆☆

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

سلسلے وار ناول

ایک نہایت ہی منفرد دلچسپ پُراسرار سلسلہ جسے آپ عرصہ دراز تک یاد رکھیں گے

املتاس

علامہ سید اجتبیٰ حسین رضوی کا خیال

اس دل کا تحیر تھا آئینہ' اس سر کا تصور تھا موقلم
تمثال پہ نقطے لگا کیے ' تصویر بدلتی چلی گئی

(قسط نمبر 7)

شازلی سعید مغل

''املتاس کا درخت' اس کے پھول' املتاس' میری بچی۔'' صولت جہاں زیرلب بڑبڑا رہی تھیں۔ پورے بدن پر ایک اضطراری کیفیت طاری تھی۔

''بڑے ابا..... میں سمجھ چکی ہوں ہائے کیسی غلطی ہوگئی ہم سے۔'' ساتھ ہی وہ زار و قطار رونے لگیں۔ حسن شیرازی کو تو چپ سی لگ گئی وہ ساکت بیٹھے تھے صولت جہاں کے اس گریہ وزاری سے چونک گئے۔

''پانی پیو.....''

بڑے ابا نے پاس پڑی تپائی کی جانب اشارہ کیا جس پر پانی کا گلاس رکھا تھا حسن شیرازی نے لپک کر پانی کا گلاس اٹھایا اور صولت جہاں کی طرف بڑھایا جواب منہ پر دوپٹہ رکھے بے آواز آنسو بہا رہی تھیں۔

''پانی پیو..... صولت.....'' بڑے ابا کی مشفق آواز دوبارہ کمرے میں ابھری صولت جہاں لرزتے وجود کے ساتھ پورا پانی کا گلاس خالی کر دیا۔ پانی پینے کے بعد ان کے اوسان کچھ ٹھکانے آئے۔

''بڑے ابا..... بڑی غلطی ہوگئی ہم سے..... میں نے ہی اُسے املتاس کا نام دیا تھا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ہم نام بدل دیں گے اپنی بچی کا ٹھیک رہے گا؟'' وہ اپنے تئیں جیسے مسئلے کا حل نکال چکی تھیں اب بڑے ابا سے تصدیق چاہ رہی تھیں۔

''نام بدلنے والا مسئلہ ہوتا اور یہ حل ہوتا تو بتاؤ میں یوں اتنی دور تم لوگوں کو اس طرح بلوا دیتا۔'' بڑے ابا نے صولت جہاں کی حالت کے پیش نظر اُن کے بچکانہ سے حل کا بڑے مشفق انداز میں جواب دیا۔

''نام بدلنے سے مسئلہ حل ہوتا تو میں فون پر ہی بتا دیتا کہ بچی کا نام بدل دو' تم لوگوں کو یوں نا بلوانا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

بھائی کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ جڑا ہے اس سارے قصے سے۔"

بڑے ابا کچھ جلال میں آ گئے۔

"اور مجھے خواہ مخواہ گھسیٹ لیا ہے اس نے..... جنگل میں جو آ پڑے ہیں ہم....." لمحہ بھر بڑے ابا کی کیفیت بدلی پھر انہوں نے خود پر قابو پا لیا۔

"ہم نے ابھی تم سے کافی تفصیل سے بات کی ہے اس سلسلے میں تم لوگوں کا تعاون درکار ہے۔" کتنی ہی دیر وہ دونوں میاں بیوی کو سنہری کاغذ میں درج باتوں اور اس سلسلے میں کی گئی احتیاط کے بار میں بتانے لگے دوران گفتگو صولت جہاں کبھی پریشان ہو اٹھتی یا حسن شیرازی سراسیمگی کی کیفیت کا نظر آنے لگتے۔

بات ہی ایسی تھی آئندہ پیش آنے والے جن حالات و واقعات سے ان کا واسطہ پڑنے والا تھا، اُن کی اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور جس انوکھی دنیا سے تعلق رکھتے تھے اس دنیا کے بارے میں انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ کیسے انجانے میں وہ دوسری دنیا سے جڑ گئے ہیں۔

بات ختم کر کے سید صاحب نے اچانک شگفتہ کہ کر ایک صدا لگائی۔

صدا لگانے کی دیر تھی کمرے کے دروازے پر کائنات کا حسن مجسم ہو کر سمٹ آیا۔ صولت جہاں نے نگاہ سامنے اٹھائی تو جھپکانا بھول گئیں۔ اُن کے خوابوں کی لڑکی اُن کے سامنے تھی۔ جس کے اردگرد ایک مخصوص مہک کا ہالہ تھا جو اُن کے گھر میں املتاس کے درخت کے پاس جا کر اختتام پذیر ہوتا تھا۔

صولت بیگم اور حسن شیرازی وہاں سے چلے آئے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی صحن سے گزرتے دونوں میاں بیوی نے غیر ارادی طور پر درخت کی جانب دیکھا اس مرتبہ ان کے دلوں کی کیفیت ہی الگ تھی اندر سے املتاس کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صولت جہاں جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہوئیں وہیں پر فائزہ املتاس کو بہلا رہی تھیں۔

"لاؤ مجھے دو ایسے چپ نہیں ہو گی۔"

صولت نے روتی ہوئی املتاس کو سینے سے لگایا تھوڑی دیر میں روتی ہوئی املتاس یوں چپ ہوئی جیسے کبھی روئی ہی نہیں تھی۔

"بہت تنگ کیا اس نے مجھے رات یہیں سوئے ہم شاید اسے آپ کے ساتھ ساتھ اس جگہ کی بھی عادت ہو گئی ہے مگر اس کی نیند اُچاٹ ہی رہی۔" فائزہ بتانے لگی۔

"ایک دن آپ کیا گئیں اس نے تو گھر سر پر ہی اٹھا لیا۔ میں تو رات فون کرنے لگی تھی آپ کو آئیں اور اپنی لاڈلی کو سلائیں نہ سو رہی ہے نہ کسی کو سونے دے رہی ہے۔" فائزہ مسکراتے ہوئے محبت بھرے انداز میں املتاس کی شکایت کر رہی تھیں۔ املتاس دادی کے سینے سے چپکی ٹکر ٹکر ماں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"اچھا میں اس کا دودھ لے آؤں کل سے سونا تو سونا ٹھیک سے دودھ بھی نہیں پیا محترمہ نے۔" ہوئے فائزہ کچن کی جانب چلی گئیں۔ دودھ پیتے ہی املتاس گہری نیند میں سو گئی۔ فائزہ ساس صاحب کو دی گئی دعوت کا پوچھنے لگی۔

دعوت کب کی قبول کی اور کیا اہتمام کرنا ہو گا۔" صولت جہاں فائزہ کے ان سوالوں کا جواب انتہائی بردے رہی تھیں۔ دعوت دینے کا بہانہ کر کے گئے تھے دونوں میاں بیوی یہی فائزہ اور محسن کو معلوم قدم قدم پر اپنے تاثرات چھپانے تھے مبادا اُن کی کسی بات یا انداز سے بہو یا بیٹے کو کسی قسم کا ہو جائے کہ بات کیا ہے..... سید صاحب نے بھی ایک مخصوص وقت تک کی نشاندہی کی تھی۔ جب فائزہ یا اپنے بیٹے محسن کو کچھ بتانے کی اجازت نہ تھی۔

زہ کو انہوں نے نپے تلے انداز میں مطمئن کر دیا تھا۔ اس کے بعد اُن کی زندگی بدل کر ہی رہ گئی پہلے ہی اُن کے پاس رہتی تھی اس دن کے بعد مستقل اُن کے ساتھ ہی سونے لگی اگر فائزہ کبھی ساس رام کے خیال سے املتاس کو اُٹھا کر لے جاتی تو نہایت بے چین ہو اٹھتی پوری رات روتی جب تک کہ صولت جہاں کے پاس واپس نہ چھوڑ آ جاتا۔

بتہ صولت جہاں کے پاس وہ پوری رات آرام سے سوتی ایک آدھ بار جاگتی تھی تو زیادہ تنگ نہ کرتی سو جاتی جوں جوں بڑی ہوتی جا رہی تھی یہ ایک آدھ بار کا جاگنا بھی ختم ہوتا جا رہا تھا اب وہ اپنے سوتی اور صبح سویرے اذانوں کے ساتھ اٹھ جاتی صولت جہاں دودھ کی بوتل تیار کر کے دیتی اور پیتے پیتے دوبارہ نیند کی وادیوں میں گم ہو جاتی۔ صولت جہاں آرام سے نماز پڑھتی املتاس جوں ہوتی جا رہی تھی اس کے کھانے پینے سونے جاگنے کے اوقات میں عام بچوں والی بے چینی اور ہی نہ رہی تھی بالکل بھی تنگ نہ کرتی تھی اپنی ماں کو البتہ اس سے بڑا اور نگزیب ابھی تک فائزہ کو اس میں تنگ کرتا تھا فائزہ اب بھی پورا دن اس کے آگے پیچھے گھومتی تھی جبکہ املتاس کی جانب سے وہ مطمئن بلکہ بے فکری رہنے لگی تھی اور نگزیب بہت تنگ کرتا تو شکر بھی ادا کرتی کہ املتاس کیسی صابر بچی

کہانیاں میں شائع ہونے والا لازوال ناول "تاشون" کتابی شکل میں دستیاب ہے

قدیم علوم کا سائنٹیفک نظریہ
ان کے ذاتی تجربات اور اصل حقائق واثرات
سعادت و نحوست کا حساب، حیرت و تجسس پر مبنی ناول

تاشون

تحریر: شازلی سعید مغل

۴۵۰ صفحات

Postage Rs.50

برصغیر میں علم تسخیر کے بانی حضرت کاش البرنی کی عاملیت و کاملیت، روحانیت، محبت، تصوف اور دوسری دنیا کے تجربات و مشاہدات پر اسراریت کے نت نئے راز کھولتا ایک سحر انگیز ناول جس کے مرکزی کردار حضرت کاش البرنی "بنام" "تاشون" ہیں

ابھی رابطہ کر کے اپنی کاپی بک کروائیں یا اپنے قریبی بکسٹال پر اپنا آرڈر بک کروائیں۔

Auraq Publishers, Ibrahim market, PIB Colony, Karachi 74800.

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

ہے اگر وہ بھی انہیں سنبھالنی پڑ جاتی تو وہ کیا کرتیں۔ انہیں اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ املتاس کو صولت بھی اب کہاں سنبھالتیں ہیں..... املتاس کو جو سنبھالتی ہے اگر وہ پورے دن اسے گود میں لیے املتاس اُس کی گود کی سحر انگیزی اور سکون کے سبب آنکھ ہی نہ کھولے۔ سید صاحب (بڑے ابا) 'شنگرف' سے ملاقات کے بعد وہ ان سے ملتی رہی مگر اس وقت جب فائزہ اور محسن گھر پر نہیں ہوتے صولت جہاں اکیلی ہوتیں گھر پر مگران پر ظاہر وہ تب ہی ہوتی جب اُن کی ضرورت ہوتی ورنہ اب وہ کے نیچے بھی مخصوص خوشبو بہت مدھم ہوتی تھی۔

ہاں البتہ وہ املتاس کے پھول لینے روز آتی تھی ایک مرتبہ رات کو فائزہ کی نظر بھی املتاس کے پڑی تو اسے محسوس ہوا کہ جیسے املتاس پر ننھے ننھے دیے جل رہے ہیں۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہوا میں ہل چل مچ گئی ہو جیسے وہ مجسس کے مارے کمرے میں جاتے جاتے لاؤنج اور صحن کی سرحد پر دیکھنے لگی اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔

کتنا پرانا ارمان تھا مجھے اسے دیکھنے کا اور آج میں نے اسے ایسے اپنے گھر میں اتنے قریب سب سے پہلے محسن کو بتاؤں گی۔'' وہ سرخوشی سے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

وہ بھی صحن کا ایک چکر لگا کر فائزہ کے انتہائی قریب سے گزرا فضا میں اونچے نیچے غوطے لگاتا موجی سے انداز میں وہ صحن میں چکر کاٹ رہا تھا اس کے دیکھا دیکھی املتاس کے درخت سے دیگرے ننھے دیے اترنے لگے اور سرمست چلتی ہوا میں ہلکورے لینے لگے۔

''اللہ اتنے سارے جگنو.....''

فائزہ کے منہ سے نکلا۔

''محسن کو اٹھاتی ہوں ابھی کتنا خوبصورت منظر ہے۔'' کہہ کر فائزہ مڑی اس کے مڑتے ہی سار کی حدود سے نکل کر باہر کھلی فضا میں پھیل گئے سب کا رخ جنگل کی جانب تھا۔ فائزہ نے لاؤنج عبور دوبارہ صحن پر نظر ڈالی وہاں کچھ نہ تھا۔

''اوہ..... چلے گئے سارے..... چلو پھر سہی۔'' کہتے فائزہ روشنی گل کرتی اپنے کمرے میں ہوگئی۔

صبح ناشتے کی میز پر ہی فائزہ نے رات کا قصہ بڑے ذوق وشوق سے سب کو سنا ڈالا۔ صولت جہاں حسن شیرازی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جگنوؤں کے ذکر پر ایک نامعلوم تشویش کا اظہار دونوں نگاہوں سے ظاہر تھا۔

صولت جہاں فائزہ کی باتوں کا بس ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھیں جبکہ حسن صاحب نے منہ کے سامنے پھیلا لیا تھا جمن دادا بھی اس قصے کے سامع بن چکے تھے فائزہ نے انہیں بھی رات کو جگنوؤں کا نظارہ دیکھنے کی دعوت دے ڈالی تھی۔

انہوں نے کچھ کہنے سے پہلے ایک نظر صولت جہاں کی جانب ڈالی تو اُن کی آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ پا کر وہ فائزہ کی باتوں پر سر ہلا کر ہی رہ گئے۔ اب جو جواب وہ فائزہ کو دیتے اُن کے اندر سما جانے لگا تھا کچن کی طرف برتن لے جاتے ہوئے وہ خود بڑبڑانے لگے۔

PAKISTAN EYE BANK SOCIETY
Free
Cornea Grafting
Treatment with
Dignity
46 Years
Service to Humanity
With your Trust
We have treated over
4.0 Million
Patients Across Pakistan
PEBS & GENERAL HOSPITAL
Contribute Zakat & Donation
Phone: 021-36909052-3 / 021-36985118
Fax: 021-36908054
Email: pakistaneyebank@hotmail.com
Web: www.pakistaneyebank.org
Bank Account No
Pk83 SAUD0000002000828718 (Silk Bank)
Pk75 ABPA0010011795080021 (ABL)
Pk29 HABB0007860079659003 (HBL)

http://www.books.urdutube.net/

"کوئی خواب دیکھ لیا ہے بہو بیگم نے اتنے سارے جگنو؟ ارے ہم کئی کئی مرتبہ راتوں کو اٹھ کر
گزرے ہیں ہمیں ایک بھی نہ نظر آیا انہیں پوری بارات نظر آ گئی..... کمال ہے۔" کہہ کر وہ اپنے
کے کاموں میں اُلجھ گئے۔

اُلجھ تو صولت جہاں بھی گئی تھیں۔ سوچ رہی تھیں کہ بڑے ابا کو بتایا جائے۔ مگر جب شوہر سے
تو انہوں نے دو ایک دن رک جانے کا کہا۔ پھر اُن کی بات صحیح ثابت ہوئی فوراً سید صاحب کو فون
والی.....

فائزہ جگنوؤں کے انتظار میں خود بھی جاگتی رہیں شوہر کو بھی جگا کر رکھا مگر بے سود ناہی درخت پر
ہی صحن میں انہیں اس کے بعد کوئی جگنو نظر آیا۔

کئی دن تک وہ یہ تذکرہ کرتی رہیں کہ انہوں نے وہ منظر دیکھا تھا۔ کوئی ان کی بات کا یقین
کرتا..... تب صولت جہاں نے یہ کہہ کر ہی بات ختم کر دی کہ تھوڑی دور دریا بہہ رہا ہے اور بہت
جنگلی جھاڑیاں بھی ہیں اس علاقے میں اور خال خال آبادی والا علاقہ ہے ابھی تو یہ کوئی بعید نہیں
چیزیں نظر آ جائیں اور ضروری بھی نہیں روز روز نظر آئیں۔ فائزہ کو تسلی کے لیے انہوں نے یہ بھی کہہ
انہوں نے بھی ایک دو مرتبہ املتاس کے درخت پر اسی طرح سے جگنو دیکھے تھے اس وقت تو بات آئی
ہوگئی مگر اس کے بعد کئی مرتبہ کچھ اس قسم کے واقعات رونما ہوئے جو فائزہ کے لیے حیران کن اور بھی
پریشان کن بھی ثابت ہوئے کئی مرتبہ اُسے محسوس ہوا جیسے اس گھر میں "کچھ" ہے صولت جہاں فائزہ
جانب سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے بڑے ابا سے بھی کئی بار بات کی فائزہ کو اس سلسلے میں لاعلم رکھنے میں
مصلحت چھپی تھی وہ ایک کمزور دل کی وہمی سی عورت تھی اور املتاس کی ماں تھی وہ ایسی
سامنا کرنے کے قطعی قابل نہ تھی جس سے صولت جہاں گزر رہی تھیں اور اٹھارہ برس سے گزر رہی تھیں
وقت گزر گیا تھا۔ املتاس اٹھارہ برس کی ہوگئی تھی۔

جس مخصوص وقت کی نشاندہی سید صاحب نے کی تھی وہ قریب ہی تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی غیر
واقعات وقوع پذیر ہونے لگے صولت جہاں اور حسن شیرازی گو ان باتوں کے عادی ہو چکے تھے مگر
چند دنوں سے ہو رہا تھا وہ اُن کے لیے بھی تحیر آمیز تھا۔ اب اورنگزیب کی حالت دیکھ کر جہاں وہ
ہوئیں وہاں جمن کی بات سن کر تشویش کی ایک لہر اُن کے اندر اٹھی۔ جمن کا کہنا تھا کہ شنگرف کافی دن
نہیں آئی اُن کے اندر تشویش جاگ گیا تھا۔

مگر بظاہر انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ایسا ہوتا رہتا ہے اور آ جائے گی وہ..... دو دن اورنگزیب کا
چڑھتا اترتا رہا تیسرے دن ٹوٹ گیا وہ ٹھیک تو ہو گیا مگر گم صم کیفیت کا شکار رہا پہلی بار دوستوں سے
سے بھی انکار کر دیا' آخر تمہیں ہوا کیا ہے ایسے پہلے تو کبھی منع نہیں کیا دوستوں سے ملنے جلنے کو پورا دن
پڑے رہتے ہو۔

"بات کیا ہے بتاؤ تو سہی میں بس سارا دن تمہاری دیکھ بھال میں لگی ہوں بالکل بچے ہی بن گئے
اورنگزیب کان دبائے چپ چاپ سنتا رہا جواب دیتا بھی تو کیا اس کے پاس دل و دماغ پر سناٹا اور وہ

کی تھی کسی دھند کی طرح ساری سوچیں ساری باتیں اس کہر میں کہیں کھو سی گئی تھیں۔
اس اُسے آ کے کچھ بھی کہہ جاتی اس کے جواب میں پہلے کی سی تیزی نہ تھی یہ اورنگزیب کا مزاج نہ تھا
ب بیمار پڑتا ہمیشہ سے زیادہ شور مچاتا تھا ماں کا لاڈلا شروع سے تھا فائزہ بیگم کو پلو سے پکڑ کر ساتھ ہی
رتا مگر اس مرتبہ اس کے گم صم رہنے اور شور نہ مچانے پر فائزہ زچ ہو کر رہ گئی تھیں۔ چار پانچ روز گزر

ار اتر چکا تھا اور طبیعت بہت بہتر تھی اب دوپہر کا کھانا کھا کر صولت جہاں کمر سیدھی کرنے لیٹی تھیں
اپنے کمرے میں تھی املتاس اپنے کسی پروجکٹ کو مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھی اورنگزیب کمرے میں لیٹا
کو گھور رہا تھا کہ موبائل کی رنگ ٹون دھیمے سروں میں بجنے لگی۔ اورنگزیب نے موبائل اُٹھا کر دیکھا۔
کا نام فلش ہو رہا تھا۔

"کہاں ہو.....؟" کان سے فون لگاتے ہی سنہرا کی سحر انگیز آواز کان سے ٹکرائی اورنگزیب نے فون
ی واش روم کی راہ لی جس تیزی سے وہ تیار ہوا گھر کا کوئی فرد دیکھ لیتا تو یقین نہ کرتا کہ یہ وہی ہے جو
ڑا ہوا تھا۔ وہ عجلت میں بائیک کی چابی اُٹھا کر باہر نکلا۔ مگر جیسے اس کے پیرز مین نے جکڑ لیے وہ
اور بائیک کی چابی واپس کمرے میں رکھ دی۔ دبے پاؤں صحن عبور کیا اور تیز تیز چلتا مین روڈ کی
نکل گیا دوپہر کا وقت تھا روڈ پر اس علاقے میں اور اس وقت ٹیکسی رکشہ کم ہی نظر آتے تھے اُس کی
کہ اُسے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ ہاتھ دے کر دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور علاقے کا پتہ بتایا ٹیکسی والا
لاقے کی طرف جانا نہیں چاہتا تھا۔

"کوئی سواری نہیں ملتا صاحب وہاں سے۔" اورنگزیب سے علاقے کا نام سن کر ٹیکسی والا بولا۔
"تم چلو ڈبل پیسے دوں گا۔" اورنگزیب نے ٹیکسی والے کو لالچ دیا۔
"واپسی بھی میرے ساتھ آنا ہوگا صاب اُدھر کوئی گاڑی نہیں ملتا۔" ٹیکسی والا عجیب ہمدردی کر رہا

"او بھائی میرے ٹھیک ہے تم چلو تو....." اورنگزیب نے تنگ آ کر اُس کی بات مان لی۔ ٹیکسی والا بہت
تھا پورے راستے پتہ نہیں اورنگزیب کو کون کون سے قصے سناتا رہا واپسی کا معاملہ طے کرتے ہی اکھڑ
ٹیکسی والا خوش مزاج بن گیا تھا۔

اورنگزیب اس کی کسی آواز پر کان نہیں دھر رہا تھا بس گردن ہلانے پر ہی اکتفا تھا۔ ٹیکسی اب سنہرا کے
ے میں داخل ہو چکی تھی۔

"بس صاحب....." ٹیکسی والے نے ایک جانب ٹیکسی کھڑی کر دی۔
"کب سے ان گلیوں میں گھما رہے ہو۔ ایڈریس درست معلوم بھی ہے آپ کو یا نہیں؟" واقعی
یب ٹیکسی والے کو کتنی ہی گلیاں گھما چکا تھا اورنگزیب خود بہت پریشان تھا اُسے اچھی طرح یاد تھا یہ
وہ جب سنہرا کے ساتھ آیا تھا تو بڑا صاف ستھرا اور پُر رونق تھا مگر اب تو جیسے وہ کسی ویران سے علاقے
ا تھا۔

اس لیے صاحب اس طرف ہم لوگ نہیں آتے آ جاؤ تو واپسی کی سواری نہیں ملتی۔ عجیب ہُو کا عالم نظر

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

آتا ہے یہاں سارے پرانے بنگلے دیکھو ذرا لیکن تالے ڈال کے جو گئے پیچھے مڑ کے ہی نہیں دیکھا
ڈرائیور نے اس کا مطلوبہ گھر ڈھونڈ لیا۔
''ارے دیکھیے صاحب یہ رہا وہ بنگلہ.....'' اورنگزیب نیچے اترا۔
''نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے بھائی میں آچکا ہوں پہلے یہاں تو کوئی.....'' کہتے کہتے جو نگاہ
پلیٹ پر بنگلہ نمبر وہی تھا جو سنہرے کے گھر کا تھا اورنگزیب نے جو غور کیا تو محسوس ہوا بنگلہ وہی
وحشت ٹپکتی نظر آرہی تھی خستہ حال سا تھا شاداب بیلیں پیلی ہورہی تھیں وہ ابھی بمشکل چھ سات
سنہرا کے ساتھ یہاں آیا تھا محض اتنے ہفتہ بھر میں بنگلہ بھوت بنگلہ بن جائے گا اس کے دل میں خیال
لوٹ جائے واپسی کے لیے اس کے قدم مڑے ہی تھے کہ سامنے ہی سنہرا اس کی جانب آتی
اُسے دیکھ کر وہ ہاتھ ہلا رہی تھی اب اُسے رُکنا ہی پڑا۔ وہ بھی بنگلے کے احاطے میں کھڑا تھا نیز یہاں
سن کر اور اُسے آتا دیکھ کر لوٹنا انتہائی معیوب بات ہے سوچ کر رک گیا۔
''ارے کیا واپس جارہے تھے؟'' وہ قریب آئی۔
''میں سوچ رہا تھا غلط آ گیا..... یہ علاقہ یہ بنگلہ.....'' اورنگزیب نے کہا۔
''میں پہچان نہ سکا' اتنی تبدیلی اتنی جلدی.....'' اس کی بات سن کر وہ کافرادا ہنس پڑی۔
''تمہاری نظروں کا دھوکا ہوگا میں تو ہمیشہ سے یہیں رہتی آئی ہوں۔ مجھے دیکھو کیا میں بھی بدل
آتی ہوں۔'' کہہ کر اُس نے بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اورنگزیب نے دیکھا اس نے اچھا خاصا میک
ہوا تھا بغیر آستین کے چھوٹا سا بلاؤز پہنے اور فلمی اداکاراؤں کی طرح قدرے نیچی ساڑھی باندھے
تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اورنگزیب تاب نہ لاسکا اور نگاہیں دوسری جانب پھیر
''چلو آؤ اندر تو چلو۔'' اس کے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے اورنگزیب کا ہاتھ تھام لیا۔ اس
تھامتے ہی اورنگزیب کے دل و دماغ کی سلیٹ اس کش مکش سے خالی ہوگئی جو اس کے گھر و دل
ہورہی تھی۔
''یہ علاقہ یہ بنگلہ اور تم جیسی لڑکی.....'' اب اورنگزیب نے اس کی رہائش گاہ کو لے کر تنقید کر دی
''میرا کوئی قصور نہیں ہے مجھے یہی گھر ملا رہنے کے لیے.....'' وہ ہنس پڑی۔
''کیا مطلب.....'' اورنگزیب لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے بولا۔
''چھوڑ دیں اسے کسی اچھی جگہ چلی جائیں۔ مجھے شدید حیرت ہے آپ یہاں اکیلی.....''
''اکیلی کہاں ہوں ایک آنٹی ہیں..... میری خالہ..... امی کے جانے کے بعد انہوں نے ہی ماں
پالا ہے شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں آتی ہیں تو ملواؤں گی کسی دن.....''
''مجھے چلنا چاہیے۔'' اورنگزیب اچانک صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
''کیوں کیا ہوا ابھی تو آئے ہو بیٹھو اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔''
''نہیں پھر کبھی سہی' اصل میں میں گھر میں بتا کر نہیں نکلا۔ بس آپ کا فون آیا تو فوراً.....''
''ارے ہاں.....'' سنہرا کہا۔
''بھئی اُس دن جب ہم ساحل پر ملے تھے تو تمہارا والٹ گر گیا تھا میں نے اٹھا لیا تھا مگر پھر وہ

گھر پر رہ گیا..... لو تم پریشان ہورہے ہو گئے۔'' سنہرا نے اُس کا والٹ اُس کی جانب بڑھایا۔
''اوہ بہت شکریہ.....''
''ارے ہاں مجھے یاد آیا.....'' اورنگزیب والٹ جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔
''آپ اس دن پینٹنگ کی نمائش کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھیں۔''
''ہاں باتیں تو تم سے بہت سی کرنی ہیں مجھے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔
''میں سمجھا نہیں.....'' اورنگزیب اُس کے پُراسرار گہرے لہجے سے بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔
''تم ایک نامور پینٹر بننا چاہتے ہو نا.....'' سنہرا نے اُس کے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔
''میں تمہیں بناؤں گی فن میں یکتا..... کمال آرٹسٹ اور آرٹسٹ تو تم ہو..... بلندیوں پر میں لے جاسکتی
تمہیں..... ہر طرف صرف تمہارا نام ہوگا کوئی مدمقابل نہیں کھڑا ہو سکے گا تمہارے۔''
''ایسا ہوسکتا ہے واقعی.....'' اورنگزیب واپس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
''آپ میری مدد کرسکتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں اپنے گھر والوں کو بتا دوں کہ میں کیا کرسکتا ہوں' میں
تا ہوں وہ خوش ہوجائیں کہ میں کاہل نکما نہیں ہوں۔'' اورنگزیب سنہرا کے دکھائے مستقبل کے
سورے خوابوں میں کھو رہا تھا۔
''آپ کا بے حد احسان ہوگا یہ مجھ پر کہ آپ مجھے پرموٹ کریں گی۔''
''احسان کیسا' تم مت رکھو میرا احسان.....'' سنہرا مخصوص انداز میں ہنسی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا.....'' اورنگزیب چونکا۔
''تم ایک چھوٹا سا کام کرو میرا اس کے بدلے میں احسان مت رکھو نا میرا.....''
''کام..... کیسا کام.....'' کام کے نام پر اورنگزیب کی جیسے جان ہی نکل گئی ہو۔
''ارے تمہارا رنگ پیلا کیوں پڑنے لگا باتم سے پتھر نہیں تڑوانے مجھے.....''
''پھر..... کیسا کام ہے۔''
''چھوٹا سا کام ہے.....''
''کہیے.....''
''تمہارے گھر سے املتاس کے پھول چاہیے مجھے.....'' املتاس کے پھول اورنگزیب بری طرح چونک گیا۔
''ہاں اصل میں آنٹی کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے اکثر ہی تو اُن کے لیے ایک دوائی بنانی ہے۔''
مغموم سے لہجے میں بولی۔
''اوہ..... بس اتنی سی بات میں کل ہی پھول لے آتا ہوں۔''
''ارے نہیں کل نہیں میں تمہیں بتاؤں گی جب لانا..... آنٹی آجائیں پھر ہاں ایک چیز میں تمہیں ابھی
رہی ہوں یہ بھی علاج کا حصہ ہے اسے درخت پر باندھ دینا۔'' سنہرا نے ایک کالی چمکدار چھوٹی سی
طیل ڈبیہ اس کے ہاتھ میں تھما دی۔
''اس میں ایک دھاگہ ہے وہ کسی اونچی شاخ پر باندھ دینا.....'' اورنگزیب تذبذب میں پڑنے لگا تو
نے اُسے گہری گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

''نیکی کا کام ہے..... اور میرے احسان کا بدلہ ہے.....'' اورنگزیب کو یکبارگی لگا اس ... ہدایت دی جارہی ہے۔

''میں کروں گا ضرور.....'' اس کے منہ سے یہ جملہ ادا ہوتے ہی سنہرا نے اپنی گہری گہری نظر ... کے چہرے سے ہٹالیں۔ اس کے نظریں ہٹاتے ہی اورنگزیب کو محسوس ہوا۔ جیسے ایک جھٹکے کے ساتھ ... ذہن آزاد ہوگیا ہو۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں اور ہاں آپ کی چائے اُدھار رہی.....'' اورنگزیب کہا۔

''کوئی بات نہیں ٹھیک ہے جاؤ۔'' سنہرا نے سرسری سے انداز میں کہا۔ جیسے اُس کے چلے جا... اس کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔ اورنگزیب نے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے بنگلے کا جنگل بنا احاط... کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور آنکھیں موندے موبائل میں ہینڈ فری لگائے گانے سن رہا تھا' اورنگزیب نے ... دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے اس کے کان سے ہینڈ فری نکالتے ہوئے کہا۔

''چلو..... ارے صاحب سوگیا تھا شاید ہم.....'' وہ سیدھا ہوکر بیٹھتے ہوئے اسٹیئرنگ سنبھالنے لگا

''ذرا تیز چلانا.....'' اورنگزیب کو وقت کا احساس ہورہا تھا۔

''دیر ہوگئی ہے مجھے.....'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچتے پہنچتے اس نے خود کو کسی بھی ... ڈانٹ پھٹکار کے لیے تیار کرلیا تھا۔

نیلگوں آکاش سے اترتی سرمئی سی شام آج بہت تھکی تھکی نظر آرہی تھی۔ اورنگزیب نے ٹیکسی کا ... دیا اور ڈپلیکیٹ چابی سے صدر دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ وہ گیا تو دوپہر تھی اب غروب ہونے والی تھی۔ فائزہ ٹی وی لاؤنج میں بے چین پھر رہی تھیں اورنگزیب کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر تیزی سے صحن ... آئیں اور برس پڑیں اورنگزیب پہلے تو چپ چاپ سنتا رہا پھر ماں کے کاندھے سے لپٹ گیا اور فا... غصہ سرد پڑنے لگا۔

''معاف کردیجیے امی غلطی ہوگئی بس دل گھبرانے لگا میں نے سوچا آپ لوگ آرام کررہے ہیں ... دریا کے کنارے جاکے آجاتا ہوں مگر پھر ایک دوست مل گیا باتوں میں دیر ہوگئی۔'' اورنگزیب نے ... بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ اپنے کمرے میں شکر ہے اس وقت تمہارے ابو اور دادا جان نہیں ہیں ورنہ اس ... بغیر بتائے جانے میں تمہاری خیر نہیں تھی۔'' فائزہ کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔ اورنگزیب ... کمرے میں آگیا۔ جیب سے سنہرا کی دی سیاہ ڈبیہ نکالی اور اپنی ڈریسنگ کی دراز میں رکھ کر لاکڈ ... ایک مرتبہ اس کے دل میں خیال آیا کہ کھول کر دیکھے تو سہی اس میں ہے کیا چیز مگر سنہرا کی بات یاد آئی ... اسے صرف درخت پر باندھتے ہوئے ہی کھولنا ہے اس سے پہلے نہیں..... چنانچہ ڈبیہ دراز میں ہی ... بغیر کھولے۔

وہ اپنی ہونے والی کامیابیوں کی راہ میں کسی بھی قسم کی غلطی کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا۔ اُسے بس ... تو رات کا آج رات ہی اُسے درخت پر وہ چیز باندھنی تھی جو سنہرا نے اُسے دی تھی۔

رات کھانا کھانے کے بعد سب گھر والے ٹی وی لاؤنج میں دیر تک بیٹھے..... اورنگزیب نیند کا بہا...

کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ بیڈ پر لیٹے لیٹے وہ اپنا پروگرام ترتیب دینے لگا۔ رات کچھ مزید بھیگی تو ... نے چلے گئے اورنگزیب اٹھا دراز کھول کر ڈبیہ نکالی۔ سلیپرز پیر میں ڈالے اور نہایت آہستگی سے ... ئے لاؤنج عبور کرتے صحن میں آگیا۔ املتاس کے درخت کی شاخیں ہوا کی تال پر ایسے جھوم رہی ... جیسے سپیرے کی بین پر سانپ مدہوش ہوکر جھومتا ہے برقی قمقموں کی روشنی میں دیوار پر شاخوں کے ... لے سائے مدہوش ہوکر جھوم رہے تھے۔ اورنگزیب کچھ دیر یہ منظر دیکھتا رہا پھر درخت کے پاس ... املتاس کے نیچے بچھے تخت پر چڑھ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں املتاس کی کئی ایک شاخیں آسکتی تھیں۔ ... لے ڈبیہ کھولی اس کے اندر ایک لال رنگ کی دھاگہ نما کلچی سی چیز تھی دیکھنے میں وہ دھاگہ معلوم دیتی ... جیسے ربر کا ہو دھاگہ..... املتاس کی ایک شاخ اس کے ہاتھ میں تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ کلچا سا ... . وہ اسے شاخ تک لے کر ہی گیا تھا کہ اُسے یوں لگا کہ اُس کا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا ہو..... ... ہاتھ میں حرکت مفقود ہوگئی تھی اس کے دل و دماغ میں ایک شور برپا تھا کوئی اسے ایسا کرنے سے ... رہا تھا پھر اس کے ہاتھ سے شاخ پھسل گئی شاخ کے ہاتھ سے نکلتے ہی اُس کا دوسرا ہاتھ نیچے ہوگیا ... کے درخت پر ننھے ننھے دیے جل اٹھے تھے۔

... ہی اورنگزیب تخت سے اترا وہ دیے بھی درخت سے اتر پڑے اورنگزیب نے اپنی زندگی میں پہلی ... نظر دیکھا جگنوؤں کا ایک لشکر اتر آیا ہو جیسے ان سب نے املتاس کے درخت کو گھیرے میں ایسے لیا ہوا ... کوئی حصار تیزی سے درخت کے گرد چکر کاٹ رہے تھے اورنگزیب درخت سے پانچ چھ قدم دور کھڑا ... ساہو رہا تھا دو ایک جگنو اس کی جانب آئے پھر فضا میں اوپر نیچے تیر گئے جگنوؤں کی فضا میں ہل چل ... ہوئی تھی ایسا لگ رہا تھا صحن میں ننھے ننھے چراغ تیر رہے ہوں صحن کا چکر کاٹ کر ان سب کا رخ اب ... کی جانب تھا..... اورنگزیب کو ہوش سا آیا دوڑ کر لاؤنج اور پھر کمرے میں آگیا۔ گلا خشک ہورہا تھا۔

... کی بوتل اس نے پوری حلق میں انڈیل لی۔ اوسان تھوڑے بحال ہوئے تو وہ بستر پر گر گیا پورا وجود ... اپاہٹ کی زد میں تھا عجیب سی کیفیت ہورہی تھی نقاہت سے آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں چار دن کے ... نے پہلے ہی اس کی ہمت توڑی ہوئی تھی آنکھیں بند کیے کیے وہ کب نیند کی وادیوں میں اتر گیا ... نہ تھی پھر جانے کیا ہوا سوتے سوتے اس کی آنکھ کھل گئی اس کے کانوں میں کوئی آواز آرہی تھی۔

... اس نے غور سے سنا تو اسے محسوس ہوا جیسے کوئی نزدیک ہی سسکیوں سے رو رہا ہے۔

... رونے کا احساس تھا اس۔ اس کے کمرے میں کون رو رہا تھا یہ ایک نسوانی آواز تھی وہ گھبرا کر اٹھ ... گیا چند ثانیے وہ بت بنا بیٹھا رہا..... پھر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ٹیبل لیمپ جلایا۔ لیمپ کی روشنی ... سسکیوں کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں..... اس نے تیزی سے اٹھ کر کمرے کی لائٹ روشن ... اس نے چاروں طرف دیکھا اسے کچھ نظر نہ آیا۔

... کچھ ہوتا تو ہی دکھائی دیتا رونے کی آواز بھی اب معدوم ہوچکی تھی۔ اسے شبہ ہوا کہ اس نے واقعی ... رونے کی آواز سنی تھی اگر آواز سنی تھی تو کیا یہ خواب تھا..... تب اسے خیال آیا کہ رونے کی آواز تو ... آنکھ کھلنے کے بعد بھی سنی تھی۔ اور کافی دیر تک بیڈ پر بیٹھا آواز کی سمت کا تعین کیا تھا ٹیبل لیمپ ... کے بعد تک اس نے سسکیوں کی آواز سنی تھی وہ پوری طرح نیند کے حواسوں سے باہر نکل آیا تھا۔ یہ

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

سب درست تھا تو رونے والی کہاں گئی۔

اسی شش و پنج میں وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گیا صبح اس کا ارادہ تھا دیر تک سوئے گا پوری رات وہ رہا تھا نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی دروازہ اندر سے جواب نہ ملنے پر فائزہ اندر چلی آئی اورنگزیب کو یوں بے خبر سوتا دیکھ کر پہلے تو سوچا آرٹ والوں کو کہہ دیں کہ کچھ دیر بعد فون کریں مگر صبح سے دو مرتبہ وہ انہیں ٹال بھی چکی تھی اب یہ تیسرا فون تھا اُن کے بیٹے کو ایک انتہائی سنہری چانس مل رہا تھا خود کو منوانے کا کچھ کر دکھانے کا تو وہ اسے اٹھانے پر مجبور ہوگئیں تھیں۔ انہوں نے دھیرے سے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا چند لمحوں کے بعد اورنگزیب نے ماں کا ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے آنکھیں کھول دیں ان کا ہاتھ پکڑ کا اپنی آنکھوں سے ہٹایا اور نیند میں ڈوبی آواز میں بولا۔

''امی کیا ہوا؟ خیریت ہے سب۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا بلکہ خوشی کی بات ہے تمہیں آرٹ گیلری والے فون کر چکے ہیں دو مرتبہ یہ تیسری بار ہے ورنہ میں تمہیں نہیں جگاتی۔ میں ریسیور رکھتی ہوں جا کے تم یہاں سے بات کرلو.....'' فائزہ ایکسٹینشن فون کا ریسور بیٹے کو تھمایا۔

''ہیلو.....'' ریسیور رکھے جانے کی آواز سن کر اورنگزیب بولا۔

''شام میں آرٹ گیلری میں ایک نیا پینٹر متعارف کروانے جا رہے ہیں ہم.....'' دوسری طرف کوئی بول رہی تھی۔

''تم شام میں فری ہو اگر نہیں ہو تو بھی فری رہنا تمہاری شرکت لازمی ہے۔'' سنہرا نے ہدایت اور دعوت دونوں ساتھ ساتھ دینے میں کمال حاصل کیا ہوا تھا۔

''میں ضرور ضرور آؤں گا۔'' اورنگزیب کی نیند کافور ہوگئی سنہرا کی اس دعوت پر یہ اس کے کیریئر کے لیے سنگ میل کی سی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کی تمام حسیات جاگ گئی تھیں رات سنہرا کا کام نہ کرسکنے کی پشیمانی نے اسے گھیر لیا تھا۔

''مجھے آپ سے معذرت بھی کرنی ہے سمجھ نہیں آرہا الفاظ نہیں مل رہے مجھے.....'' اس نے شرمندہ شرمندہ لہجے میں الفاظ جوڑے فون پر تھوڑی سی معذرت کرلے تاکہ ملنے سے پہلے کچھ حوصلہ پیدا ہو جا دوسری جانب جواب میں سنہرا کی ایک گہری سانس لینے کی آواز سنائی دی۔

''تم نے کیا کیا ہے؟ کیا نہیں مگر افسوس ہے میں تم سے ناراض نہیں ہوسکتی۔ مگر ہاں تم نے جو نقصان کیا ہے اس کی بھرپائی کرنی پڑے گی۔'' وہ پھر اپنی مخصوص ہنسی ہنس دی۔ اورنگزیب کی جان میں جان آئی۔

''شکریہ میں تیار ہوں نقصان پورا کرنے کے لیے.....''

''بس تو پھر شام میں ملتے ہیں اور ہاں اپنی کچھ پینٹنگز جو بنائی ہیں تم نے وہ لیتے آنا.....او کے پھر بائے.....'' سنہرا نے فون بند کر دیا۔

(جاری ہے)

دوشیزہ کا سفر

زندگی کا سفر یقیناً بہت اعصاب شکن عمل ہے کہ اس میں بے شمار لوگ بچھڑ جاتے ہیں' بگڑ جاتے ہیں بدل جاتے ہیں بس یہ اطمینان ہوتا ہے آخری پڑاؤ منزل پر ہی ہوگا۔ تین نسلوں پر محیط سفر کی دلچسپ داستان جو آپ کو دوشیزہ اور دوشیزہ والوں سے جوڑے رکھے گی

منزہ سہام

دوشیزہ کا دفتر اب طارق روڈ سے شفٹ ہو کر آدم جی کیڈ بہادر آباد آچکا تھا..... دفتر کے ہر کونے کی سجاوٹ' طارق عزیز صاحب نیلام گھر والے اور مرحوم سلیم ناصر صاحب (آنگن ٹھیرا والے) آفس میں بطور مدیر موجود

بہترین کارکردگی پر آسٹیٹ ایوارڈ کی شیلڈ وصول کرتے ہوئے سہام مرزا

چر کا انتخاب سب ابو نے کیا ایک ایک کونا سجایا امی کا تھے لہٰذا طے یہ ہوا کہ پہلا کمرہ طارق عزیز صاحب اور اس کمرہ کون سا ہوگا' ابو کہاں بیٹھیں گے اس زمانے میں کے سامنے والا امی کا ہوگا جو بعد میں میرا کمرہ بنا.....ابو اور

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

سلیم ناصر صاحب آخری کمرے میں بیٹھا کرتے درمیان امتیاز علی صاحب (جو بجیا کے ڈراموں میں ا

جیلانی بانو' رخسانہ سہام' منورہ نوری اور مسرت عزمی سچی کہانیاں کے دفتر

والا کمرہ فرہاد زیدی صاحب کا تھا جو ایم ڈی پی ٹی وی بھی رہے۔ مجھے اپنا دفتر بہت پسند تھا۔ ہال میں مارکیٹنگ تھے) جعفر بھائی یہ لوگ بیٹھا کرتے سب سے زیادہ اور ہلا گلا اسی کمرے میں ہوتا تھا' ایک بار فرید

قمر علی عباسی (ایام جوانی) اور نیلوفر علیم پہلے دوشیزہ رائٹرز ایوارڈز کی تقریب میں

والے جن میں ریاض مرزا صاحب' پروین شروانی صاحبہ' مرحوم (داش اور یاسر نواز کے والد) آفس آئے تو ابو

خوشی سے سب سے ملوا رہے تھے جب امی سے ف کا موقعہ آیا تو ابو نے امی سے پوچھا۔ ''رخسانہ بتاؤ ہیں؟'' (ویسے مجھے ابو کی یہ بات ہمیشہ بڑی پریشان تھی بعض اوقات آپ کے ذہن میں اس شخص کا نام آتا اور بڑی شرمندگی ہوتی ہے) بہرحال امی کی خود ی پر تو کتابیں لکھی جاسکتی تھیں فوراً بولیں ہاں سہام ون نہیں جانتا یہ نادر جسکانی ہیں یہ سن کر ابو تو جو شرمندہ ئے سو ہوئے فرید نواز بلوچ مرحوم بہت گڑبڑائے' ل نادر جسکانی سندھ کا بدنام ڈاکو تھا۔ سن 85 میں سچی انیاں کا اجرا ہوا سب سے پہلے ایڈیٹر شمیم نوید تھے۔ ان ساتھ دانش دیروی سچی کہانیاں کی سجاوٹ میں مشغول

محمد سلیم اختر' ایم سنبل معصوم' امجد جاوید امجد' ماریہ عرفان' ایم حسین کنول' پرنس عبدالخالق شاہین ہیں۔ اس کے بعد پندرویں صدی' شوبزنس' میڈیکل ورائٹی اور بچوں کا رسالہ' شوبزنس کی وجہ سے ہر وقت دفتر میں ٹی وی اور فلم سے جڑے لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ ابو نے فیصلہ کیا کہ بچوں کے رسالے پر اپنی کلاس میں فرسٹ آنے والے بچے کی تصویر انہی بڑی شخصیات کے ساتھ ہوگی تو ایک طرف دفتر میں مشہور شخصیات کے انٹرویوز ہو رہے ہوتے اور دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ذہین بچے اپنی رپورٹ کارڈ کے ساتھ منتظر ہوتے کہ کب اُن کا انٹرویو لیا جائے۔ اب احساس ہوتا ہے کہ ابو صرف لکھاریوں کو عزت نہیں

بشریٰ رحمان' رخسانہ سہام اور بیگ ناقور رحیم الدین

دونوں ایڈیٹران کی انتھک محنت کی وجہ سے سچی کہانیاں کے مدارج طے کرتا رہا۔ اُن لوگوں کو سچی کہانیاں میں نے کا موقع دیا گیا جو بالکل نوآموز تھے اس زمانے میں کر کے چھپنے کا معیار بہت سخت تھا مگر سچی کہانیاں نے لکھنے والوں کی تحریروں کی نوک پلک سنوار کر انہوں موقع دیا اور یہی وجہ تھی کہ اچھے لکھاریوں کی ایک نئی ل تیار ہوئی۔ چند نام جو اولین شماروں میں موجود ہیں وہ

دیتے تھے وہ بچوں بڑوں سب کا احترام کرتے تھے۔ اس زمانے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بچوں کو اتنی اہمیت ملے گی کہ ان کے انٹرویوز بڑوں کی طرح شائع ہوں گے۔ ہر مہینہ دوشیزہ ایوارڈ ایونٹ مجیب صاحب شماروں کی ریکارڈ سیل پر تمام آفس اسٹاف کو لنچ دیا کرتے..... اس دن بہت چہل پہل ہوتی کئی قسم کے کھانے بڑی سی میز پر سج رہے ہوتے جہاں سب ابو کی

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

موجودگی میں کھانا کھاتے۔ کیا دن تھے اُن قہقہوں کی گونج کتنی جلدی وہ خوبصورت اور اچھے دن گزر گئے اب بھی

تصویر میں سید علی ارسلان، شریں خان اور بشریٰ رحمان نمایاں ہیں (1979ء دوشیزہ ایوارڈ)

میرے کانوں میں موجود ہے۔ اتنی دعوتیں اتنے میں خواب لگتے ہیں لگتا ہی نہیں کہ کبھی ایسی زندگی
فنکشن ہوتے تھے کہ شاید ہی کوئی شام تھی جو گھر پر گزرتی گزاری تھی نہ وہ لوگ رہے نہ وہ محفلیں.....

سچی کہانیاں کے پہلے ایڈیٹر شمیم نوید ہمراہ سلیم فاروقی اور سید صاحب

اور اگر ایسا کوئی دن ہوتا تو گھر پر کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی۔ "یاد ماضی عذاب ہے یارب"

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کا سلسلہ تواتر سے جاری تھا۔
شروائی اور ریاض مرزا صاحب کی انتھک محنت نے
کو وہ عروج عطا کیا کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں
۔ پیور سلک کی پلین ساری میں موتیوں کی مالا پہنے
پروین آنٹی آفس میں قدم رکھتیں تو ہر جانب جیسے
ہی روشنی ہوتی۔ لبوں پر سرخ لالی اور سیاہ تراشیدہ
کو سنبھالتی وہ واقعی میں مارکیٹنگ ہیڈ تھیں۔ اُن کا
نٹ خوب پھل پھول رہا تھا دوشیزہ کے فنکشن میں
کی بھرمار ہوتی گل احمد اور الکرم والے اپنے پورے
تھان فی بندہ بھیج دیا کرتے' فلپس' شان مصالحے
بریڈ پی آئی اے' نیشنل بینک اور دیگر بے شمار
کمپنیوں کی مصنوعات تحفوں میں دی جارہی

ڈاکٹر سلیم اعظم' دانش دیروی اور سب ایڈیٹر سچی کہانیاں ثمینہ

..... ابو کا ارادہ تھا کہ جلد وہ اپنے بہترین لکھاری کو
تحفے میں دیں گے..... وہ گاڑی نہیں جو آج کل
گیم شوز میں دی جاتی ہے بلکہ اصل گاڑی مختلف
سے بات چیت چل رہی تھی کہ اچانک ایک دن
حق مرحوم کے پریس سیکریٹری جناب صدیق سالک
کا فون آگیا کہ مرزا صاحب آپ اور بیگم صاحبہ فوراً
آباد پہنچیں کچھ گرم کپڑے رکھ لیں شاید صدر صاحب

کے ساتھ چین جانا پڑے۔ پاسپورٹ ہمراہ لائیے گا امی ابو اسلام آباد چلے گئے۔ ضیاء الحق صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اخبار نکالیں..... پریس کے لیے جگہ اور دیگر سہولیات میں فراہم کروں گا چین جانے کا ارادہ تھا مگر میں جونیجو کی حکومت گرا رہا ہوں لہٰذا بتایئے فوری طور پر اخبار کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے۔ ابو نے کہا صدر صاحب آپ ٹیلی پرنٹرز کی لائنیں لگوادیں میں اخبار شائع کردوں گا بے فکر رہیے۔ راتوں رات ٹیلی پرنٹرز کی لائنیں ڈال دی گئیں۔ دیوہیکل جنریٹر آدم آرکیڈ کے احاطے میں اتار دیا گیا۔ ضیاء الحق صاحب کے بہترین دوست ضیاء السلام انصاری صاحب نے بطور ایڈیٹر کرسی سنبھال لی اب شب و روز مختلف تھے شوبز نس

ناصر رضا صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ سچی کہانیاں اور دوشیزہ دانش دیروی اور شمیم نوید مرحوم کی ذمہ داری بنا اور طارق عزیز پندرہویں صدی کو پیارے ہو گئے' دن و رات کی کڑی محنت کے بعد سویرا اخبار کی ڈمی شائع ہوگئی۔ ابو صبح اسٹیٹ لائف جاتے 3 بجے دوشیزہ کے آفس اور پھر جب پریس پر پرنٹنگ مکمل ہوجاتی تو صبح کے 4 بجے گھر آجاتے..... (اس انتھک محنت کا صلہ ان کو اخبار کی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کامیاب اشاعت کی صورت مل رہا تھا)۔ میں ابو کے بخوبی واقف تھی اس لیے ابو کا سایہ بنی رہتی..... انہا

(دو بہترین دوست مقبول جلیس اور سہام مرزا جنرل (ر) معین الدین حیدر کے ہمراہ)

ساتھ پریس چلی جاتی تھی کیونکہ مجھے یہ ڈر رہتا کہ وہ دل اشاعت سے پہلے ہی ضیاء الحق صاحب کے طیارے کا
کے مریض ہیں اُن کی دوائیں ہمہ وقت میرے پاس حادثہ ہوگیا سب نے ابو کو منع کیا کہ سہام اخبار کا خیال چھوڑ

(محسن بھوپالی مرحوم، ظہیر صاحب، اسلم صاحب، مرحوم پرویز بلگرامی، سلیم اختر صاحب)

موجود رہتیں کون سی دوا کب زبان کے نیچے رکھنی ہے میں دو مگر وہ نہ مانے اور اپنے بل بوتے پر سویرا کی اشاعت

شروع کردی۔ وہ دفتر جہاں قہقہے گونجا کرتے تھے..... شام ہوتے اب وہاں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ اخبار کا عملہ

(خان آف قلات کے داماد خان محمد خان صاحب ہمراہ سہام مرزا اور اختر شہاب)

کی چائے پر کبھی اسماعیل شاہ، اظہار قاضی، عائشہ ریاست ہوتیں تو کبھی نذیر ناجی، فرحت رضوی، محسن بھوپالی بالکل الگ تھا اور رسالوں کے لوگ بالکل الگ۔ کبھی کبھی مدیران کو دیکھ کر لگتا جیسے رضیہ غنڈوں میں پھنس گئی ہے۔

(دو محسن) مہتاب اکبر راشدی اور جنرل معین حیدر کے ہمراہ منزہ سہام

وسعت اللہ سرفراز قریشی صاحب، جمال احسانی مرحوم موجود سویرا کے بعد شام کا اخبار انجام بھی پوری سج دھج کے ساتھ

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

منظر عام پر آ گیا تھا۔

دن پرانا اخبار پکوڑے لپیٹنے یا چنے رکھنے کے کام آتا۔

پہلے سرکولیشن منیجر اسلم صدیقی صاحب اور تنویر رانا

روزنامے اور ڈائجسٹ دونوں کا تعلق حالانکہ ایک ہی میڈیم سے ہے جس کو پرنٹ میڈیا کہتے ہیں مگر مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک

مگر ڈائجسٹ کو پڑھنے والا سالوں اِس کو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں کام کرنے والوں میں بھی بہت

ایک لنچ کی یادگار تصویر..... صبیحہ شاہ صاحبہ، طلعت آفتاب، سہام مرزا مرحوم اور محسن بھوپالی مرحوم

ٹھہراؤ پایا جاتا ہے اور اخبار میں کیونکہ روز نئی خبر درکار ہوتی

ہے اس لیے اس سے وابستہ لوگ عام طور سے کچھ جلد باز محسوس ہوتے ہیں۔ خیر آ ہی گیا وہ شاہکار جس کا تھا انتظار' اخباروں کی سیل میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور ایک وقت وہ بھی آیا جب سویرا ایک ہی دن میں دو بار چھپنے لگا۔ ابو کی ساری توجہ اخباروں کی جانب تھی۔ صحت گر رہی تھی' دوشیزہ اور سچی کہانیاں سمیت تمام ڈائجسٹ عدم توجہی کا شکار ہونے لگے..... پھر حکومت وقت کو سویرا کی کسی خبر پر غصہ آ گیا اور اشتہارات اور کاغذ کا کوٹہ کینسل ہو گیا۔ یہ وقت بہت سخت تھا اکاؤنٹ صفر رہ گئے تمام گاڑیاں بک گئیں ابو

کام کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا اور وہ سارا کام گھر لاکر پوری پوری رات جاگ کر کرتے تھے اب وہاں سناٹوں کا راج تھا..... دانش انکل دوشیزہ اور سچی کہانیاں کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ اسی دوران امی شدید بیمار ہو گئیں اور کومے میں چلی گئیں۔ یہ دہری پریشانی تھی جس نے ہم سب کے اعصاب شل کر دیے۔ میری عادت تھی میں ابو کے گھر آتے ہی اُن کے جوتے اُتارا کرتی تھی بیٹیاں ویسے بھی باپوں کی لاڈلی ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اُن کے کام کر کے خوش ہوتی ہیں۔ کچھ عرصے سے وہ

تین مدیران مرحوم دانش دیروی، سلیم فاروقی اور پرویز بلگرامی امجد اسلام امجد کی آمد پر

نے پیدل دفتر جانا شروع کر دیا ہمارے بچپن کے ڈرائیور شیر گل روز اسی طرح ڈیوٹی پر حاضر ہوتے اور ابو کے پیچھے پیچھے انکا بریف کیس لے کر پیدل دفتر کی طرف روانہ ہو جاتے۔ امی اس دوران شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئیں پرچے ایک ایک کر کے بند ہوتے چلے گئے۔ مگر دوشیزہ اور سچی کہانیاں شیر گل کی طرح وفادار رہے..... دوست احباب سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ دفتر جہاں ابو کے پاس

مجھے ایسا کرنے سے روک رہے تھے ایک دن میں نے ضد کر کے اُن کے جوتے اتارے تو میں یہ دیکھ کر گنگ رہ گئی کہ ان کے جوتوں کے تلوں میں جا بجا چھید تھے پاؤں زخمی تھے میری ہمت ہی نہیں ہوئی کہ میں اپنے باپ سے آنکھیں ملا سکتی خاموشی سے جوتے اُتار کر اپنے دوپٹے سے صاف کیے اور شیر گل کے ہاتھ موچی کے پاس بھجوا دیے۔ مگر اس دن پھر اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ ابو کے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

رسالوں کو جان دے کر پروان چڑھاؤں گی۔ بڑوں سے بھی آگئیں اور گھر اور دفتر کی ویرانی بھی دور ہوگئی۔

محترم اتا کا، عاصفہ اتا کا، بچیاں اور سہام مرزا مرحوم

سنا تھا کہ جب جوتے پھٹ جاتے ہیں تب یقین رکھو میں برسوں کا رکا دوشیزہ راسز ایوارڈ کا سلسلہ پھر شروع حالات ضرور بدلتے ہیں..... اور پھر واقعی میں سب اچھا ہوگیا۔ مدیر سیما غزل اور عابدہ رفیق تھیں، عابدہ آنٹی سنجیدہ

ایام جوانی، طارق عزیز صاحب اور نعمان علی عباسی مرحوم

ہوتا چلا گیا۔ اب نئے لوگ تھے دفتر پرانا تھا..... گاڑیاں مزاج چہرے پر نرم سے مسکراہٹ لیے کام میں مصروف

رہتیں اور سیما غزل جن کی ہر انگلی میں ایک خوبصورت بار پھر رنگ، خوشبو اور ہنسی کی جلترنگ دفتر میں بکھرنے

دوشیزہ کے اولین ایجنٹ مجیب صاحب ہمراہ فریدہ مسرور اور غزالہ رشید

انگوٹھی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر شیطانی ہمہ وقت لگے۔ دوشیزہ اور سچی کہانیاں پورے کمطراق سے اپنی موجود رہتی دوشیزہ لوروز بروز نکھار رہی تھیں۔ پرویز بلگرامی چھب دکھانے لگے..... سچی کہانیاں کے لکھاریوں کے

حکیم ناصر اور سہام مرزا مرحوم

اور دانش ویروی اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان تھے..... ایک اعزاز میں ظہرانے کا انتظام کیا گیا جس میں پاکستان کے

http://www.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

دور دراز علاقوں سے رائٹرز نے شرکت کی' سب ایک بڑی محنت کروائی تھی کیونکہ میری زبان ویسے تو بہت ...

دوسرے سے پہلی بار مل رہے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بروں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ 99ء میں جب

دوشیزہ کا فنکشن ہوا تب میں نے سپاس نامہ پیش کیا ابو نے

نہیں لکھا جو قریاخ سے شروع ہوتا ہو۔ ویسے یہاں مجھے

تھی مگر ہوں تو حیدر آباد کی اور خ پر آج بھی پھسل جاتی ہوں لہٰذا انہوں نے سپاس نامے میں ایسا کوئی لفظ ہی

اُنہی اُردو کی بہت پیاری ٹیچر مس عزیزہ یاد آرہی ہیں اُن کا تعلق بھی دکن سے تھا اور جب وہ املا ٹیسٹ لیتیں تو پوری کلاس فیل ہو جاتی تھی کیونکہ سب خبر کو قبر اور قبر کو خبر لکھتے ..... مگر وہ کان مروڑتی جاتیں اور کہتیں نمکی لڑکیاں..... اب میں نے باقاعدگی سے دفتر کی ذمہ داری سنبھالنا شروع کر دی تھی۔ پابندی سے آفس آنا' پھر مختلف فنکشنز میں ابو کے ساتھ جانا' مجھے سب سے زیادہ مزہ قمر علی عباسی انکل کی بک لانچ میں آتا تھا وہ ہر سال امریکہ سے آکر ایک کتاب شائع کرتے اور بڑے دھوم دھڑکے سے

پہلا ٹائٹل سچی کہانیاں' پہلا اجرا اور پہلا کریڈٹ پیج (1985ء)

اکرم کی رونمائی کرتے میرے اور ابو کے لیے فرنٹ صوفہ رکھا ہوتا۔ نیلوفر آنٹی ہمیشہ آہستہ سے کہتیں منزہ آگے بیٹھنا وہ جانتی تھیں کہ میں اور ابو خاموشی سے کہیں آخری نشستوں پر بیٹھ جائیں گے نیلوفر آنٹی اور قمر علی عباسی مرحوم سے بچپن کا تعلق تھا جب وہ حسن اسکوائر پر رہتے تھے بچپن کی یادیں اور لوگ بہت قیمتی ہوتے ہیں اسی لیے جب 2012ء میں امریکہ گئی تب عباسی انکل کے گھر جانے کی بہت کوشش کی مگر بھانجی کی شادی نے موقعہ نہ دیا مجھے آج بھی عباسی انکل کے وہ جملے یاد ہیں۔

"یار آجایا کرو بڑی یاد آتی ہے۔" اور اب مجھے ان کی

بہت یاد آتی ہے ہمیں اپنے پیاروں کے لیے ضرور وقت نکالنا چاہیے ورنہ شدید پچھتاوا رہتا ہے۔

اللہ نے مجھے دو شہزادوں سے نوازا دانیال اور زین بیٹے تو وہ میرے تھے مگر قبضہ ابو کا تھا۔ اب اُن کی زندگی کا محور صرف یہ دونوں تھے۔ دفتر اور دفتر سے گھر..... اُن کی ہر بات اور ہر سوچ صرف دانیال زین کے گرد ہی گھومتی تھی نہ میں ابو کے سامنے ان دونوں کو ڈانٹ سکتی تھی نہ کوئی سختی کر سکتی تھی۔ امتحانوں کے دنوں میں ایک دن دانیال کی پٹائی کر دی تو ابو آنکھوں میں آنسو لے کر آگے میں نے

آج اس طرح بکھرتے تو اس وقت نہیں دیکھا تھا جب جوتوں میں پھیپھد ہو گئے تھے۔ جب اپنے پرائے ہو گئے تھے..... جب صبح و شام بس رات کا ہی منظر رہتا تھا انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں بچوں کو کبھی نہیں ماروں گی۔ "سوری ابو میں نے بہت بار وعدہ خلافی کی اور اب تک کرتی ہوں۔"

اب فریدہ مسرور اور سونیا دوشیزہ کی تزئین و آرائش میں مصروف تھیں اور زندگی سبک خرامی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ انسان بھی بڑا عجیب ہے پریشانیوں پر سہم جاتا ہے ٹوٹ جاتا ہے مگر اچھے دن آنے پر سارے دکھ اور درد بھول کر پھر سے

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/

کھڑا ہو جاتا ہے نئے دکھوں کو جھیلنے کے لیے.....

2001ء یہ روح فرسا خبر ہم سب کی سماعتوں پر بجلی بن کر گری کہ ابو کو پیٹ کا کینسر ہو گیا ہے اور بقول ڈاکٹرز کے زندگی کے صرف چھ ماہ ان کے پاس ہیں۔ شوکت خانم ہسپتال لاہور اور آغا خان کراچی میں علاج شروع ہوا' وقت متعین ہے نیند رات بھر کیوں نہیں آتی'' مجھے زندگی میں پہلی اور آخری بار اپنے رب سے شکوہ ہوا جب تک انسان کو عقل نہیں ہوتی وہ رب سے شکوے کرتا ہے مگر اللہ اپنے بندے پر پنا فضل کر دیتا ہے تب صبر کی بھاری سل

تیسری نسل زین شمسی اپنی مانو کے ساتھ.....

سینے پر دھر جاتی ہے اور یہی بھاری سل اصل میں زندگی کا نچوڑ ہے باقی سب پانی کا بلبلہ..... میں رو رو کر دنیا بنانے والے سے اُن کی زندگی مانگتی رہی اور وہ آنکھوں میں بے بسی لیے دانیال' زین کو تکا کرتے ایک دن میں نے بہت ہمت کر کے پوچھا ابو اللہ سے کوئی گلہ ہے آپ کو تو بولے بس یہی کہ مجھے کچھ وقت اور دے دیتے دانیال زین 18 سال کے ہو جاتے تو میں سکون سے مر جاتا..... یہ بات تو مجھے جلتی دھوپ میں ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑے ہونے پر سمجھ میں آئی کہ وہ اپنے نواسوں کا شناختی کارڈ کیوں اپنے

رخصت ہے وہ اب اُن راستوں پر کبھی نہیں لوٹ سکے گا۔ جہاں سے روز گزرتا تھا۔ سب منظر بدل جائیں گے' ابو کی بیماری کے دنوں میں مجھے احساس ہوا کہ اللہ کی بے بہا نعمتوں میں سے ایک نعمت موت کا بنا کہے اچانک آ جانا ہے انسان آج بھی اتنا مضبوط نہیں کہ لمحہ لمحہ اپنے آپ کو موت کی طرف بڑھتا دیکھتا مگر ابو نے اور میں نے یہ بھی دیکھا دنیا سے وہ جا رہے تھے اور سانسیں میری اٹک رہی تھیں۔ ابو کے انتقال کے بعد جب پہلے دن آفس گئی تب اُن کا لکھا آخری چیک کا کاؤنٹر فائل میرے سامنے تھا۔''

سامنے بنوانا چاہتے تھے۔ دراصل ہمارے آس پاس ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے ہیبت تو انسانی ہے وہ وحشی درندے ہوتے ہیں' خون آشام بلاؤں کی جو کسی کا بھی حق بہت آرام سے ہڑپ کر لیتا ہیں..... چھ ماہ کے اندر اندر ابو نے اس دنیا کہا۔ بہت دردناک تھا وہ آخری دن جب وہ اٹھے سب کو خدا حافظ کہا اور کہا کہ دفتر کی سیڑھیاں ممکن نہیں تم لوگ سنبھالو گے اب اس آفس کو مشکل ہوتا ہے جب انسان کو پتہ چل جائے کہ اب

پھر کفن دفن اور کھانے کے پیسے۔'' اُس دن میں پھوٹ پھوٹ کر روئی اور اتنا روئی کہ اس کے بعد آنسو ہی خشک ہو گئے۔ لمبے عرصے تک میں چاہ کر بھی رونا پاتی تھی..... مگر جیسے جیسے زندگی نے اپنا اصل چہرہ دکھانا شروع کیا تو مجھے سمجھ آیا کہ مسکراتے ہوئے آنکھوں کا بھیگنا کیا ہوتا ہے..... اور کیوں ہوتا ہے۔ ابو کی بیماری کے دنوں میں سارا اسٹاف گھر آ جاتا کوشش کرتے مگر آنکھوں کی نمی نہیں چھپا پاتے۔ بڑا مشکل ہوتا ہے روز کسی کو قطرہ قطرہ پگھلتا

اختیارات والا کیوں نہ ہو اُس کو مرنا تو پڑتا ہی ہے۔ یہی حقیقت ہے وہ بھی چلے گئے اور میں تنہا رہ گئی۔ اللہ دشمن کو بھی باپ کے سائے سے محروم نہ کرے..... برسوں میں اُن راستوں پر جہاں ابو ساتھ ہوتے تھے جا کر دیکھتی تھی کہ ٹنڈ منڈ درخت ویسے ہی کھڑا ہے بھاری سا پتھر برسوں اسی جگہ پڑا رہا نہیں تھے تو میرے دوست میرے باپ جن کی زندگی جہد مسلسل تھی۔ کیا انسان اس جھاڑ جھنکار اور پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے کہ وہ زمین پر موجود رہتے ہیں

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کے موقع پر پروین شروانی ہمراہ سید صاحب (نصف بہتر)

دیکھنا..... ابو روز صبح دفتر آنے والوں سے اُن کی خیریت پوچھتے اب آواز فون پر بھی دھیمی ہو رہی تھی۔ مگر حسرت تھی کہ کاش پھر سے آفس جا سکوں۔ شیر گل ان کے سارے ذاتی کام کرتے تھے۔ بہت عزیز تھے انہیں شیر گل اور شیر گل نے بھی حق ادا کیا۔ کینسر بڑھتے بڑھتے سانس کی نالی تک آ گیا تھا غذا ان کے حلق سے نہ اترتی اور نوالے میرے گلے میں پھنس جاتے..... زندگی کی بے ثباتی پر اس روز یقین آیا جس دن ابو خاموشی سے دنیا چھوڑ گئے۔ مجھے آخر وقت تک یقین تھا کہ وہ ہمیں سکت دے دیں گے۔ وہ حالات سے لڑ کر جینے والے انسان تھے اور مجھے بھی یہی سکھایا مگر انسان کتنا طاقت ور' بنا پیسے والا اور انسان چلا جاتا ہے..... اور مجھے اپنے اس سوال کا جواب ہمیشہ ہاں ہی کی صورت ملا انسان تو سب سے کمزور ہے..... مگر مانتا نہیں۔ ابو نے اپنی محنت اور اپنی محبت دونوں میرے اندر اتار دی۔ وہ جنون وہ عشق جو انہیں دوشیزہ اور پھر سچی کہانیاں سے تھا مجھے ورثے میں ملا..... میں فریدہ مسرور اور غزالہ رشید کے ساتھ اس سفر پر نکل کھڑی ہوئی۔ جو وہ ادھورا چھوڑ گئے تھے۔ سلیم فاروقی مرحوم' ناصر رضا صاحب کا سچی جہان رضوانہ پرنس اور پرویز بلگرامی بھی اس سفر کا حصہ بنے رہے۔ دوشیزہ اور سچی کہانیاں تو تناور درخت تھے..... مگر دانیال زین بہت معصوم بہت چھوٹے' میری زندگی کا مقصد دوشیزہ کی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

چھاؤں میں اپنی اولاد کو پروان چڑھانا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی جن بچوں کو مارنے پر ابو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اُن کی تربیت میں کوئی کمی رہ جائے۔ زندگی کا سفر اکیلے ہی کاٹنا ہوتا ہے..... ہر شخص اپنی پیٹھ پر اپنا بوجھ لادے ہوئے ہے۔ میں بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہوں۔ آج اُن کا نواسہ یعنی تیسری نسل نے دفتر کی تقریباً ساری ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں..... لوگ کہتے ہیں مرزا صاحب آپ کے تو بیٹے نہیں کون سنبھالے گا یہ سب؟ کیوں کرتے ہیں اتنی محنت؟ تب وہ مسکرا کر خاموش ہو جاتے مگر ایک نظر مجھ پر ضرور ڈالتے اور مجھے لگتا جیسے اُن کی آنکھیں کہہ رہی ہیں مونی سنبھالے گی یہ میرا بیٹا ہے۔

ابو میں اعتراف کرتی ہوں ساری زندگی بھائی کی کمی بہت محسوس کی آپ کے جانے کے بعد بہت سال ڈرتی بھی رہی لڑتی بھی رہی ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی بھی رہی مگر اب نہیں..... بیٹیاں کمزور نہیں ہوتیں وہ والدین کے ورثے کو سنبھالنے کی اہل ہوتی ہیں۔ میں نے جو ابو سے سیکھا تھا وہ اِن کے شکرے کو لوٹا دیا ہے۔ دانیال کو منصفی کا شوق چرایا ہے وہ دن بھی میری زندگی کا بہترین دن ہوگا جس دن وہ عدالت میں یہ کرسی سنبھالے گا اور ایمان داری سے فیصلے کرے گا۔ مجھے یقین ہے اس دن میں ابو سے آنکھیں ملا سکوں گی۔ درحقیقت ان کے نواسوں کو اس قابل کر کے کہ وہ ابو کے ادارے کی باگ دوڑ پوری طاقت سے سنبھال سکیں میں نے ان کے زخمی پیروں پر پھائے رکھنے کی کوشش کی ہے اور اب میں ان سے آنکھیں چرانے نہیں بلکہ ملانے کے قابل ہوں جانتی ہوں یہ سفر یونہی جاری و ساری رہے گا۔ کیونکہ یہ دوشیزہ کا سفر ہے سچی کہانیاں کا سفر ہے جو کہنے کو تو دوشیزہ ہے مگر ہے سچی نڈر اس کی زندگی سخت جدوجہد لگاتار محنت ناکامیوں اور کامیابیوں سے مرقعہ ہے بھی تو ایک صدی کا سفر طے کر کے بھی دوشیزہ ہی ہے اور یہ سچ بھی ہے۔

آخر میں ان تمام لوگوں کا دل سے شکر ادا کرنا چاہتی

ہوں جو اس سفر کا حصہ تھے ہیں اور رہیں گے فہیم سے بڑے ہر رائٹر کی ممنون و مشکور ساتھ کے بغیر یہ سفر ممکن نہ تھا۔ میں ابن حسن بائنڈرز عکس فلم میکرز ممتاز صاحب مظہر آرٹ میں موجود ہر اُس شخص کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں نے ہمیشہ ادارے کا ساتھ دیا۔ حالانکہ دوشیزہ کا کافی مشکوک بنا دیتا ہے مگر یہ واحد دوشیزہ ہے ساتھ معتبر کرتا ہے۔

یہاں ایک مخدوم اینڈ کمپنی کا ذکر نہ کرنا ہوگی پہلے دوشیزہ کے شمارے سے لے کر اب تک ہمارے انکم ٹیکس ایڈوائزر ہیں..... مجھے اچھی طرح ہے کہ ابو انکم ٹیکس ریٹرن جمع کروانے مخدوم صاحب کے آفس جایا کرتے تھے اور میں نیچے گاڑی میں رہتی۔ اور PIDC سے مزے مزے کی چیزیں خرید کھاتی رہی آج بھی میں مخدوم انکل کے پاس جاتی ہوں اور وہ چٹکیوں میں میرے ہر مسئلے کا حل نکال ہیں۔ ابو نہیں ہیں مگر مخدوم فہیم انکل اُسی طرح میر اور ادارے کے ساتھ ہیں اس کے ساتھ میں یقیناً اُن کی بڑائی ہے۔

دوشیزہ کا سفر ایک صدی پر محیط ہے کچھ لوگوں ذکر کر سکی کچھ کے نام میری کوتاہ بینی کی وجہ سے رہ حقیقتاً اس سفر کو تحریر کرنا ایسے ہی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنا لہٰذا جن لوگوں کا ذکر میری تحریر میں نہیں میں ان سے معذرت خواہ ہوں وہ میری تحریر میں نہیں مگر میرے دل میں موجود ہیں اور جب سامنا ہوگا تب وہ یہ مان بھی جائیں گے..... میں اپنے پڑھنے والوں سے امید رکھتی ہوں کہ وہ اپنی قیمتی آرا سے مجھے ضرور نوازیں گے۔ یہ شعر آپ سب کی نظر

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پر داستانِ گلاب لکھنا

"سچی کہانیاں" اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ "سچی کہانیاں" اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر "سچی کہانیاں" ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی "سچی کہانیاں" ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے "سچی کہانیاں" کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ "سچی کہانیاں" اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0304-3168708

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

لاابالی بہتی

(پہلی قسط)

پُراسرار واقعات لیے ایک ہولناک تحریر..... پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ رات میں یہ کہانی نہ پڑھیں کیونکہ راکھشس کہانی سے نکل کر باہر آسکتا ہے

ثمینہ مشتاق

رات کے اس پہر سیتا کے نیم تاریک کمرے میں دیے کی مدھم لو آخری سانسیں لے رہی تھی سیتا کچھ دیر اپنے بستر پر بیٹھی اندھیرے کو گھورتی رہی اور پھر کسی ٹرانس میں چلتی ہوئی سامنے رکھے دیے کی جانب بڑھ گئی۔

تیز ہوا نے اس کے کالے لمبے بال بکھیر دیے تھے کچھ بال اس کے ماہ جبیں چہرے پر لہرانے لگے اس کا دوپٹہ بستر کے کونے میں اٹکا کسی فریادی کی صدا بن گیا جو سنی اَن سنی کر دی گئی ہو وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی دیے تک پہنچ گئی۔ دیے کی لو تیز ہواؤں کے تھپڑوں سے پہلے ہی قریب المرگ تھی سیتا کو اپنے قریب پا کر اور بھی سہم گئی سیتا نے بجھتے دیے کو اپنے نازک ہاتھوں میں تھام لیا اور اپنے چہرے کے قریب لے آئی' اس کی کالی آنکھیں دیے کی لو پر جمی ہوئی تھیں اس کا چہرہ دیے کی روشنی سے دمک رہا تھا اس نے دیے کے پس منظر کو نظر پھیر کے دیکھا' کمرے کی کھڑکی سے اماوس کی کالی رات جھانک رہی تھی' ایسا لگتا تھا اسے قریب اور قریب بلا رہی ہو۔

سیتا نے اپنے کمرے کی کشادہ کانچ کی کھڑکیوں کی جانب چلنا شروع کیا کھڑکی کے پردوں نے سرسراہٹ شروع کر دی ایسا لگتا تھا وہ اسے پہلے ہی آگے بڑھ کر تھام لینا چاہتے ہیں..... ہر چلمن ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگی ہوا بھی آج موج میں تھی وہ کبھی سیتا کے بالوں سے تو کبھی پردوں سے اٹکھیلیاں تک پہنچی' اچانک ایک کالی بلی کود کر کمرے کی کھڑکی میں آن بیٹھی اور اپنے پاؤں کی مخصوص حرکت سے اپنا چہرہ چاٹنے لگی وہ سیتا سے بالکل بے نیاز تھی' اس نے ایک بار بھی سیتا کی موجودگی پر اعتراض نہ کیا سیتا کی نظریں بلی پر جم گئیں۔

اچانک بلی کی حرکت تھم گئی..... اس نے لال انگارہ آنکھوں سے سیتا کی جانب دیکھا اور ایک ہی جست میں سیتا کو جا لیا۔ ایک دلخراش چیخ سیتا کے حلق سے نکلی اور دیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس ہی چیخ کے ساتھ سیتا کی آنکھ کھل گئی۔

سیتا گہری سانسیں لے رہی تھی اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا دھڑکن بے ترتیب تھی اس کا حلق خشک تھا اس نے اپنے اردگرد دیکھا صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

سیتا کا شوہر لاؤنج میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا سیتا نے جھٹکے سے چادر ایک طرف پھینکی اور بستر سے اٹھ گئی۔

''اجی سنتے ہو.....'' سیتا نے کندن کے پاس آ کر کہا۔ کندن نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر ہنکار بھری اور بدستور اخبار پڑھنے میں مصروف رہا۔

''ارے سنو نہ.....'' سیتا نے کندن کا اخبار لے کر ایک طرف رکھ دیا اور اس کے برابر صوفے پر آن بیٹھی۔

''میں نے کل رات سپنے میں پھر کالی بلی دیکھی جس نے لال آنکھوں سے مجھے دیکھا اور مجھ پر حملہ کیا' ڈر سے میری آنکھ کھل گئی۔'' سیتا نے تشویش سے کہا۔

کندن نے چشمے کے عقب سے سیتا کے چہرے کا جائزہ لیا اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے وہ بالکل مرجھائی ہوئی تھی کچھ عرصے سے اس کی صحت دن بہ دن گرتی ہی چلی جا رہی تھی وہ اکثر عجیب خدشات کا شکار رہتی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی اس سمجھانا کسی کے لیے بھی جوئے شیر لانا تھا۔ وہ کسی کی نہیں مانتی تھی۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کندن کبھی پیار تو کبھی غصے سے کئی بار سمجھا چکا تھا کہ خواب اور حقیقت کے فرق کو سمجھو اور اپنی زندگی میں زہر مت گھولو تکلیف اور پریشانیاں ایشور کی دی ہوئی ہیں۔

انسان کو دنیا میں آنے کے بعد دکھ اور سکھ دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر سیتا بضد تھی کہ نہیں اسے سچے خواب آتے ہیں اور خوابوں میں ہی ایشور اسے اشارہ دیتے ہیں کہ اس پر کسی بری شکتی نے قبضہ جمایا ہوا ہے جو نہ اسے جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے۔'' اس سوچ نے اس کی زندگی کا سکھ چین برباد کر دیا تھا اور آج بھی سیتا کا چہرہ گزشتہ رات کے خواب کی داستان سنا رہا تھا' کندن جانتا تھا کہ سیتا کی بات کو نظر انداز کرنا اسے مزید پریشان کر دے گا' کندن نے اپنا چشمہ اُتار کر سامنے میز پر رکھ دیا اور ساری توجہ سیتا پر مرکوز کر دی۔

''میں نے کل رات سپنے میں پھر کالی بلی دیکھی کندن۔'' سیتا نے پریشان انداز میں کہا۔

''یہ سب ایک برا سپنا تھا اور کچھ نہیں۔'' کندن نے سیتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اسے دلاسا دیا۔

''نہیں نہ کندن سیتا نے ضد کی تم سمجھتے کیوں نہیں ہو یہ اور کچھ نہیں بس کالا جادو ہے میں سچ کہہ رہی ہوں تم سے۔''

''میری حالت دیکھو دیکھو مجھے' کیا میں پہلے ایسی دکھتی تھی تمہیں؟'' سیتا نے کندن کی آنکھوں میں دیکھا۔

''دیکھو میرے بال.....'' سیتا نے اپنی چوٹی کندن کے آگے کر دی۔

''دیکھو کتنے کم ہو گئے ہیں میری چوٹی کے سارے بال جھڑ رہے ہیں' میرا روپ جل گیا ہے۔ میں بیمار رہنے لگی ہوں۔ ہر وقت تھکی تھکی رہتی ہوں۔ میں ایسے پاگل ہو جاؤں گی' کندن بڑے مندر کے سوامی جی سے بات کرو۔ میری کسی طرح سے جان چھڑا دیں اس بلا سے..... ورنہ تم دیکھنا کندن میں مر جاؤں گی یا پاگل ہو جاؤں گی رورو راتوں میں کبھی بلیاں کبھی وحشی کتے کبھی مکڑیاں کبھی چھپکلیاں دکھائی دیتی ہیں مجھے..... تم سوچو نہ روز ہی کیوں نظر آتی ہے مجھے.....'' سیتا نے کندن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''سیتا اگر تم اچھے وچار سے رات کو سوؤ گی تو اچھے سپنے آئیں گے۔'' کندن بیزار ہو کر کھڑا ہو گیا اس نے گھڑی دیکھی۔ صبح کے نو بج گئے تھے۔

''سیتا مجھے ناشتہ بنا دو آج بڑی ضروری میٹنگ ہے میری جب تک تیار ہو جاؤں میں۔'' سیتا کندن کو خالی نظروں سے جاتا دیکھتی رہی۔

ناشتے کی میز پر بھی سیتا اپنے خیالوں میں گم تھی کندن اس کی حرکات و سکنات چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا کندن کا ناشتہ لگا کر سیتا واپس کمرے میں جانے لگی تو کندن نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

''میرے ساتھ ناشتہ نہیں کرو گی؟'' کندن نے پیار سے پوچھا۔

''نہیں بیٹھنا.....'' سیتا نے ناپسندیدہ نظروں سے کندن کی جانب دیکھا۔

''نہیں تمہارے ساتھ ناشتہ نہیں کرنا مجھے۔'' سیتا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ کندن نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آؤ بیٹھو میرے ساتھ جب تک میں ناشتہ کرتا ہوں۔''

''نہیں.....'' سیتا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ

چھڑا لیا۔

''یہ جو جادوئی شکتی ہے مجھے تم سے دور کر رہی ہے۔'' اس کے لہجے میں بے چینی اور گھبراہٹ تھی سیتا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھی۔

کندن نے سیتا کو گلے لگا لیا' سیتا نے کسی ناپسندیدہ شے کی طرح کندن کو پیچھے دھکیلا جیسے کندن کے جسم سے گلے سڑے گوشت کی بو آ رہی ہو۔

''میرا دل نہیں چاہتا تم سے پیار کروں تم سے دلگی کروں۔'' کندن حیرت سے سیتا کو دیکھنے لگا۔ سیتا بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا کندن بت بنا کھڑا رہا۔

کندن کچھ دیر سیتا کے بند دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر ناشتہ کیے آفس چلا گیا۔ سیتا کافی دیر تک اپنے کمرے میں بند روتی رہی اور اپنی سوچوں میں گم رہی دروازے کی گھنٹی نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا سیتا مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک آئی درواہ کھولا تو سامنے کام والی بائی کھڑی تھی۔

''کیا بیگم صاب اتنی دیر سے دروازہ کھولا میں کب سے باہر کھڑی گھنٹی بجا بجا کے پاگل ہو گئی۔'' کام والی بائی نے اپنی کمر کے گرد بندھا ساڑھی کا پلو کھولا اور خود کو ہوا کرنے لگی۔

''بہت گرمی ہے باہر قسم سے دم نکل رہا ہے میرا۔'' سیتا نے کام والی بائی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا دروازہ بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ کام والی بائی بھی سیتا کے پیچھے اس کے کمرے میں آ کر بیزاری سے کھڑی ہو گئی۔

''آج بھی لگتا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے چہرہ ایک دم پھیکا پڑا ہے..... میں تو کہی ہوں یہ روز روز کی بیماری ٹھیک نہ ہے بیگم صاب آپ اپنی نظر اتروا ؤ بھگوان کا دیا سب کچھ تو ہے آپ کے پاس ہر پھر بھی آپ خس (خوشی) نہیں دکھتی۔''

''مجھے کسی کی نظر نہیں لگتی۔'' سیتا بستر پر لیٹ گئی اور چھت کو گھورنے لگی۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ کے سسرال والے جلتے ہیں آپ سے کندن بابو کی ترقی سے گاڑی یہ شانتی ولا اچھے کپڑے آپ اتنی سندر ہو' کیسے سہن (برداشت) کرتے ہوں گے آپ کے سسرال والے۔'' کام والی بائی سیتا کے قریب آ کر سرگوشی میں بولی۔

''میں تو کہتی ہوں آپ کسی سے اپنی نظر اتروائیں ایسے سندر پری جیسے مکھڑے کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔'' بائی کے چہرے پر ہمدردی تھی۔

سیتا نے اسے ایک نظر دیکھا اور صفائی کرنے کا کہا کام والی بائی جھاڑو اُٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ بائی کے جانے کے بعد سیتا اس کی کہی باتیں سوچتی رہی۔

''ہاں ٹھیک ہی تو ہے..... کتنا بوجھل رہتا ہے میرا من..... مجھے کسی پل چین نہیں ہے میرا دماغ سن رہتا ہے میں ٹھیک سے سو نہیں پاتی۔ وہ سب جلتے ہیں میرے سکھ سے وہ چاہتے ہیں مجھے کہیں چین نہ ملے۔'' کام والی بائی کام ختم کر کے جا چکی تھی۔ سیتا اب کام والی بائی کے چلے جانے کے بعد شانتی ولا میں تنہا ہوتی اور بس سارا دن خالی دیواروں کو تکا کرتی۔ سیتا کندن کے آنے تک شانتی ولا کی نچلی منزل میں ہی رہتی تھی نچلی منزل کے ہر کمرے کی لائٹ روشن رکھتی تھی بس اوپر والی منزل پر جانے کی اس کی ہمت نہ ہوتی پر آج جیسے ہی شام کا اندھیرا ہونے لگا تھا اور ایسا لگتا تھا اوپر والی منزل میں کسی کے گھر کا سامان لایا جا رہا ہے

http://www.books.urdufuture.net/
http://www.urdufuture.net/

ایسا لگتا تھا کہ گھر میں نئے مکین آرہے ہوں۔ مستقل سامان کے ادھر سے اُدھر ہونے کی آوازیں آرہی تھیں اور ساتھ ساتھ سیتا کی بے چینی بھی بڑھتی جارہی تھی۔ سیتا کی حالت عجیب ہوگئی اس کا سانس تیزی سے چلنے لگا۔ ہر آواز دماغ پر ہتھوڑا برسا رہی تھی۔ سیتا تیزی سے بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھ گئی اوپر بالکل اندھیرا تھا کالا سیاہ سامنے کا دروازہ کھلا تھا سیتا کی سانسیں بے ترتیب تھیں..... ماتھے پر خوف سے ٹھنڈے پسینے کی بوندیں ابھر آئیں سیتا کا حلق خشک تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندھیرے کو تک رہی تھی۔ سامان کی آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ سیتا نے دیوار کا سہارا لیا اور واپس جانے کے لیے پلٹی..... اچانک کچن میں رکھے واٹر ڈسپنسر سے پانی نکلنے کی آواز آئی۔

سیتا نے تڑپ تڑپ کر پھر اندھیرے کو گھورا۔ اب پانی کی آواز مستقل آرہی تھی سیتا گھر میں داخل ہوگئی اس نے ٹٹول ٹٹول کر کچن کی لائٹ روشن کی سامنے رکھے ڈسپنسر پہ لگی پانی کی بوتل سے پانی کم ہوتا نظر آرہا تھا اور ساتھ ہی غڑپ غڑپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیتا کی آنکھیں نفرت اور غصے سے پھیل گئیں۔

''کون ہو تم۔'' سیتا چلائی۔

''کون ہو تم؟'' مگر وہاں کوئی نہیں تھا سوائے پانی کی آواز کے.....

''میرے گھر میں کیوں پی رہی ہو پانی کیوں آئی ہو یہاں یہ میرا گھر ہے..... میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں کوئی بھی میری شانتی نہیں چھین سکتا کوئی بھی مجھے نہیں ڈرا سکتا.....'' سیتا زور زور سے چلا رہی تھی۔

''میں بددعا دیتی ہوں تمہیں تم بے چین رہو گی تم برباد ہوگی تم کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔'' سیتا مستقل چلا رہی تھی کمرے کی کھڑکی زور زور سے بجنے لگی سرد اور تیز ہوا کی یلغار کردینے والی آوازوں سے سیتا کے اعصاب شل ہونے لگے۔ بالائی منزل کا دروازہ اپنی پوری قوت سے بند ہوگیا۔

سیتا نے پوری قوت سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ لاک ہوگیا تھا۔ سیتا نے پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔

''دروازہ کھولو کوئی ہے مجھے باہر نکالو.....'' وہاں سیتا کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ سیتا تیزی سے پلٹی اور کمرے کی کھڑکی کے شیشے اپنی پوری قوت سے توڑ ڈالے سیتا کی ساری چوڑیاں بھی کانچ کے ساتھ ٹوٹ کر بکھر گئیں سیتا تیزی سے کھڑکی سے باہر نکل گئی اس کے ہاتھ بری طرح زخمی ہوچکے تھے۔ وہ نیچے اوپر نہیں دیکھ سکتی تھی کانٹا دس پر آیا تو سارا گھر گھڑی کی ٹن ٹن سے گونجنے لگا سیتا کی نظریں گھڑی پر جم گئیں باہر گھر کے لان میں گاڑی رکنے کی آواز آئی سیتا باہر کی جانب لپکی اور بھاگتی ہوئی کندن تک پہنچی کندن گاڑی سے نکل کر گاڑی کا دروازہ لاک کررہا تھا۔

''کندن.....'' اس نے سیتا کی گھبرائی ہوئی آواز پر پلٹ کر دیکھا سیتا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' کندن گھبرا گیا۔

''کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟'' کندن نے سیتا کے زخمی ہاتھ دیکھے تو مزید پریشان ہوگیا۔

''یہ..... یہ کس نے کیا یہ کیسے ہوا سیتا.....'' کندن نے سیتا کو بازوؤں سے تھام لیا۔

''نہیں..... میں ٹھیک نہیں ہوں کندن.....''

سیتا کندن کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

''آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ گی بھی تم.....'' کندن پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا' اس کی نظریں کبھی گھر کی جانب اٹھتی کبھی وہ سیتا کو دیکھتا اور معاملہ سمجھنے کی کوشش کرتا پر سیتا مسلسل رو رہی تھی ایسا لگتا تھا وہ بہت ڈری ہوئی ہے کندن کو شک ہونے لگا کہ گھر میں شاید کوئی چور گھس آیا ہے اس نے گھر کو مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کردیا اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ لان میں کھڑا رہے یا سیتا کو لے کر گھر کے اندر جائے۔

''کندن.....'' سیتا کی پھر گھبرائی ہوئی آواز کندن کی سماعتوں سے ٹکرائی' سیتا بے حد ڈری ہوئی تھی اس نے کندن کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا اس نے خوف زدہ نظروں سے کندن کو دیکھا۔

''گھر میں کوئی ہے۔''

''کون..... کون ہے گھر میں.....'' کندن نے گھبرا کر پوچھا اس کی نظریں پھر گھر کی جانب اٹھ گئیں۔

''وہ ہمارے گھر سے روز پانی پیتی ہے۔ کندن وہ روز پانی پیتی ہے۔'' سیتا کی حالت غیر تھی۔ اس کے خون سے رنگین ہاتھوں نے کندن کے کپڑے بھی رنگ دیے تھے۔

''وہ ایک راکھشس ہے وہ بال کھاتی ہے میرے بال پیتی ہے ہمارے گھر کا تم میرا وشواس کرو ایسا لگتا تھا زمین ہل رہی ہے کھڑکیاں ٹوٹ رہی تھیں اس کی آوازوں سے.....'' سیتا بول رہی تھی اور کندن حیران پریشان کھڑا تھا۔ سیتا اس کے لیے سوالیہ نشان بنتی جارہی تھی اس کی شادی کو پانچ سال ہوگئے تھے۔ ان پانچ سالوں میں کندن کو کبھی ایسے حالت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ شروع کے تین سالوں میں کندن کا چھوٹا بھائی اور ماں شانتی ولا میں کندن کے ساتھ رہے مگر پھر چھوٹے بھائی کی شادی کے ساتھ ہی کندن کی ماں چھوٹے بیٹے کے ساتھ دلی چلی گئیں اب دو سالوں سے کندن اور سیتا شانتی والا میں تنہا تھے۔ سیتا کو ڈراؤنے خواب آنا اور اس کے ساتھ یہ واقعات ان دو سالوں سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے تھے اور رفتہ رفتہ ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ کندن کلکتہ کی ایک بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں حصے دار تھا گھر میں روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی مگر ان حادثات نے دن رات کا چین چھین لیا تھا کندن سیتا سے بے حد محبت کرتا تھا مگر سیتا کی یہ حالت اب اس کے لیے پریشانی اور تشویش کا باعث بنتی جارہی تھی کندن نے سیتا کو اپنے پاس سمیٹ لیا۔

''تمہارا وہم ہے میری رانی.....'' کندن نے سیتا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں میرا وہم نہیں ہے تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے ہو یہ دیکھو میرے ہاتھ سیتا نے زخمی ہاتھ کندن کے سامنے پھیلا دیے۔

کندن نے اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''اچھا میرے ساتھ اندر چلو دھیرج (حوصلہ) رکھو کچھ نہیں ہے وہم ہے تمہارا۔'' کندن سیتا کو لے کر گھر کے اندر داخل ہوا گھر کی فضا نارمل تھی سارا گھر روشن تھا ٹی وی تیز آواز میں چل رہا تھا۔

کندن نے آگے بڑھ کر ٹی وی بند کردیا۔ سیتا اور کندن ہال کمرے میں کھڑے تھے۔

''سب ٹھیک ہے۔'' کندن مسکرایا۔ سیتا نے ڈری ڈری نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ کندن نے آگے بڑھ کر سیتا کے ہاتھ تھام لیے۔

''آؤ ہاتھوں پر مرہم لگادوں۔'' کندن جب

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تک اس کے ہاتھوں کی پٹی کرتا رہا سیتا اُسے اُلجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔

''تم سو جاؤ سیتا.....'' کندن ٹیبل لیمپ بند کرنے لگا تو سیتا چلائی۔

''لائٹ نہ بند کرنا.....''

''مگر کیوں تم روشنی میں سو نہیں سکو گی۔'' کندن نے اُلجھ کر کہا۔

''کندن مجھے ڈر لگتا ہے ہمارے گھر پر بری آتماؤں کا سایہ ہے وہ مجھے رات میں ڈراتی ہیں میں نے ایک بار سنا تھا کہ بری آتمائیں روشنی سے ڈرتی ہیں تم لیمپ جلا رہنے دو۔'' کندن حیران تھا کہ سیتا جیسی پڑھی لکھی لڑکی کیسے ان باتوں پر یقین رکھ سکتی ہے اس نے سیتا کے زخمی ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیے۔

''رانی تم ایسی باتیں مت سوچو ہم ایسی باتوں پر وشواس نہیں رکھتے تم بھی اپنے گمان سے ایسی باتوں کو نکال دو اور سکون سے سو جاؤ کچھ برا نظر نہیں آئے گا وشواس رکھو۔'' کندن نے سیتا کو بازوؤں سے پکڑ کر لیٹا دیا۔

''سو جاؤ سیتا گڈ نائٹ.....'' اور لیمپ بھی جلنے دیا محض سیتا کی تسلی کے لیے صبح کندن کی آنکھ کھلی تو سیتا گہری نیند میں تھی لیمپ ابھی تک روشن تھا کندن نے مسکرا کر سیتا کو دیکھا اور اٹھ کر لیمپ بند کر دیا پھر لان میں چہل قدمی کے لیے چلا گیا۔

اسے ٹہلتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک اس کی نظر لان کی جانب کھلنے والے دروازے پر پڑی سیتا وحشت کے عالم میں دروازے پر کھڑی تھی کندن کے قدم وہیں رک گئے۔

☆.....☆.....☆

سیتا کے لمبے کالے بال بکھرے ہوئے تھے وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں کچھ دیر کے لیے [illegible] الفاظ اس کے حلق میں ہی پھنس [illegible] روپ اس کے لیے نیا تھا بے شک [illegible] پیار تھی دونوں یونیورسٹی میں ساتھ پڑ [illegible] تب سیتا کتنی شوخ و چنچل ہوا کرتی تھی [illegible] کے گن گاتا تھا مگر سیتا کا یہ روپ کندن حیران کن تھا۔ کندن ابھی ٹھیک طرح نہیں پا رہا کہ سیتا کی گرج دار آواز سنائی [illegible] ''لیمپ تم نے بند کیا تھا کندن'' لہجے میں غصہ اور نفرت تھی کندن ششدر [illegible] کے الفاظ بمشکل اس کی زبان سے ادا ہو [illegible] ''سیتا کیا ہوا ہے تم کو تم ٹھیک تو ہو۔'' ''مجھے بس اتنا بتاؤ لیمپ تم نے بند کیا تھا'' سیتا چند قدم چل کر کندن کے سر پر پہنچ گئی [illegible] مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے وہ انتہائی نفرت اور غصے [illegible] پر نظریں گاڑے ہوئی تھی۔

''ہاں..... میں نے ہی صبح تمہارے [illegible] رکھے ٹیبل لیمپ کو بند کیا تھا۔'' کندن اٹک کر جواب دیا۔ سیتا نے ایک فلک [illegible] قہقہہ بلند کیا اور اپنی بند مٹھی کندن کے آگے [illegible] دی۔

''یہ لو.....'' کندن نے بے یقینی [illegible] بند مٹھی کی جانب دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟'' کندن حیران و پریشان [illegible] تھا۔

سیتا نے آہستہ آہستہ اپنی مٹھی کھولی [illegible] آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں سیتا کی [illegible] سیاہ بالوں سے بھری ہوئی تھی کالے [illegible] ہوئے بال.....

''یہ..... یہ کیا ہے؟'' کندن نے [illegible]

سیتا کو دیکھا۔ سیتا نے کچھ کہے بنا اپنی انگلی گھر کی [illegible] اب اٹھا دی۔

''وہ دیکھو..... کیا تم کو دکھائی نہیں رہی وہ۔''

کندن کی نظریں سیتا کا اشارے کے تعاقب میں گھر کی جانب اٹھ گئیں۔ پر وہاں کچھ نظر نہ آیا کندن نے اُلجھی نظروں سے سیتا کو دیکھا' سیتا [illegible] بنی کھڑی تھی اس کی نظریں گھر پر جمی ہوئی تھیں [illegible] جذبات سے عاری تھا۔

کون ہے وہاں سیتا وہاں تو کوئی نہیں ہے۔'' کندن نے جھلا کر کہا۔

''وہ دیکھو..... وہ سنو وہ آوازیں وہ بجا رہی ہے گھنٹیاں.....'' سیتا نے اپنے دونوں کان [illegible] کی پوری طاقت سے بند کر لیے۔

''وہ دیکھو کندن وہ کھڑی ہے سامنے اس کے پورے سر پر میرے بال لپٹے ہیں دیکھو اسے [illegible] ہمیں دیکھ رہی ہے مسلسل گھنٹی بجا رہی ہے دیکھو [illegible] کا سفید شریر (جسم)..... سیتا بہت تکلیف [illegible] تھی وہ دونوں کان بند کیے لان کے فرش پر [illegible] دھی ہو کر بیٹھ گئی کندن ابھی بھی سراسیمہ تھا [illegible] کیونکہ اسے ابھی تک کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔

''سیتا وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔'' کندن اب [illegible] یقینی سے کبھی سیتا کو دیکھتا تو کبھی گھر کو.....

''تم کو کیوں نہیں ہے یقین.....'' سیتا ایک [illegible] چلا کر کہتی ہوئی۔

''جا کر دیکھو میرے کمرے میں ہر جگہ میرے [illegible] پر اس راکھشس کے بال بکھرے پڑے [illegible]۔'' کندن کے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا [illegible] مشکل تھا وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیتا کے [illegible] کمرے میں پہنچا مگر وہاں کچھ نہ تھا' کمرہ ویسا ہی [illegible] تھا جیسا وہ صبح چھوڑ کر گیا تھا البتہ لیمپ روشن [illegible] سیتا بھی کندن کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔

''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے سیتا۔'' کندن نے جھلا کر کہا۔

''وہ تو یہیں رہتی ہے۔'' سیتا مسکرائی۔

''وہ کبھی اپنا سر دھڑ سے جدا کرتی ہے تو کبھی واپس لگا لیتی ہے کبھی بستر پر بیٹھتی ہے تو کبھی صوفے پر اس کے ساتھ بلیاں ہیں بہت ساری بہت سارے سانپ ہیں ہر روز میرے سرہانے کالے بال بکھرے ہوتے ہیں دیکھو نا یہ بال.....'' سیتا نے پھر بالوں سے بھری مٹھی کندن کے آگے کر دی۔ گھڑی نے آٹھ کا گھنٹہ بجایا کندن کی نظریں گھڑی کی جانب اٹھ گئیں۔

''ہے بھگوان.....'' کندن نے سر پکڑ لیا

''آٹھ بجے گئے ہیں آج میری ضروری میٹنگ ہے اور میں ابھی تک یہاں کھڑا تمہارے مسئلے سلجھا رہا ہوں سیتا پلیز میں ان باتوں سے تنگ آ گیا ہوں میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا آخر تم کو ہو کیا گیا ہے میں ان راکھشس اور آتماؤں پر وشواس نہیں رکھتا.....'' کندن کمرے سے جانے لگا تو سیتا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''کندن تم کیا چاہتے ہو میں پاگل ہو جاؤں اور شانتی والا کی دیواروں سے سر ٹکراتی رہوں میں تو خود اس عذاب سے مکتی (نجات) چاہتی ہوں میری مدد کرو کندن.....'' سیتا نے التجا کی کندن ایک سرد آہ بھر کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''تم کیا چاہتی ہو سیتا.....'' کندن نے سیتا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے سیتا کندن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''کندن میں چاہتی ہوں کہ تم بڑے مندر کے سوامی جی سے ملو اُن کے پاس ضرور اِس بلا کا

http://www.bookstube.net/
http://www.urdutube.net/

توڑ ہوگا پلیز کندن میری مدد کرو۔'' سیتا کندن کی گود میں سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگی کندن نے پیار سے سیتا کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''سیتا.....''

کندن نے سیتا کا آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تم چنتا (فکر) نہ کرو میں تمہیں آج ہی بڑے مندر لے چلوں گا' بھگوان سب بہتر کریں گے۔'' کندن نے سیتا کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''ماہ رانی مجھے جانا ہے۔'' اور آج بھی کندن بنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا سیتا اپنے خیالوں میں گم رہی اور بے چینی سے کندن کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔ رات جیسے ہی کندن کی گاڑی پورچ میں آ کر رُکی سیتا بھاگتی ہوئی لان میں آ گئی۔ کندن گاڑی سے اتر رہا تھا سیتا بڑے بڑے قدم لیتی کندن تک پہنچ گئی۔

''چلیں کندن؟'' کندن نے سیتا کو حیرت سے دیکھا۔

''کہاں؟''

''ارے بڑے مندر سوامی جی کے پاس اور کہاں.....'' سیتا نے جواب دیا۔

''سیتا گھر میں تو آنے دو یہ کیا طریقہ ہے..... چلتے ہیں پہلے میں فریش تو ہو جاؤں۔''

''نہیں کندن ابھی چلنا ہوگا فوراً میں مزید انتظار نہیں کر سکتی تم نہیں جانتے اس چڑیل کو وہ ہمیں کسی مصیبت میں ڈال دے گی اور مندر نہیں جانے دے گی کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جائے گا۔'' سیتا نے کندن کو واپس گاڑی کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا۔

کندن سارا دن سیتا کے بارے میں ہی سوچتا رہا تھا کہ وہ سیتا کی باتوں پر یقین کرے یا نہ کرے آخر کرے تو کیا کرے کندن نے فیصلہ کیا کہ وہ سیتا کی تسلی کے لیے اسے ضرور بڑے مندر لے جائے گا کیا پتا بھگوان کرپا کر دیں یہ سوچ کر کندن واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کندن کی گاڑی کالی ماں کے بڑے مندر کی جانب رواں دواں تھی۔ کالی ماں کا یہ مندر دو سو سال پرانا تھا اور پورے کلکتہ سے لوگ یہاں اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے آتے تھے..... اس مندر سے طرح طرح کی ہزاروں عجیب و غریب کہانیاں جڑی تھیں یہ مندر کالی ماں کے ماننے والوں کے لیے بڑا مقدس تھا جیسے جیسے مندر قریب آ رہا تھا سیتا کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی اس کی زبان سے گیا کا جاپ زور پکڑ رہا تھا وہ سر دھن رہی تھی اور سیتا کی یہ حالت کندن کے لیے گھبراہٹ کا باعث بن رہی تھی وہ بار بار سر دھنتی سیتا کو دیکھتا اس کے لیے سڑک پر دوڑتی گاڑیوں پر توجہ قائم رکھنا مشکل تھا۔ مندر کی پرانی عمارت دکھائی دینے لگی تھی جو رات میں ایک پُراسرار منظر پیش کر رہی تھی مندر کی دیواریں بھی کالے پتھر کی بنی ہوئی تھیں اور دیواروں پر کالی کی آنکھوں کی سی وحشت تھی یہ مندر کالی ماں کے وجود کی طرح سیاہ تھا کندن نے مندر کے قریب گاڑی روک دی سیتا کے بال بکھرے ہوئے اور سر نیچے کی جانب تھا وہ ساکت تھی۔

''سیتا ہم آ گئے ہیں۔'' کندن نے سیتا کا بازو ہلایا سیتا نے ایک جھٹکے سے کندن کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا کندن پر خوف طاری ہونے لگا۔

''سیتا تم ٹھیک تو ہو نہ۔'' سیتا کے ہونٹ خشک تھے ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں سے پیاسے ہوں کی بنجر زمین کی طرح سیتا کے ہونٹ بھی قحط زدہ

کندن گاڑی سے اتر کر سیتا کی جانب آ گیا اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور سیتا کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا سیتا کندن کی بانہوں کے سہارے کھڑی ہو گئی سیتا کی لال ساڑھی کا پلو تیز ہوا میں لہرانے لگا اور بال اڑ اڑ کر سیتا کے چہرے پر بکھرنے لگے سیتا کو سخت سردی لگنا شروع ہو گئی اس نے کانپنا شروع کر دیا وہ نڈھال تھی ایسا لگتا تھا کسی نے اس کی روح قبض کر لی ہو ایک ایک قدم اٹھانا اس کے لیے محال تھا۔

''سیتا.....'' کندن نے سیتا کا چہرہ اوپر اٹھایا وہ کسی معصوم بچے کی طرح کندن کے سینے سے لگ کر چل رہی تھی۔

''ہمت کرو سیتا مندر چڑھائی پر ہے اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا ہے۔'' کندن پریشان اور دکھی تھا۔

''یہ راکھشس مجھ پر حاوی ہے کندن یہ مجھے مندر کے درشن نہیں کرنے دے گا۔'' سیتا کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔

''ہمت کرو سیتا مندر کی سیڑھیاں قریب ہی ہیں۔'' کندن نے سیتا کی ہمت بندھائی آج کی رات بھی کالی تھی کندن نے ایک ہاتھ میں ٹارچ پکڑی ہوئی تھی تاکہ اندھیرے میں راستہ دکھائی دے سکے اور ایک ہاتھ سے سیتا کو تھاما ہوا تھا سیتا سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی مندر کی سترہ سیڑھیاں تھیں یہ مندر ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا کندن نے سیتا کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کندن بہت احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا سیتا اپنے پورے وجود سے کندن پر منحصر تھی کندن کا پاؤں ذرا بھی لڑکھڑاتا تو دونوں کو شدید چوٹیں آ سکتی تھیں کیونکہ مندر کی سیڑھیاں کافی پرانے طرز کی تھیں سیڑھیوں کے بس آثار تھے ایسا لگتا تھا بڑی بڑی اینٹیں ہیں جنہیں ملا کر رکھ دیا گیا ہو آخری سیڑھی تک آتے آتے سیتا بری طرح ہانپنے لگی تھی اتنی تیز ہوا اور سردی میں بھی کندن پسینے سے بھیگ رہا تھا اس نے سیتا کو مندر کی آخری سیڑھی پر بٹھا دیا سیتا کا حال برا تھا..... لگتا تھا بس ابھی بے ہوش جائے گی۔

''مجھے پانی چاہیے۔'' سیتا نے کمزور لہجے میں کہا۔

''اب یہاں پانی کہاں ہوگا۔'' کندن نے پریشان ہو کر کہا۔

''ہو سکتا ہے مندر کے اندر پانی مل جائے تم ہمت کرو سیتا پجاری جی کے پاس یقیناً پانی مل جائے گا۔'' کندن نے سیتا کو سہارا دے کر اٹھانا چاہا پر سیتا نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''مجھ میں بالکل ہمت نہیں کے چل سکوں میں میرے پاؤں برف ہو گئے ہیں۔'' سیتا نے چلنے سے انکار کر دیا۔ ہوا اپنے زوروں پر تھی اب تو بادل بھی گرجنے لگے تھے۔

''لگتا ہے برسات ہونے والی ہے۔'' کندن نے موسم کے بدلتے تیور دیکھ کر کہا۔

سیتا کندن کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''کندن.....'' اس کے پیاس سے سکڑے ہوئے ہونٹوں سے بمشکل نکلا اور اس کی گرفت کندن کی ٹانگوں پر ڈھیلی ہونا شروع ہو گئی کندن نے سیتا کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔

''سیتا تمہیں کیا ہو رہا ہے میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔'' کندن نے مندر کی جانب چلنا شروع کر دیا مندر کا دروازہ کھلا تھا اور اس سے پھوٹنے والی پیلی روشنی سامنے کے آنگن کو جگمگا رہی تھی بس وہی ایک دروازہ روشن تھا باقی ہر طرف کالے سیاہ

http://www.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اندھیرے کا راج تھا کندن سیتا کو لیے مندر کے دروازے میں کھڑا تھا مندر کے اندر ہر شے روشن تھی مندر کی گھنٹیاں تیز ہوا کے دوش پر جھوم رہی تھیں۔ سامنے کالی کی مورتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی کالی کے چرنوں میں اتاری گئی آرتھی کی لو سے ابھی بھی دھواں اٹھ رہا تھا اور مورتی پر برسائے جانے والے پھول کالی کے چرنوں کا بوسہ لے رہے تھے کندن اجنبی نظروں سے مندر کا جائزہ لے رہا تھا سیتا کو اس نے بازوؤں پر اٹھایا ہوا تھا جو رفتہ رفتہ ہوش میں غافل ہوتی جا رہی تھی۔

''کون ہو تم کیا چاہیے۔'' اچانک ایک گرج دار آواز کندن کے کانوں سے ٹکرائی کندن نے مڑ کر دیکھا تو پیلی چادر اور تہہ بند پہنے ایک ہاتھ میں اعصا لیے دو بڑی کالی آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

میں اور میری پتنی مشکل میں ہیں ہمیں آپ کی مدد چاہیے۔'' کندن کی حالت بھی ابتر تھی۔

''اندر آجاؤ۔'' ان کالی بڑی آنکھوں سے آواز آئی اور وہ تیزی سے مندر میں داخل ہوگئیں کندن بھی ان کے پیچھے اندر آ گیا۔ مندر چراغوں سے روشن تھا سارے مندر میں گھی کی سوندھی خوشبو پھیلی تھی ان کالی بڑی آنکھوں نے کالی کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔

''جے کالی کلکتے والی.....'' ایک فلک شگاف نعرا بلند ہوا اور مندر کے باقی پجاریوں نے بھی اس نعرے میں کالی بڑی آنکھوں کا ساتھ دیا پورا مندر اس نعرے سے گونج اٹھا وہ کالی بڑی آنکھیں پھر کندن پہ جم گئیں۔

''تیری۔'' کندن نے سیتا کو مندر کے فرش پر بٹھا دیا سیتا گھبرائی ہوئی آنکھوں سے مندر اور کالی بڑی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں بہت مشکل میں ہوں اور میری پتنی ایک عجیب دھودہ (پریشانی) کا شکار ہیں مجھے مندر کے بڑے پجاری جی سے ملنا ہے۔'' کالی بڑی آنکھوں سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''تو مورکھ (بے وقوف) ہے تیری ظاہری آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو تیرے سامنے ہے تو تیرے باطن کی آنکھ کیا دیکھ پائے گی جا چلا جا یہاں سے۔'' کالی بڑی آنکھیں جلال میں آگئیں۔

''ایسا نہ بولیں سوامی جی.....'' کندن نے آگے بڑھ کے بڑی آنکھوں کے پاؤں پکڑ لیے۔

''میں یہاں بڑی آشا لے کر آیا ہوں آپ کالی کے بھگت ہیں مجھے نراش (مایوس) کر سکتے ہیں کالی کے مندر میں جو شرن (پناہ) لینے آئے کالی اسے نراش نہیں لوٹاتی۔'' کالی بڑی آنکھوں نے کندن کو گھور کر دیکھا۔

'کیا نیت ہے تیری کیا چاہتا ہے؟'' کالی بڑی آنکھوں نے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ میری پتنی سیتا ہے پچھلے دو سالوں سے میری پتنی کو طرح طرح کے ڈراؤنے سپنے آتے ہیں جن میں وہ سانپ مگڑیاں وحشی کتے دیکھتی ہے اسے ایک راکھشس بھی دکھائی دیتا ہے جس کے پاس کالی بلیاں ہیں اس کے منہ پر ہر جگہ بال لپٹے ہیں..... یہ سب صرف میری پتنی کو دکھائی دیتا ہے سوامی جی میں نے کبھی اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی نہ میں ان باتوں پر وشواس (یقین) رکھتا ہوں۔ پر میری پتنی ان واقعات کی وجہ سے گم صم رہتی ہے اپنے ہی وچاروں (خیالوں) میں گھری رہتی ہے۔ کالی بڑی آنکھیں سیتا پر مرکوز ہوگئیں انہوں نے اپنا ہاتھ سیتا کے سر پر رکھ دیا سیتا نے آنکھیں بند کر لیں کالی بڑی آنکھیں کچھ دیر بند رہیں اور پھر پورے جلال کے ساتھ کھل گئیں سوامی جی کے وجود پر لرزہ طاری تھا مندر کی گھنٹیوں کی آواز سے پورے ماحول میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا تھا سوامی جی کے ہاتھ میں سیتا کا ایک ٹوٹا ہوا بال تھا وہ اپنے پورے وجود سے کانپ رہے تھے سیتا اور کندن ان کے سامنے ہیبت زدہ بیٹھے تھے ان کالی بڑی آنکھوں نے پوتر پانی کا کاسہ منگوایا اور اس پانی میں سیتا کا توڑا ہوا بال ڈال دیا بال کاسے کے پانی میں ڈوب گیا کالی بڑی آنکھیں گہرے دھیان میں گم ہوگئیں مندر کی گھنٹیوں کی جل ترنگ اور پجاریوں کے جاپ نے ماحول کو عجب پُراسرار بنا رکھا تھا کندن اور سیتا کے سامنے کالی کی قد آور سونے سے بنی مورتی رکھی تھی اس کی لال زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اور انگارہ لال آنکھیں لگتا تھا سیتا اور کندن پہ جمی ہوئی ہیں کالی بڑی آنکھیں اپنا جاپ ختم کر چکی تھیں انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوتر تیل منگوایا اور پوتر جل کی سطح پر انڈیل دیا جس میں سیتا کا بال ڈوبا ہوا تھا سیتا اور کندن سارا منظر حیرت اور تجسس سے دیکھ رہے تھے پوتر تیل نے رفتہ رفتہ ایک آنکھ کی شبیہ اختیار کر لی' کالی بڑی آنکھیں ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کا جاپ زور پکڑ گیا جاپ ہوتا رہا مندر کی گھنٹیاں بجتی رہیں اور ماحول پر اسیمگی چھائی رہی کچھ دیر بعد تیل کی سطح سے آنکھ کی شبیہ غائب ہوگئی کالی بڑی آنکھیں وجد سے باہر آگئیں سیتا اور کندن ابھی بھی حیرت زدہ کالی کے سامنے بیٹھے تھے

''جا چلا جا تیرا کام ہوگیا ہے کوئی بری آتما تیری پتنی کو تنگ نہیں کرے گی یہ پوتر کر دی گئی ہے۔'' کندن ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''سوامی جی میں آپ کا بہت ابھاری (شکر گزار) ہوں مگر میری ایک بنتی (التجا) ہے۔'' کندن کالی بڑی آنکھوں کے سامنے ادب سے جھک گیا۔

''اب کیا نیت ہے تیری کالی کسی کو نراش نہیں کرتی جو بھی اچھی نیت لے کر آیا سپھل (کامیاب) ہو کر گیا کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹا۔''

''سوامی جی میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر میری پتنی پر یہ بری شکتی کہاں سے آئی کس نے سیتا کو اپنے وش (بس) میں کر رکھا تھا۔'' کندن کی بات ختم ہوئی تو ایک فلک شگاف قہقہہ پھر بلند ہوا۔

''مندر سے باہر چلا جا مورکھ جب بھوجن کا وقت ہو تو اور کوئی سوال نہیں کرتے کالی بڑی آنکھیں کالی ماں کے سامنے جھک گئیں۔

''بھوجن (کھانا) کر کے جانا کندن مایوس ہو کر سیتا کی جانب مڑا اس نے ہاتھ کا سہارا دے کر سیتا کو اٹھایا اور مندر سے باہر جانے لگا۔

''روک جا.....'' کالی بڑی آنکھوں کی کرخت آواز پھر سے کندن کے کانوں سے ٹکرائی۔

مندر کے تالاب میں اشنان (نہانا) کرنا نہ بھولنا تیرے سوالوں کے جواب مل جائیں گے اب چلا جا۔'' سیتا اور کندن نے ادب سے سوامی جی کو پرنام کیا اور مندر سے باہر نکل کر تالاب کی جانب آ گئے اندھیری رات اب سمٹنے لگی تھی کبھی کبھی چاند کسی بدلی سے نمودار ہو کر اپنی جھلک دکھاتا اور پھر کسی بدلی میں گم ہو جاتا چاند کی مدھم روشنی میں مندر کے تالاب کا پانی پُراسرار خاموشی

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

وسحر انگیز منظر پیش کر رہا تھا چاند کا عکس جب بھی تالاب میں دکھائی دیتا ایسا لگتا چاند تالاب کی تہہ سے نکل کر واپس تالاب میں غوطہ زن ہو گیا ہو تالاب زیادہ بڑا نہ تھا مثلث میں بنے اس تالاب تک مندر کی سات سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا تھا تالاب کے چاروں جانب کالے رنگ کی جالی لگی تھی اور اس جالی کے ساتھ ہی ایک طرف پیپل کے درخت پر بہت سے پیلے ہرے لال دھاگے بندھے تھے۔ سیتا کندن کا ہاتھ پکڑ کر تالاب کی سیڑھیاں اترنے لگی جو تالاب تک جاتی تھیں۔ تالاب کی آخری سیڑھی پر مندر کے پجاری نے سیتا کا ہاتھ تھام لیا۔

''بالک (بیٹا) جو بھی تمہاری منت ہے اس کا دل میں ارادہ کرلو اور سچے من سے پرارتھنا کرو۔'' پجاری نے نرم لہجے میں کہا اور سیتا کے ساتھ تالاب کی جانب بڑھنے لگا۔ سیتا نے کندن کی جانب دیکھا اس کی نظروں میں خوف بھی تھا اور امید بھی کندن نے سیتا کا دوسرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور دونوں پجاری کے ساتھ تالاب میں اتر گئے تالاب زیادہ گہرا نہ تھا مگر سرد موسم کے باعث پانی کافی ٹھنڈا ہو چکا تھا پھر بھی سیتا کو اشنان کروانا ضروری تھا تالاب کے وسط میں آ کر پجاری نے اپنا دایاں ہاتھ سیتا کے سر پر رکھا اور منتر کا ورد کرنے لگا اور آہستہ آہستہ اس نے سیتا کو نیچے کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا سیتا نے سانس روک لی اور سر تک پانی میں ڈوب گئی پجاری کا ہاتھ ابھی بھی سیتا کے سر پر تھا اور منتر کا ورد جاری تھا چند لمحوں بعد سیتا نے تیزی سے سر باہر نکالا اور سانسیں بحال کیں پجاری نے بھی ورد بند کر دیا اور سیتا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا کندن نے سیتا کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا پجاری نے دونوں کو تالاب سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا پھر سے اپنے مخصوص منتر کا ورد کرنے لگا سیتا اور کندن واپس تالاب کی سیڑھیوں پر پہنچ کر پجاری کو تجسس سے دیکھنے لگے پجاری مخصوص ورد میں مصروف تھا سر ہوائیں سامنے پیپل کے درخت سے پاگلوں کی طرح ٹکرا رہی تھیں ایسا لگتا تھا جانے کیا ہونے والا ہے کچھ ایسا جو ہر چیز کو تہس نہس کر دے گا پیپل کے درخت تلے رکھے چراغ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے۔

درخت کے بندھے دھاگے آپس میں الجھ رہے تھے اس سکوت میں پجاری نے اپنے دونوں ہاتھ تالاب کی سطح پر زور سے مارے تالاب میں زبردست ارتعاش پیدا ہوا لہریں بنے لگیں اور تالاب کے چاروں کناروں سے ٹکرانے لگیں پاگل ہوا اور پانی کی لہروں کی دیوانہ وار ہلچل نے ماحول کو مزید پُراسرار بنا دیا سیتا نے گھبرا کر کندن کے سینے میں سر چھپا لیا پجاری بھی تیزی کے ساتھ تالاب سے باہر نکل آیا اور سیتا اور کندن کو تالاب کے سب سے پہلی سیڑھی پر چلے جانے کا اشارہ کیا تالاب کی پہلی سیڑھی پر پہنچ کر جب سیتا اور کندن نے تالاب کی جانب دیکھا تو دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی تالاب جو منظر پیش کر رہا تھا وہ دونوں کے لیے ناقابل یقین تھا۔

☆.....☆.....☆

تالاب کی سطح پر سیتا کا عکس ابھر آیا تھا سیتا اور کندن کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلی ہوئی تھیں یہ منظر کچھ دیر ساکت رہا پھر سیتا کی شبیہ تالاب کی لہروں میں گم ہو گئی کندن نے حیرت اور تجسس سے پجاری کی جانب دیکھا جو ابھی بھی تالاب پر نظریں گاڑھے کھڑا تھا۔

''یہ..... یہ..... کیا تھا پجاری جی۔'' کندن

نے اُلجھ کر پوچھا۔

''یہ تیرے سوال کا جواب تھا بالک (بیٹا)۔''

''کون سا سوال۔'' کندن مزید اُلجھ گیا۔ وہ عجیب سی گھبراہٹ کا شکار تھا اس پجاری سیتا اور کندن کے قریب آ گیا اور نرم لہجے میں کہا۔

''تیری پتنی کسی بری آتما کے وش (قبضے) میں نہیں ہے کیول (صرف) یہ خود اپنی اشانتی (بے سکونی) کا کارن (وجہ) ہے۔

اس پر کسی نے جادو نہیں کیا اور اب یہ بری نظر سے بھی مکت (آزاد) کر دی گئی ہے اس کی اشانتی دور ہو جائے گی اس کو گھر لے جائے' مگر یہ عکس جو تالاب پہ بنا تھا؟ یہ کیا تھا کندن ابھی بھی اُلجھا ہوا تھا۔

یہ تالاب اس شکتی (طاقت) کا عکس دکھاتا ہے جو کسی منش (انسان) کو تنگ کر رہی ہو اور یہاں تیری پتنی کا ہی عکس نظر آیا اس کا یہی مطلب ہے کہ بری آتما کا کوئی وجود نہیں (لیکن) یہ خود ہی اپنے لیے برے وچار (خیال) رکھتی ہے۔

پجاری نے وضاحت کی سیتا اور کندن حیرت سے پجاری کو دیکھنے لگے پجاری ان دونوں کو حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا ہوا اب بھی تیز و سرد تھی سیتا اور کندن بری طرح بھیگے ہوئے تھے۔ سیتا سردی سے کانپ رہی تھی کندن فوراً ہی گھر کی جانب روانہ ہو گیا سیتا اور کندن کا سارا سفر خاموشی میں کٹا صبح کی لالی نظر آنے لگی تھی گھر آ کر بھی سیتا خاموش رہی اس نے کپڑے بدلے اور سو گئی کندن کافی دیر تک گزشتہ رات کے بارے میں سوچتا رہا اس نے سگریٹ سلگائی اور سیتا کے سونے کے بعد اسٹڈی روم میں چلا گیا اس کے ذہن میں محض گزشتہ رات ہونے والی تمام باتیں کسی فلم کی طرح چلنے لگیں اور پجاری کے الفاظ اس کے دماغ میں دھماکے کرنے لگے۔

''کارن سیتا ہے۔'' اس نے اُلجھ کر آنکھیں بند کر لیں

''کارن سیتا کا کیا مطلب؟'' اس کی کچھ سمجھ نہ آیا اس نے کمرے میں بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا اچانک اسے احساس ہوا کے کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے جو گہری نظروں سے اسے گھور رہا ہے اس نے اسٹڈی روم کے دروازے کی جانب دیکھا سفید شب خوابی کے لباس میں کمرے کے دروازے پر کھڑی سیتا اس پر نظریں گاڑھے تھی۔ کندن نے گھبرا کے سیتا سے پوچھا۔

'کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟'' کندن سیتا کے پاس آنے لگا تو سیتا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور ہی روک دیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو وہ اتنی آسانی سے میری جان چھوڑ دے گی؟''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' کندن نے پریشان ہو کر کہا۔ وہ بری آتما ساتھ لے کر ہی جائے گی مجھے.....

''دیکھو اس نے لان کے سارے گلاب اجاڑ دیے ہیں ہر پودا مرگیا ہے میری کیاری کا وہ راکھشس لے جائے گا مجھے۔''

''اب کون راکھشس سیتا اب تو سب ٹھیک ہے ہم بڑے مندر سے رات ہی تو واپس آئے ہیں۔''

''نہیں کندن وہ پھر آیا میرے سپنے میں میرے پورے وجود پر چوٹیاں چل رہی تھیں جب میری آنکھ کھلی اس نے مجھے مکڑی کے جالوں میں اُلجھا رکھا تھا اس راکھشس نے اطمینان سے میرے بال اپنے منہ پر لپیٹے اس نے کہا کہ تیرا

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کوئی کام کبھی نہیں بننے دوں گا تجھے برباد کردوں گا تیری ہر چیز کو نقصان پہنچاؤں گا سیتا نے بے بسی سے کہا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے کیول تمہارا وہم ہے۔'' کندن نے بیزاری سے کہا۔

''نہیں.....'' سیتا پھر دھاڑی

''دیکھو جا کر میرے کمرے میں اس کے بال ہی بال بکھرے پڑے ہیں۔'' کندن اُلجھی ہوئی نظروں سے سیتا کو دیکھ رہا تھا سیتا کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ کمرے کے اس اُلجھے ماحول میں کندن کے موبائل کی گھنٹی بجی کندن کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے پارٹنر رنجیت کی کال تھی۔

''ہیلو کندن.....'' رنجیت نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بڑی مشکل آ گئی ہے تم ترنت آفس آؤ۔''

''کیا ہوا ہے سب ٹھیک تو ہے۔'' کندن جو پہلے ہی اُلجھا ہوا تھا مزید پریشان ہوگیا۔

''نہیں فون پر نہیں بتا سکتا تم بس جلدی آفس آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر رنجیت نے فون رکھ دیا۔

''ایک پل کو بھی سکون نہیں ملتا آج کل مجھے۔'' کندن نے غصے سے موبائل کی جانب دیکھا۔

''میں جا رہا ہوں سیتا آفس میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہے تم اپنا خیال رکھنا۔''

''نہ رات کا کھانا نصیب ہوا نہ دن کا ناشتہ بھگوان ہی جانے میرا کیا بنے گا۔'' کندن بیزار ہوکر کمرے سے نکل گیا۔ کندن کے جانے کے بعد سیتا پھر شانتی ولا میں تنہا تھی اس نے سارے کھڑکی دروازے بند کر لیے اور اپنے کمرے میں دبک کے بیٹھ گئی۔

کندن آفس پہنچا تو رنجیت بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

''کندن آؤ میں کتنی دیر سے تمہارا [illegible] کر رہا ہوں۔'' رنجیت نے کندن کو آفس دروازے پر ہی روک لیا اور اس کا بازو پکڑ اپنے کمرے میں لے آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

''بیٹھو کندن۔'' رنجیت کندن کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا کمرے کی فضا میں رنجیت کے سگار کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ اے سی کے باوجود کمرے کی فضا عجیب بوجھل تھی رنجیت نے اپنی ناک دھیمی کی اور میز پر رکھی ایش ٹرے میں اپنا سگار بجھا دیا۔

''تم ہو کہاں آج کل دھیان کہاں ہے تمہارا تم نے آفس کے اکاؤنٹس کب سے نہیں دیکھے ہیں.....تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ آفس میں کیا ہو رہا ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بہت عقلمند اور میں بے وقوف ہوں۔'' رنجیت غصے سے اٹھ کھڑا ہوا کندن کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔'' کندن نے اُکتا کر کہا۔

''ایک بات یاد رکھو کندن اگر منافع ہم دونوں کماتے ہیں تو نقصان کا ذمہ دار میں تنہا نہیں ہوں گا اگر یہ کمپنی ڈوبی تو یاد رکھو تم بھی ڈوبو گے میرے ساتھ۔'' رنجیت نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ کندن نے غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔

''کیا بکواس ہے پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو صاف صاف کیوں نہیں بتاتے آخر ہوا کیا ہے۔''

''کسی نے ہماری کمپنی کے اکاؤنٹ سے دو کروڑ نکلوائے ہیں کندن دو کروڑ ہماری کمپنی کے اکاؤنٹ سے غائب ہیں اور تم کو خبر تک نہیں۔ یہ کمپنی کوئی مکھن ملائی نہیں ہے کہ پیسہ میں لگاؤں

محمد اسلم آزاد

صوبہ بلوچستان کا ایک مصنف جس کی تحریریں بولتی ہیں.....

ساحل ابڑو

زندگی تلخ حقیقت کا نام ہے تو ایک حسین پھول کا نام بھی ہے کہ جو بے تحاشہ زہر آلود کانٹوں کے

حصار میں رہ کر بھی پیار محبت' امن' سکھ' شانتی کا پیغام دیتے ہوئے اپنی مسحور کن خوشبو سے فضا کو معطر رکھے ہوئے ہوتا ہے اور کبھی بھی ان کانٹوں سے نفرت کا اظہار کیا اور نہ کوئی شکوہ کیا بلکہ اپنے حسن' خوبصورتی تازگی اور خوشبو سے ہزاروں مشکلوں دشواریوں غموں میں جکڑے انسان کو ہمت حوصلے اور محبت کا احساس زندہ رکھنے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا کیا۔ جو ذرا سی ٹھوکر سے ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے اور اپنے نصیب پر خون کے آنسو روتا ہے مگر اس کائنات میں کچھ ایسے بھی باہمت لوگ آئے ہیں جو زمانے کی رنجشوں مشکلات کو بھلا کر اپنے دل میں مظلوم غریب' بے بس' لوگوں کا درد اپنے دل میں زندہ رکھتے ہیں اور ان کے درد و غم کو خوشی میں بدلنے کے لیے اپنی زندگی کے قیمتی لمحے ان کے نام کر کے ایک خوشی اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ آج میں آپ کی انسانیت کا درد اپنے دل میں رکھنے والے شاعر ادیب و مصنف محمد اسلم آزاد سے ملاقات کراؤں گا جسے میں نے ہمیشہ غموں سے چور چور اور اندر سے ٹوٹا ہوا محسوس کیا جو

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اپنے چہرے پر ہلکا سا تبسم سجا کر اس درد غم اور رنج و فکر چھپانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

شہر لہڑی ضلع سبی میں محمد اسلم آزاد نے بہت ہی غریب' مزدور لعل محمد آرائیں کے گھر میں آنکھ کھولی اور میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1991ء میں ادب کی دنیا میں قدم رکھا۔ اسے اپنی تحصیل لہڑی میں ادب کی بہت کمی محسوس ہوئی تو اپنے دوستوں کو اکٹھا کر کے محفل مشاعروں کا آغاز کیا اور نوجوانوں میں علم و ادب سے لگاؤ کے لیے پاکستان بھر کے مقبول ادبی اخبارات' رسائل' ڈائجسٹ میں لکھنے کا شوق پیدا کرنے کی انتھک کوشش کیں مگر چند دوستوں نے ہی اس کا ساتھ دیا اور محمد اسلم آزاد ادب کے فروغ کے لیے دن رات ایک کر کے بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں نا کامیاں' حوصلہ شکنی اس کا عزم نہ چھین سکیں اور وہ پاکستان کے مقبول ڈائجسٹوں میں لکھنے کا اعزاز حاصل کرنے ساتھ ایک سال تک ادبی کالم (معذرت کے ساتھ اسلم آزاد کی بات لکھتے رہے اور جنوری 2016ء میں ان کا پہلا ناول (خاموش محبت) منظر عام پر آیا جس نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ اس کے علاوہ کئی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان کے چیئرمین بھی ہیں۔ اور بہت سے اعزازات اور ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ آیئے ہم پاکستان کے معروف شاعر' ادیب' ناول نگار محمد اسلم آزاد سے ملاقات کرتے ہیں۔

سوال: السلام علیکم! آزاد بھائی آپ کا پورا نام اور ادبی نام کیا ہے؟

جواب: وعلیکم السلام! ساحل بھائی میرا نام محمد اسلم ہے اور جبکہ ادبی دنیا میں آزاد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سوال: ادب کی دنیا میں پہلا قدم کب اور کیسے رکھا؟

جواب: جب 1991ء میں پٹوار ٹریننگ کے لیے مستونگ شہر گیا تو وہاں پر سید عبدالرزاق شاہ کی

ثقافت اور ملک فیاض صاحب کی ادب مخلصی سے شعر و شاعری کا آغاز کیا اور ٹریننگ ختم کرنے کے بعد جب 14 فروری 1993ء کو بطور پٹواری مستونگ میں میری پہلی پوسٹنگ ہوئی تو وہاں کی ادبی نشستوں میں ملک فیاض صاحب کے ہمراہ شرکت کرنا شروع کی اور یوں میری دلچسپی ادب سے بڑھتی گئی۔

سوال: سب سے پہلے کس رسالے میں لکھنے کا آغاز کیا؟

جواب: مقامی ہفت روزہ ساربان ہفت روزہ پیلم' اور مشرق اخبار سے ہی لکھنے کا آغاز کیا۔

سوال: مقامی ادبی پروگراموں میں شرکت کے بارے میں بتایئے؟

جواب: مستونگ اور سبی میں 5 سال تک ادبی نشستوں میں اپنا کلام اور مکالمے پڑھتا رہا ہوں' اس کے علاوہ صحبت پور' ڈیرہ مراد جمالی' جعفر آباد' کوئٹہ اور جیکب آباد سندھ میں آل پاکستان نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

سوال: فروغ ادب کے لیے آپ ہر وقت کیوں کوشاں رہتے ہیں؟

جواب: جب 1993ء میں مستونگ اور سبی کے ادبی ماحول کو دیکھا تو مجھے اپنے شہر میں ادب کی بہت کمی محسوس ہوئی میں نے اپنے دوست غلام حیدر شاہین' ارباب فراز' عبدالقیوم' محمد عمر گولہ کے ساتھ ادبی پروگرام کا آغاز کیا تو میری دلی خواہش تھی کہ ہمارے شہر کے نوجوان نشہ' جوا' چوری' آوارہ گردی چھوڑ کر علم و ادب کی جانب راغب ہوں اور اس معاشرہ کا ایک ذمہ دار شہری بنیں۔ اسی دوران عبدالرزاق شاہ کی بڑی نوازش کہ انہوں نے میرا ساتھ دیا اور لہڑی شہر کی تاریخ میں سب سے پہلی ادبی و سماجی تنظیم آزاد ویلفیئر سوسائٹی اور بزم ادب کا قیام فروری 2000ء کو عمل میں آیا اور اس کے بعد بہت سے ادبی چہرے پلیٹ فارم پر روشن ہوئے۔

سوال: اس فیلڈ میں کون کون سی مشکلات پیش آئی؟

جواب: ساحل بھائی ہر اچھے کام میں بہت سی مشکلات ضرور آتی ہیں۔ مگر میں جس کام میں دل اور ضمیر مطمئن ہو وہ بہت آسان نظر آتا ہے۔

سوال: ایک اچھے شاعر' ادیب بننے کے لیے کیا خوبی ہونی چاہیے؟

جواب: سب سے پہلے ایک اچھا انسان بننا بہت ضروری ہے اور جو خود کو سب سے بہت بڑا شاعر' ادیب کہنے میں فخر اور خوشی محسوس کرتے ہیں وہ اصل شاعر ادیب نہیں ہوتے۔

سوال: ایک اچھے شاعر ادیب کی پہچان؟

جواب: اس دور میں اچھے شاعر' ادیب بہت کم ہی ملتے ہیں جبکہ شاطر' عیار' جھوٹے' فریبی' مکار لوگ بہت زیادہ ہیں۔ جو شاعر ادیب' گلوکار' اداکار و صحافی کے روپ میں آپ کو ہر میدان میں ملیں گے۔ چاہے سیاسی جلسہ ہو' ادبی نشست ہو' اسٹیج ڈرامہ ہو ایک اچھے اداکار کی طرح سستی شہرت اور دولت کے لیے اپنا رول نبھا رہے ہیں۔ انہیں علم و ادب شعور آگاہی اور انسانیت کے درد سے کوئی سروکار نہیں۔ اچھا شاعر ادیب وہ ہے جو معاشرے کی برائیوں اور مظلوم' گمنام اندھیروں میں تخلیق کو زینہ زینہ پروان چڑھائیں اور انسانیت کے لیے روشن ستارہ بن جائیں۔

سوال: آپ ایک شاعر بھی ہیں۔ آپ کو کس صنف میں مشکل پیش آئی نثر یا شاعری؟

جواب: میرے خیال میں کوئی کام مشکل نہیں۔ البتہ محنت کا ہونا ضروری ہے جب کوئی رائٹر لکھنے بیٹھ جاتا ہے تو الفاظ خود بہ خود ساتھ دیتے ہیں اور جب

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

حروف سے دوستی ہوجائے تو شاعری ادبی گیت گنگنانے لگتی ہے اور نثر اس معاشرے کی عکاس بنتی جاتی ہے۔

سوال: ادب اور سائنس کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

جواب: ادب اور سائنس کا آپس میں زمانہ قدیم سے چولی دامن کا ساتھ ہے یہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم نہ سہی لیکن قریب قریب ضرور ہیں۔ جیسے ادب کا واسطہ بھی علم اور نئی تخلیقات سے

ہے۔ اسی طرح سائنس کا بھی تعلق علم اور نئی ایجادات سے ہے۔ اصل میں ادب کو فنونِ لطیفہ کہا گیا ہے اور سائنس کو نئی چیزوں کے دریافت کا علم کہا گیا ہے۔

سوال: ادب اور سماجی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: ادب محض جمالیاتی تخیل یا فنی باریکیوں کا نام نہیں بلکہ سماجی زندگی کا بھی ترجمان ہے۔ ادب کا مقصد محض تفریح طبع ہی نہیں بلکہ اس کا مقصد سماجیات کی اصلاح واحوال بھی ہے۔ اس قدروں کو جاننے اور پرکھنے کا نام بھی ہے۔ اس ہمیں چاہیے کہ ہم ادب کو دنیا میں رائج کر سماجی پہلوؤں سے وابستہ ان تمام علوم کی روشنی دیکھیں جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

سوال: ادیب معاشرے کا اسناد ہے؟

جواب: محمد رفیق مغیری اپنی کتاب (آئینہ) میں لکھتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے

ایک ادیب نے ہمیشہ کے اس معاشرے کی اصلا کے لیے ایک استاد کا کردار ادا کیا ہے۔ معاشرہ ایا جسم کی مانند ہے اور ادیب اس کے لیے ریڑھ ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر ریڑھ کی ہڈ سلامت ہے تو جسم کارآمد ہے۔ ورنہ جسم ناکا ہوجاتا ہے۔

سوال: ادب اور حقیقت نگاری پر تھوڑی روشنی ڈالیں؟

جواب: ساحل بھائی آپ کے عجیب عجیب وں نے مجھے پسینہ پسینہ کردیا ہے (مگر وست) ادب کا حقیقت نگاری سے گہرا تعلق ۔ ہزاروں سال پہلے افلاطون نے ادب کے ے میں اس طرح سے اظہار خیال کیا تھا " رین ادب کی بنیاد ہے زندگی کی جانب زندگی کو وں کی جانب" حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب نے ترقی نہیں کی تھی۔ لیکن پھر بھی افلاطون نے ب کے لیے حقیقت نگاری کو ضرور سمجھا۔

سوال: آزاد صاحب! آپ نے سچی کہانیاں ب سے لکھنا شروع کیا تھا؟

جواب: جنوری 2006ء میں سب سے پہلی (چھوٹی سی لکی) بھیجی تھی مرحوم ناصر رضا ب نے بہت حوصلہ افزائی کی۔ اس کے بعد ی تحریریں میری سچی کہانیاں میں شائع ہوئیں۔

سوال: آپ نے کن ڈائجسٹوں میں لکھا؟

جواب: ماہنامہ نئے افق' دوشیزہ' ریشم' جواب ں' دکھی کہانیاں' تعمیر ادب' صدائے دل' ساگر جسٹ' آزادی اور بہت سے بچوں کے رسالے لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

سوال: آپ کی تصانیف.....؟

جواب: میرا ناول (خاموش محبت) یکم جنوری 20 کو منظر عام پر آیا ہے جس نے الحمدللہ بہت ائی پائی۔

سوال: آپ کے ناول خاموش محبت میں کوئی بات جو آپ کے لیے یادگار اور قارئین کے متاثر کن ہو؟

جواب: آج تک لوگ پیار' محبت کے افسانے' نیاں' ناول بہت پڑھتے آئے ہیں۔ مگر اس ناول پاکیزہ دوستی کا پیغام ہے۔ جو شاید برسوں تک یاد ے گا۔ کیونکہ سچی محبت کی داستانیں تو ہمیشہ سے زندہ اور یادگار رہی ہیں۔ مجھے یہ یقین ہے کہ میری یہ پاکیزہ دوستی زندہ رہے گی۔ جو ناقابل فراموش ہے۔

سوال: آپ کی نظر میں ادب کیا ہے؟

جواب: انسانیت کا درد محسوس کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کا دوسرا نام ادب ہے۔

سوال: آپ کو اب تک کتنے ایوارڈ مل چکے ہیں؟

جواب: الحمدللہ ساحل بھائی بہت سے ایوارڈ ملے ہیں۔ بیسٹ ایوارڈ' ادبی ایوارڈ' آل پاکستان ایوارڈ' تعمیر ادب ایوارڈ اور بے شمار تعریفی اسناد سے نوازا گیا ہے۔

سوال: آپ کو سخت نفرت کس سے ہے؟

جواب: ہر اس تعلیم یافتہ شخص سے جو معاشرے میں بڑھتی ہوئی برائیوں' نشہ' جوا' چوری' زنا' آوارہ گردی اور بے حیائی کے کاموں میں فروغ دینے والے کے خلاف اُن کی زبان اور قلم لڑکھڑاتے ہیں۔ مگر علم' ادب کے فروغ دینے والوں کے خلاف وہ ہر وقت زہر اور آگ اگلتے رہتے ہیں۔

سوال: کوئی ایسا خواب جو اب تک ادھورا ہو؟

جواب: میرا خواب تھا کہ میرے شہر کے نوجوانوں میں علم و ادب سے بہت لگاؤ ہو اور وہ معاشرتی برائیوں سے بچ کر آنے والی نسلوں کو روشنی کی طرف لائیں۔ اور آزاد ویلفیئر سوسائٹی' بزم ادب کے قیام کا مقصد بھی یہ تھا۔ مگر بہت افسوس اٹھارہ سال تک بہت محنت کی۔ ادبی محفلوں کی رونقیں جنون کی حد تک سنبھال رکھیں لیکن آج بہت قابل ترین شاعر اور رائٹر ہیں ادبی ادارے ہیں۔ لیکن ادب کے فروغ کے لیے قدم بڑھانا تو دور کی بات قدم ملا کر چلنے والا کوئی نہیں۔ میرے اس ادھورے خواب کی تکمیل ملی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان نے مکمل کردی اور آج میں بہت خوش ہوں۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

سوال: آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟

جواب: صبح ناشتے کے بعد آفس جاتا ہوں اور ظہر نماز کے بعد گھر آتا ہوں اور کچھ پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے دوست محمد عمر گولہ کے ساتھ وقت گزارتا ہوں پھر عشاء کی نماز کے بعد گھر لوٹتا ہوں اور کچھ نہ کچھ لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔

سوال: مذہب سے کس حد تک لگاؤ ہے؟

جواب: آخری حد تک اور کبھی کبھی سجدے میں آخری سجدے کی تمنا ہوتی ہے۔

سوال: محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: کسی سے محبت ہو جانا تو ایک فطری عمل ہے۔ جو ہر دل میں پائی جاتی ہے مگر اصل محبت تو وہ ہے کہ آپ کو کوئی ٹوٹ کر چاہے اور اپنی سانسوں میں بسالے۔

سوال: آپ کی شادی کب ہوئی' کیا لو میرج تھی؟

جواب: 1998ء میں ہوئی اپنے والدین کی رضامندی پر۔

سوال: کوئی یادگار لمحہ؟

جواب: زندگی یادگار لمحوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک دو نہیں جو بتادوں۔

سوال: کوئی ایسی ہستی ملی جسے کھونے کا رنج آج تک ہو؟

جواب: سوری میں اپنے سائے کو بھی راز دان نہیں بناتا ہوں کہ وقت آنے پر وہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

سوال: اب تک کتنے افسانے لکھ چکے ہیں؟

جواب: تقریباً 200 سے زائد.....

سوال: آپ کے پسندیدہ رائٹر کون ہیں صرف چار کے نام بتائیں؟

جواب: محمد سلیم اختر' طارق اسماعیل ساگر' پروین ہاشم نیم.....

سوال: کسی رائٹر کا لکھا ہوا افسانہ جواب نا ہو صرف تین کے نام بتانا؟

جواب: شیخ فرید کا لکھا ہوا افسانہ (پاس ...) طارق اسماعیل ساگر کا ناول (جنون) اور ساحل ... کا افسانہ بچوں کے حوالے سے (برما کے مسلمان)

سوال: کھانے میں کیا پسند ہے؟

جواب: سب کچھ جو مل جاتا ہے شوق سے کھاتا ہوں۔

سوال: لباس کون سا پسند ہے؟

جواب: سفید کپڑے۔

سوال: نئے لکھنے والوں کے لیے کیا پیغام ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی بہت انمول تحفہ ہے۔ اس تحفے کو فضول کاموں میں ضائع مت کریں۔ اچھی کتابیں پڑھیں ان کتابوں سے سبق حاصل کریں اور ان سے رہنمائی لے کر آگے بڑھیں' جھوٹ' فریب' چوری کے دروازوں سے ادب کی دنیا میں داخل نہ ہوں۔

سوال: سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے کوئی پیغام دیں؟

جواب: دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز اچھا دوست ہے۔ اگر اچھا دوست پانا ہے تو قلم اور کتاب سے دوستی کرو۔ کیونکہ جو ان دونوں سے دور بھاگے گا وہ معاشرتی برائیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اپنے آنے والی نسلوں کو ان برائیوں سے بچانا ہے تو علم ادب' شعور آگاہی' فن کھیل اور ثقافت کو فروغ دینے والوں کی مخالفت مت کرو اور کھلے دل و ذہن کے ساتھ ان کی حمایت کرو ورنہ سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

☆☆.....☆☆

سفر نامہ

ترکی میں عباسی

سچی کہانیاں کا پسندیدہ ترین سلسلہ
ایک بار پھر قارئین کے پُرزور اصرار پر.....

قمر علی عباسی

30 ہزار روپے کا قالین ملازم پیشہ تو خرید نہیں سکتا۔ اس بات کو ایک ہفتہ گزرا۔ تجم الحسنین حسب معمول کسی جگہ گشت کر رہے تھے کہ ایک انتہائی نفیس قالین پر نظر پڑی۔ یوں ہی قیمت

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

پوچھ لی۔ خاں صاحب نے کہا۔

''30 ہزار روپیہ۔''

قیمت اتنی تھی کہ کم کرانے کو بھی کہا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے یہ چپ چاپ وہاں سے سرک لیے۔ اس واقعے کو ایک ماہ گزرا۔ پھر انہیں ایک بازار کے نکڑ پر ایک خوبصورت قالین نظر آیا۔ انہوں نے دیکھا اس بار ہاتھ بھی لگایا اور پوچھا۔

''خاں صاحب اس کی قیمت کیا ہے۔''

خان نے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا۔

''آپ کیا دے گا؟''

''آپ قیمت تو بتائیں۔'' نجم الحسنین سمجھ گئے کہ یہ کوئی ہزار دو ہزار کا قالین ہے اور پانچ سو میں مل جائے گا۔

''اس کا قیمت تو 30 ہزار ہے۔ لیکن آپ بولو۔''

رقم سن کر یہ چونکے اور سر اٹھا کر دیکھا تو پہچان گئے۔ یہ تو وہی خان ہے جس سے دوبارہ پہلے بھی پوچھ چکے ہیں۔ یہ سمجھے تھے کسی اور خان سے دریافت کررہے ہیں۔ قالین والا پہلے ہی پہچان چکا تھا اور انتہائی غصے میں تھا وہ سمجھ رہا تھا یہ شخص مسلسل فراڈ کررہا ہے۔

''خان صاحب اس کی قیمت زیادہ ہے ہمیں لینا نہیں۔''

''بھائی آپ قیمت بولو۔'' خان غصہ ضبط کرکے انتہائی نرمی اور تحمل سے بولا۔

نجم الحسنین نے سوچا 30 ہزار کا قالین کتنا کم کرے گا۔ اس لیے سوچ میں پڑ گئے۔

''بھائی آپ دو پیسہ بولو..... ہمارا چیز ہے' دے نہیں دے۔'' خان غصہ دبا رہا تھا۔

''آپ برا تو نہیں مانیں گے۔'' نجم الحسن نے پوچھا۔

''نہیں بھائی آپ قیمت تو بولو۔'' خان کی ہمت ملاحظہ ہو۔

نجم الحسنین نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''خاں صاحب 3 ہزار۔''

خاں صاحب نے انہیں ایک نظر دیکھا اور کہا۔

''چلو نکالو۔''

ان کے پاس تین ہزار کہاں.....

یہ بولے۔ ''خاں صاحب ابھی تو نہیں ہیں۔ ہم کل لاکر دیں گے۔''

''گھر پر ہیں۔''

یہ ڈر کر بولے۔

''ہاں کل لادیں گے۔''

خان نے یہ سنا تو پاس سے گزرتے ہوئے رکشہ کو روک لیا۔ قالین لپیٹ کر رکشہ کے اوپر باندھا پھر نزدیکی دکاندار سے کہا۔

''دکان کا خیال رکھنا۔'' اور انجم الحسنین کو رکشہ میں بٹھا کر کہا۔

''گھر کا پتہ بتاؤ۔''

اب سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ ان کے گھر دو چار سو روپے سے زیادہ نہیں تھے اور اگر یہ قالین نہیں خریدتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا خان گولی مار دے گا۔ یہ اپنے گھر کے بجائے دوست کی طرف گئے رکشہ روک کر ساری بات بتائی۔ اس کے پاس بھی اتنی رقم نہ تھی۔ لہٰذا دو چار گھروں سے جمع کرکے دیے گئے۔ وہ قالین قیمتی تھا۔ لیکن ان دنوں 3 ہزار کی رقم زیادہ قدر رکھتی تھی۔

ایک دن ہم بھی کراچی میں آغا خان اسپتال کے آگے دیواروں پر بچھے پیڑوں پر لٹکے قالین کی

قیمت پوچھ بیٹھے' اس نے بتائی۔

''پانچ ہزار۔'' ہم نے کہا۔

''خاں صاحب یہ تو بہت زیادہ ہے۔''

''آپ کیا دے گا۔''

''ایک ہزار.....'' کہہ کر ہم نے ڈرائیور سے کہا گاڑی بھگالو۔ کیونکہ وہ ایک ہزار میں دینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

''کیوں.....'' ہمارے ڈرائیور نے پوچھا۔

ہم یہ بھول گئے تھے کہ وہ بھی خان تھا۔ ہم اسے کیا بتاتے صرف اتنا کہا۔

''پیٹ میں شدید درد اٹھا ہے۔'' جب تک ڈرائیور نے گاڑی چلائی خان آواز دے کر کہہ چکا تھا۔

''چلو نکالو ہزار۔'' خدا کا شکر ہے یہ آواز ہمارے خان کے کان میں نہیں پہنچی تھی۔ اس دن کے بعد ہم قالین کی دکان تک میں داخل نہ ہوئے۔ لیکن ترکی کے اس کارخانے کی بات اور تھی۔ یہاں کمسن اور خوب رو لڑکیوں سے بات چیت اور ملاقات تھی۔

مول تول خرید و فروخت کا سوال ہی نہیں تھا۔

ایک بڑے دروازے کو پار کرکے اندر داخل ہوئے سامنے دو انتہائی بوڑھی خواتین نظر آئیں جو زمین پر بیٹھی تھیں اور ان کے سامنے اون کا ڈھیر تھا۔ اب ہم سمجھے مراد ایک دلچسپ آدمی تھا اور انہی بوڑھی خواتین کو کمسن اور حسین کہہ رہا تھا۔ یہ بھی آج سے 60 یا 70 سال پہلے جوان رہی ہوں گی۔ وقت اور بدلتے موسموں نے حسن اور جوانی چھین لی تو کیا ہوا۔ اگر ہم 50 سال پہلے آتے تو حسن و جمال کا دیدار کرتے۔ قالین کے کارخانے کے منیجر کیز بھی آگئے ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ بار بار ہاتھ ملاتے اور مسکراتے تھے۔

مراد نے ان بزرگ خواتین سے کہا کہ اون کا دھاگہ بنا کر دکھائیں۔ پہلی نے ایک لکڑی اک لٹو سا اٹھایا اور ریشم کے دھاگے کو اس پر ڈال کر ہوا میں ہلانے لگیں۔ ایک دھاگہ بن کر دوسری طرف جانے لگا۔ مراد نے پوچھا۔

''کوئی سوال.....'' سب چپ رہے۔ پھر دوسری خاتون سے کہا انہوں نے ریشم کا تار ایک چرخے پر چلانا شروع کیا۔ اس سے دھاگہ بن کر ایک پھرکی جیسے لٹو پر لپٹنے لگا۔ یہ دھاگہ بن رہا تھا۔ جس سے قالین بنایا جاتا ہے اون بھیڑوں سے اور ریشم کے کیڑوں سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ پہلا مرحلہ تھا اس کے بعد ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے جہاں پندرہ لڑکیاں سر جھکائے قالین بن رہی تھیں۔ یہ سب واقعی کمسن تھیں مراد نے بتایا کہ 17 یا 18 سال کی ہیں لیکن ہمارا خیال ہے ان کی عمریں 14' 15 سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ قالین بننے کے لیے چھوٹی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے درکار ہیں۔ ان کے ہاتھ نرم ہوتے ہیں پاکستان میں یہ کام نوعمر لڑکے انجام دیتے تھے۔ اس پر دنیا بھر میں ہنگامہ ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان سے قالین منگوانے بند کرنے کی دھمکی دی گئی۔ اس میں وہ ملک زیادہ ہوا دینے والے تھے جو قالین سازی میں شامل ہیں۔ ترکی میں یہی کام انتہائی کمسن لڑکیاں کررہی تھیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہے۔

ہم ایک کھڈی کے پاس کھڑے تھے جس پر سر جھکائے ایک لڑکی رنگین دھاگوں کی مدد سے قالین بنا رہی تھی۔ یہ سنگل بنائی تھی اس میں صرف ایک گانٹھ لگائی جاتی ہے۔ مختلف رنگوں کے دھاگے اوپر سے لٹکتے ہیں۔ لڑکی کے پاس قالین کا ڈیزائن ہے وہ اسی ترتیب سے رنگین دھاگے لے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

کر لگائی جاتی ہے۔ انتہائی مہارت اور پھرتی سے کام کر رہی تھی اس کا چہرہ قالین کی طرف تھا۔ پلکیں آنکھوں پر جھکی تھیں اور صرف ان رنگین دھاگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ سفید ہاتھ رنگوں کو یکجا کر رہے تھے۔ پھر یہ تمام عمر کس کے قدموں میں بچھ جائیں گے برسوں کی محنت پاؤں تلے روندی جائے گی۔ اس بات نے افسردہ کر دیا۔

ایک اور لڑکی ڈبل ناٹ سے قالین بنا رہی تھی اس میں دوبارہ گانٹھ لگائی جاتی ہے..... دوگنا وقت لگتا ہے۔ بڑی توجہ اور مہارت سے رنگین دھاگوں سے بُنے جاتے ہیں۔ جس طرح سوئٹر کی بُنائی ہوئی ہے اس لڑکی کے کام کی رفتار ذرا کم تھی۔

اس کے بعد ایک لڑکی سلک کے قالین بنا رہی تھی۔ یہ انتہائی نفاست سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں سنگل اور ڈبل دونوں ناٹ لگائی جاتی ہیں۔ یہ تمام لڑکیاں یہاں کام سیکھتی ہیں۔ یہ ٹریننگ سینٹر بھی ہے اور پھر یہیں کام کرتی ہیں..... ہر لڑکی دو تین گھنٹے کام کے بعد آرام کرتی ہے۔ مسلسل زیادہ دیر تک نہیں ہو سکتا۔

ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تمام لڑکیوں نے سروں پر اسکارف باندھ رکھا تھا۔ ہم نے مراد سے پوچھا۔

''سرکاری ملازمتوں اور سرکاری عمارتوں میں اسکارف پر پابندی ہے پھر یہاں.....''

''یہ ادارہ آدھا سرکاری اور آدھا پرائیویٹ ہے.....''

''پھر تو آدھے سر پر اسکارف ہونا چاہیے تھا۔'' ہم نے کہا۔

مراد ہنس دیا۔ ایسی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ بار بار کہتا۔

''ان لڑکیوں سے سوال کریں۔''

جس مہارت اور تندہی سے یہ کام کر رہی تھیں اس میں کوئی بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یہ قالین کتنے دن میں بنتا ہوگا۔'' مراد نے ہم سے پوچھا۔

''دو ماہ میں.....'' ہم نے بتایا۔

''اوہ نو..... ڈیڑھ سال میں۔'' وہ بولا۔

''اور یہ سلک کا.....'' مراد نے سوال کیا۔

''ایک سال.....'' کئی آوازیں آئیں۔

''چار سال.....'' مراد نے جواب دیا۔

ہمیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ قالین بنانے میں اتنا وقت لگتا ہے۔

کارپٹ کارخانے کے منیجر نے ایک کمرے میں لے جا کر وہ ڈیزائن دکھائے جن سے قالین بنائے جاتے ہیں۔ لوگوں کے آرڈر پر فرمائشی ڈیزائن بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا کمرہ جہاں ریشم پر رنگ کیا جاتا ہے بہت سے ڈرم میں رنگ رکھے تھے۔ یہ پھولوں، درختوں کی چھالوں اور تمباکو سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں ریشم کے دھاگے ڈبوئے جاتے ہیں۔ رنگین بنانے کے لیے، ہمیں تمباکو کے بارے میں جان کر حیرت ہوئی کہ یہ بھی رنگوں کی دنیا میں کمال کرتا ہے۔

اس کے بعد ایک ایسا کمرہ جہاں ریشم حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کیڑا ہے جو شہتوت کے پتوں پر ہوتا ہے۔ اسے پالا جاتا ہے یہ اپنے گرد منہ کے لعاب سے دھاگا بنا کر چاروں طرف اوڑھ لیتا ہے..... اگر یہ زیادہ دن رہے تو سوراخ کر کے تتلی بن کر اڑ جاتا ہے۔ اسے آخری مراحل میں شاک دے کر مار دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے خول

سے باہر نہ نکلے۔ ایک خول سے ایک میٹر ریشم کا دھاگہ نکلتا ہے۔ اس جگہ ہلکے گرم پانی میں یہ خول پڑے تھے اور مشین کے ذریعے ان پر لپٹے ہوئے ریشم کے تار نکالے جا رہے تھے۔ انسان نے قدرت کے خزانوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

کارپٹ کارخانے کا آخری مرحلہ ایک ہال تھا۔ جس کے تین طرف بیٹھنے کی جگہ اور درمیان میں قالین رکھے تھے۔ سیاح یہاں بٹھا دیے گئے مراد کوچ میں ہی کہہ چکا تھا کہ اس کارخانے میں قالین مہنگے ہوں گے۔ ایک بار پھر اس نے منتظمین کی نظریں بچا کر اپنی بات دہرائی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا اس جگہ سے مراد کو کمیشن نہیں ملتا تھا۔ ہم نے اسے یقین دلایا۔

''ہم یہاں سے کچھ نہیں خریدیں گے۔'' ورنہ ہو سکتا ہے 50 یا 60 ہزار ڈالر کا کوئی قیمتی قالین خرید کر اپنے ڈرائنگ روم میں اپنے پیروں سے روندتے رہتے۔

ہال میں تین چار افراد داخل ہوئے۔ ان میں ایک سوٹ پہنے معزز شخص تھا۔ پہلے اس نے تعارف کرایا۔ پھر پوچھا۔

''آپ لوگ کیا نوش کریں گے۔'' ایسے موقع پر ہم تکلف کرتے لیکن ہر شخص نے کچھ نہ کچھ لیا۔ بعض نے تو شراب تک طلب کر لی، ہم نے چائے پر گزارہ کیا۔

اب اصل شو کا آغاز ہوا۔ مختصراً قالین سازی اور ترکی کے تذکرے کے بعد قالین دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک قالین بچھایا جاتا اس کی تعریفیں ہوتیں اور قیمت ایک چھوٹا سا قالین کھلا تو ہمارے خیال میں 500 روپے کا ہوگا۔ لیکن منیجر نے بتا کر حیران کر دیا کہ وہ چار سال میں بنایا گیا۔ بھلا چار سال ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر اس کی قیمت سنی تو پریشان ہو گئے۔ صرف 35 ہزار ڈالر کا تھا۔ اتنی رقم میں تو پاکستان میں خان بھائی سے لاکھوں قالین خریدے جا سکتے ہیں۔ منیجر کہہ رہا تھا۔

''جس لڑکی نے یہ قالین بنایا ہے اگر اس کی شادی چار سال پہلے ہو جاتی تو اسے گھر اور گزارہ دینا پڑتا۔ اس کی خواہشات پوری کرنی ہوتیں۔ اس حساب سے اس کی قیمت کچھ بھی نہیں۔'' سوال یہ تھا کہ قالین خرید رہے ہیں یا لڑکی..... اس رقم میں تو جس لڑکی نے بنایا اس جیسی درجن بھر لڑکیوں سے شادی خانہ آبادی کی جا سکتی ہے۔ منیجر یہ بات ہمارے سامنے کہہ رہا تھا۔ ہمارے بزرگ بادشاہ تھے ان کے حرم میں جو کنیزیں تھیں ان کا شمار قطار نہ تھا۔ 35 ہزار ڈالر کو ترکی کے لیرا میں ضرب دیں تو اتنی رقم بنتی ہے کہ گنتی ختم ہو جائے گی۔

یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ قالین کا سائز بھی 4X6 تھا..... ہو سکتا ہے کوئی دل والا خرید لے۔ ہم وہ نہیں، پھر مراد نے ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ مہنگا دیتے ہیں۔

دو آدمی قالین لاتے اور ہمارے سامنے کھولتے۔ ہر بار خیال ہوتا شاید کسی میں قلوپطرہ نکل آئے۔ فلم میں ایک منظر میں سیزر کے سامنے قلوپطرہ قالین میں لپٹ کر آئی تھی لیکن افسوس نہ وہ مصر تھا نہ ہم شاہ وقت، ان لوگوں کے پاس کمسن معصوم لڑکیاں تھیں، جو سر جھکائے کارخانوں میں کام کر رہی تھیں۔ صرف ان کا ذکر تھا۔

قالین بے حد حسین اور خوبصورت بعض ایسے کہ جی خوش ہو گیا لیکن مہنگے تھے۔ پھر مراد کی ہدایت یاد کر کے دل کو تسلی دیتے تھے۔

ایک قالین بچھا کر منیجر نے کہا۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

''اس پر لیٹ کر سویا جاسکتا ہے۔'' ایک سیاح بھاگ کر لیٹ گیا۔ آسٹریلیا کی زی بھی جاگیٹی' اسی وقت کارپٹ کارخانے والوں نے اس پر ایک کمبل ڈالا اور تمام روشنیاں بند کردیں۔ زی کی چیخ نکلی۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ روشنیاں کھولی گئیں تو کئی سیاحوں نے ان کی تصویریں اتارلیں۔

زندگی میں اتنے حسین قالین شاید پھر دیکھنے کو نہ ملیں۔ ظالموں نے شراب پیش کی۔ لیکن افسوس شباب کے بارے میں خاموش رہے۔ ترکی سیکولر ملک ہے۔

کارپٹ روم سے نکلے تو اس بار لڑکیوں کے پاس نہیں لے جایا گیا۔ بلکہ باہر کردیا سڑک پر' دائیں طرف سفید برف سے ڈھکے پہاڑ تھے۔ ہر شخص اس پس منظر میں تصویریں کھنچوانے لگا۔

☆.....☆.....☆

پہاڑ گرنے میں دیر

کوچ میں بیٹھے ہوں۔ موسم پسند کا ہو دائیں بائیں کھیت کھلیان اور بستیاں گزر رہی ہوں تو سب اچھا لگتا ہے ترکی ایک بڑا ملک ہے۔ سارے موسم مل جاتے ہیں۔ بنجر زمین لہلہاتے کھیت' پہاڑوں پر زیتون کے ہرے درخت اور دور پہاڑوں پر سفید برف اور میٹھے پانی کی جھیلیں۔

ایک وادی نظر آئی۔ سرسبز درخت خوبصورت مکان اور اِکا دُکا سڑک پر چلتا آدمی یہاں سیب اُگائے جاتے ہیں ترکی میں ایپل چائے مشہور ہے۔ زیادہ تر سیاح خرید کرلے جاتے ہیں۔ ترکی میں چائے کو چائے ہی کہتے ہیں۔ ہم نے سنا تو پہلی فرصت میں خرید لی۔ پھر ایک چھوٹا شہر آیا اس کا نام اسپارٹا تھا۔ اس جگہ گلاب اُگائے جاتے ہیں یہاں سلیمان ڈیمرل یونیورسٹی ہے وزیراعظم سلیمان ڈیمرل اسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔ یونیورسٹی میں نہیں' وہ تو ان کے بعد بنائی گئی۔ اس کے دو طرف پہاڑ ہیں ان پر برف پڑی تھی۔ اسی گاؤں کی مناسبت سے روز ٹی گلابوں والی چائے بنائی جاتی ہے۔ چائے کا کیا ہے..... وہ خوشبو چاہے اس میں ڈال لو..... وہی مہکنے لگے گی۔

کوچ کی آرام دہ سیٹ میں بیٹھے لطف اندوز ہورہے تھے پھر کھنڈر دیکھنے کا اعلان ہوا۔ کوچ ایک کونے میں روک دی گئی اور ہدایت ملی۔ سردی میں باہر نکلو سب اتر گئے تو کوچ روانہ ہوگئی۔ سامنے بیسیوں کے اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جن میں غار بنے تھے۔ مراد نے بتایا موسموں کا احتساب انہیں نقصان پہنچا رہا ہے اندازہ ہے کہ بیس سال بعد یہ گر جائیں گے۔ ہمیں افسوس ہونے لگا۔ ایسی کیا جلدی تھی بیس سال بعد آتے۔ تو یہ ڈھیر دیکھنے کی سعادت سے محظوظ رہتے ہمارے ساتھی بے چین ہوگئے۔ 20 سال بعد یہ گر جائیں گے اس کی حفاظت کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ہمارے ذہن میں جو تھا وہ پوچھ نہیں سکتے تھے کیا یہ ابھی ہمارے وہاں پہنچنے تک ڈھیر نہیں ہوسکتے؟ لیکن مراد کی کم نصیبی کہ یہ سوال وہ سن نہ سکا۔ کیمرے ان پہاڑوں کو فلم پر محفوظ کررہے تھے مراد اتنی دیر میں ٹکٹ لے آیا دس لاکھ 30 ہزار لیرا ہر ایک کے حوالے کیا۔ ہمیں تعجب ہورہا تھا کہ اس قسم کے پہاڑوں اور غاروں کو دیکھنے کے لیے لیرا دینے پڑتے ہیں۔ ایسے تو ہمارے کوئٹہ کے راستے میں ڈھیروں ہیں جب چاہے دیکھ لیں ہم جس راستے پر جارہے تھے اس کے دوسری طرف ہزاروں فٹ گہرائی تھی اور ڈر

تھا ظالم کسی سیڑھی یا راستے سے نیچے نہ لے جائے۔ سیاحوں کے لیے سب سے اچھا ٹور وہ ہوتا ہے جس میں اس کا سانس باہر اور معلومات دماغ کے اندر ہوجائیں۔ یورپ اور امریکہ سے آنے والے سیاحوں کے لیے اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ چڑھنے اترنے' تصویریں کھینچنے اور بھاگ دوڑ میں مایوس نہ ہوں۔

خدا کا شکر مراد کا رخ ایک پہاڑ کی طرف ہوا۔ ہم سمجھے یہ اس کے پاس کھڑا ہوکر تاریخ کا کوئی بھولا بسرا صفحہ اُلٹے گا۔ لیکن وہ تو پہاڑ میں گھسنے لگا۔ اب جو دیکھا تو وہ غار تھا جس میں غائب ہوگیا اور اس کے پیچھے دوسرے سیاح اور ہم بھی ہمارے آگے اور پیچھے لوگ..... غار میں اندھیرا سر بھی جھکانا پڑتا تھا' اب نہ جانے یہ غار کتنا لمبا تھا۔ خدا کا نام لے کر قدم رکھتے رہے اور مراد پر غصہ کرتے رہے کہ ظالم نے کہاں لا مارا۔ اللہ بڑا کارساز ہے وہ غار ختم ہوا روشنی نظر آئی۔ پہاڑ کے ساتھ راستہ سیڑھیاں اوپر چڑھتی تھیں دائیں طرف ریلنگ لگی تھی۔ اس طرف دیکھنے کا مطلب تھا اپنی نظروں کو ہزاروں فٹ دور لے جانا جہاں ہوسکتا ہے تاریخ سے پہلے کے لوگ رہتے بستے ہوں۔

بائیں طرف اندھیرے کمرے تھے۔ ایک میں چند سیڑھیاں تھیں۔ مراد تو کھٹ کھٹ اتر گیا۔ سیاحوں کے ساتھ بار بار آتا ہے۔ سیڑھیاں اور پاؤں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ ہم ٹٹول کر اترے یہ غالباً رہبہ کا چیپل ہے۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لوگ اندر آئے تو اندھیرا بڑھ گیا اس مین نہ روشنی کرنے کی اجازت تھی نہ تصویر لے سکتے تھے۔ دیواروں پر حضرت عیسیٰؑ کو دکھایا گیا تھا۔ پھر ان کو مصلوب کرنے کا منظر' وہ آخری کھانا کھا رہے ہیں پھر وہ فرشتوں کے جھرمٹ میں ہیں یہ چودھویں صدی میں بنائے گئے تھے۔ تصویریں اچھی تھیں اور سیاح حیران ہوکر دیکھ رہے تھے۔ اگر اندھیرے میں کچھ نظر آرہا تھا تب ہم نے بہت کوشش کی اور کچھ نظر بھی آیا.....

وہاں سے باہر نکلے تو تازہ ہوا اور روشنی دیکھی اور پھر سیڑھیاں اوپر ایک اور کمرہ سب لوگ اندر چلے گئے۔ ہم کمرے کے دروازے میں کھڑے رہے تو مراد نے آواز لگائی۔

''عباسی اندر آجاؤ..... آپ کے کھڑے ہونے سے روشنی رک گئی ہے۔''

ہم کمرے میں چلے گئے۔ یہاں بھی دیوار اور چھت پر تصویریں تھیں ان دنوں لوگوں کے پاس کام کاج تو ہوتا نہیں تھا اس لیے سارے وقت تصویریں بناتے رہے تھے..... تاکہ بعد کو لوگ دیکھ کر حیران ہوں..... اس کمرے کے بعد پھر سیڑھیاں اور ایک مزید کمرہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اس بار ہم نے کمرے کے دروازے تک بھی جانے کی زحمت نہیں کی۔ اس لیے اندر جانے سے بچ گئے۔ اس جگہ مراد نے زیادہ دیر لگائی۔ بہرحال اسے نکلنا تھا اور وہ باہر آیا تو اوپر چڑھائی شروع ہوئی ایک راستہ بہت اوپر جارہا تھا جہاں اور غار تھے ہم ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ سیاح اوپر چڑھنے لگے۔ ایک بار مراد نے پلٹ کر دیکھا تو ہم نے ہاتھ ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ایک سیاح تو ہار گیا۔ ایک راستہ نیچے کی طرف جارہا تھا۔ چند لوگوں کو اس پر جاتے دیکھا۔

ہم نے سوچا واپسی اسی جگہ چلتے ہیں۔ جہاں سے آئے تھے ان لوگوں کو آنا تو ادھر ہی ہے۔ ایک خیال یہ آیا کہ اگر یہ اوپر سے ہی چلے گئے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

تو..... لیکن ایک گروپ پہاڑ کے سب سے اونچے غار سے نیچے آ رہا تھا اور وہ نیچے اتر کر اس طرف گیا۔ جہاں سے ہم آئے تھے۔ ابھی ہمارے ساتھی سیاح پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھتے دکھائی دے رہے تھے اور وہاں بھی اس قسم کے چیپل ہوں گے۔ لیکن ان کا جذبہ سیاحت سلامت رہے۔ ہم باز آئے اور آہستہ آہستہ اسی طرف آ گئے جہاں سے چلے تھے۔ پہلے باتھ روم تلاش کیا دو لاکھ لیرا کے عوض گرم پانی سے ہاتھ دھوئے اور ٹشو پایا۔ اس کے بعد اوپر جا کر دکانیں دیکھیں۔ ان میں کوئی کام کی چیز نہ تھی۔ ایک طرف چند سیڑھیاں اتر کر حکومت ترکی کا سیلز ڈپو تھا..... پوسٹ آفس اور ٹیلی فون کا نشان بھی بنا تھا۔ نیچے اترے تو ایک خوبصورت ڈسپلے سینٹر تھا۔ کارڈ فون بھی تھے۔ پہلے ان سے کھیلے پھر شیشے کا دروازہ کھول کر اندر گئے۔ تو چند خواتین سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''آپ کی کیا خدمت کریں۔''

ہم نے ایک لمحے میں چاروں طرف نظر ڈالی اور پوچھا۔

''ہمیں کوئی گڑیا مل سکتی ہے۔''

''نہیں جناب ہمارے اسٹور میں گڑیا نہیں ہوتی۔'' ایک نے معذرت کی اور افسردہ ہوگئی..... گڑیا سے مایوس ہو کر ہم نے پوچھا۔

''کیا ہم اسٹور دیکھ سکتے ہیں۔''

''جی ضرور.....'' وہ سامنے سے ہٹ گئیں۔

اسٹور میں وہ سارا سامان تھا جو کراچی کی کوآپریٹو مارکیٹ کی صرف ایک دکان سے مل سکتا ہے۔ ترکی ایک غریب ملک ہے۔ گڑیا تک نہیں بناتا' کہنے کو F-16 اسمبل کرتا ہے۔ مرسڈیز کے پُرزے جوڑ کر گاڑی تیار کر لیتا ہے لیکن اگر ایک گڑیا بنا لیتے تو ہم پہاڑوں غاروں کے درمیان کریدتے اور اصل گڑیا افسردہ نہ ہوتیں۔

اسٹور صاف ستھرا اور گرم تھا۔ لیکن زیادہ دیر یہاں رک کر ساتھیوں کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے باہر آئے تو دیکھا وہ لوگ دور پہاڑ سے اتر رہے ہیں۔

ذرا دیر میں یہ سب ہمارے ساتھ تھے اور آج پہلی بار کسی کے منہ سے 'ویری گڈ' ویری نائس سنائی نہیں دیا۔

کوچ کئی فرلانگ دور پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ مراد نے ایک بار ہاتھ ہلایا۔ دو بار سیٹی بجائی اور پھر سب چل پڑے۔ راستہ ڈھلوان تھا۔ صرف ہم تر و تازہ تھے آگے جا کر سیڑھیاں تھیں۔ ہم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو سیلیا نے ہمارا بازو تھام لیا۔

''شکریہ..... آپ کے ہاتھ کا سہارا منزل آسان کر دیتا ہے۔'' ہم نے کہا۔

''میں تو بہت تھک گئی ہوں..... آپ نے اچھا کیا اوپر نہیں گئے۔'' سیلیا بولی۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک بازار آ گیا۔ دونوں طرف دکانیں اور گھات لگائے دکاندار' وہاں آئیڈیا مل گئیں۔ وہ چیپل دیکھنے نہیں گئی تھیں لیکن اس بازار میں اپنی بیٹی اور اس کی بیٹی کے لیے شاپنگ کر رہی تھی اور اب چیزیں دکھا کر داد و تحسین وصول کر رہی تھی۔

سب کوچ میں بیٹھے تو پہلی بار ہم نے اپنے ساتھیوں کے چہروں پر اطمینان و سکون دیکھا جیسے ایک لمبی مسافت کے بعد ہو۔

☆.....☆.....☆

مولانا رومی کے مزار پر موئے مبارک

ہم نے جب ہوش سنبھالا مثنوی مولانا روم سنی۔ ریڈیو پاکستان میں ملازمت کی۔ کراچی میں

تعینات ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ شیروانی پہنے صاف ستھرے نفیس سے آدمی' وہ مثنوی مولانا رومی کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اس حد تک عاشق مثنوی تھے کہ گھر کا نام بھی اسی پر رکھا۔ پاکستان کی آوازوں کی دنیا میں شاہ بلیغ الدین' احتشام الحق تھانوی اور مولانا سلیم الدین شمسی کون کر مذہبی ماحول کا احساس ہوتا تھا۔ ہم اس صدی کے آخری سال میں کراچی ریڈیو کے اسٹیشن ڈائریکٹر بنے تو مولانا سلیم الدین شمسی مثنوی رومی کے ساتھ آ گئے۔ یہ پروگرام جمعہ کی شب شروع ہوا۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے جن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی عقیدت اور احترام سے سنتے ہیں۔

آج ہم 'کونیا' میں تھے ترکی کے سب سے اہم علاقے میں' یہاں مثنوی کے خالق مولانا جلال الدین رومی سوتے ہیں۔ ہمارے ہوٹل کے بالکل سامنے اگر کمرہ سڑک کے رخ ہوتا تو ان کے مزار کا گنبد کھڑکی سے نظر آتا۔ کونیا آ کر اور جلال الدین رومی کے اتنے نزدیک ہو کر سفر کا لطف دوبالا ہو گیا۔ ہمارے وہم و گمان میں نہ تھا کہ اس سفر میں یہ سعادت حاصل ہوگی۔

صبح ناشتے کے بعد ہوٹل سے نکلے۔ ایک سڑک پار کی' فٹ پاتھ پر چلے اور ایک بڑے احاطے کے سامنے پہنچ گئے۔ ایک بڑا گیٹ تھا۔ دائیں طرف کھڑکی تھی۔ وہاں سے ٹکٹ خریدنا تھا۔ مزار کو مولانا میوزیم کہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ترکی میں حکومت لادین ہے۔ اندر جانے کے لیے ٹکٹ خود لینا تھا یہ ٹور میں شامل نہیں تھا۔ ہم نے کھڑکی کے سامنے پہنچ کر بہت سے نوٹ وہاں بیٹھے شخص کے سامنے کر دیے۔ اس نے پسند کے اٹھا لیے 20 لاکھ لیرا تھے۔ ہمارے خیال میں بہت کم تھے۔

ایک بڑا دالان درمیان میں ایک گول چھوٹی عمارت' شاید کسی زمانے میں پانی کے لیے ہو۔ مراد کو اس کا علم نہیں تھا۔ ترکی میں لادین حکومت ہے اور تمام نوجوان اس کے حامی ہیں۔

دو سیڑھیوں کے بعد دروازہ تھا۔ جوتے اُتار کر وہاں رکھی پلاسٹک کی تھیلی میں ڈالے اور مراد سے کہا۔

''مولانا کا مزار دکھا دینا۔''

''ضرور۔'' وہ بولا۔

لکڑی کے دروازے پر قرآنی آیتیں تحریر تھیں..... اندر دونوں طرف مزار تھے۔ درمیان میں مولانا رومی سو رہے تھے..... ہر طرف سنہرا رنگ تھا۔ چاروں طرف دیواروں پر قرآنی آیتیں' عورتیں مرد بچے کھڑے تھے۔ سرہانے ایک بڑا صافہ بندھا تھا۔

مراد نے کہا۔

''یہ مولانا صاحب کی قبر ہے۔''

ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

مولانا جلال الدین رومی 30 ستمبر 1207 کو افغانستان کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا بہاؤ الدین اپنے زمانے کے عالم مانے جاتے تھے اور ایک بڑے پائے کے استاد تھے۔ حکومت وقت سے ناراض ہو کر افغانستان سے ہجرت کر کے نیشاپور بغداد مکہ مکرمہ اور پھر ترکی کے شہر کونیا پہنچے۔ مولانا بہاؤ الدین جب نیشاپور میں تھے ممتاز عالم دین شیخ فریدالدین عطا نے مولانا جلال الدین رومی کو پڑھانے کی تلقین کی تھی۔ اس وقت مولانا رومی بچے تھے۔

مولانا بہاؤ الدین رومی کونیا پہنچے ان کی علمیت کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ عثمانی خلفاء نے اس

http://www.booksurdutube.net/
http://www.urdutube.net/

علاقے میں ایک عالی شان مدرسہ قائم کیا اور بہاؤ الدین رومی کو اس کا سربراہ بنایا۔ جہاں انہوں نے عرصے تک دین کی تعلیم دی اور جلال الدین رومی بھی مستفید ہوئے۔ بہاؤ الدین رومی کے انتقال کے بعد جلال الدین رومی نے مدرسے کا انتظام سنبھالا۔ ان کی ملاقات شمس الدین تبریزی سے ہوئی اور مولانا رومی کو ان سے ایسی عقیدت ہوئی کہ اپنے دیوان کا نام دیوانِ شمس تبریزی رکھا اس کے علاوہ ان کی مثنوی ایک عالم میں مقبول ہوئی۔ ان کا ایک دیوان رباعیات کا ہے جس میں مولانا نے اپنا مخلص شمس رکھا ہے۔ اس دیوان میں دو ہزار رباعیات ملتی ہیں اس میں دینی اور دنیاوی مسائل پر اظہار خیال خوبصورتی سے کیا ہے عام قاری انہیں پسند کرتا ہے۔

مثنوی ان کا بڑا کارنامہ ہے اسے مکمل کرنے میں 42 سال لگے۔ اس میں 26 ہزار اشعار ہیں۔ یہ معرفت اسرار دین اور بیش بہا علم کا خزانہ ہے۔ مثنوی میں روزمرہ کی وہ تمام باتیں شامل ہیں جن میں علم کی اہمیت اور طریقہ علم کا انداز بتایا گیا ہے۔ ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں۔

''علم ایک پھیلا ہوا موجیں مارتا سمندر ہے اور طالب علم اس میں غوطہ زن رہتا ہے۔ طالب علم ہزاروں سال زندہ رہے تب بھی وہ اس سمندر سے باہر نکلنا پسند نہیں کرے گا۔'' مولانا دو قسم کے علم پر اظہار کرتے ہیں ایک جس سے روزگار کماتا ہے۔ دوسرا تحقیقی جو اصل علم ہے۔ جس میں جستجو' تلاش ہوتی ہے جو اسے سچی راحت دیتی ہے۔ مولانا کا فلسفہ تھا کہ انسان اپنی کوشش سے کائنات فتح کرسکتا ہے۔''

مولانا جلال الدین رومی سے علامہ اقبال بے حد متاثر تھے۔ اپنے صاحبزادے کو 'جاوید نامہ' میں پیر رومی کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ علامہ نے قوم کے افراد کو مولانا رومی کو [illegible] محنت کرنے کی ہدایت کی ہے۔

سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی [illegible] رومی کی تعلیمات آج بھی تازہ ہیں۔ ہم ان [illegible] حضور کھڑے تھے۔ ان کی مذہبی خدمات اور شاعری ناقابل فراموش ہے۔ ایران' ہندوستان پاکستان میں ان کے کروڑوں عقیدت مند ہیں۔

مراد کو کیمرہ دے کر ایک تصویر کھنچوائی۔ دوسری دل کے اندر اتاری۔ یہاں ان کے بعض شاگردوں اور عزیزوں کی قبریں بھی موجود ہیں۔ نومبر کے مہینے میں ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر 'رقص درویش' بھی ہوتا ہے یہ حیرت انگیز منظر ہوتا ہے۔ اوپر سے نیچے تک ایک مخصوص چوغا نما لباس اور ٹوپی پہن کر درویش گھنٹوں گول گول گھومتے اور ان کے فارسی کلام پر سر دھنتے ہیں۔ اسے دیکھنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ مراد کا کہنا ہے۔

''یہ اب نہیں ہوتا۔'' وہ ٹھیک کہتا ہوگا ہم نے اس کی ویڈیو فلم دیکھی ہے۔ ترکی میں اس کی اجازت نہیں' وہاں سیکولر حکومت ہے۔

تمام قبروں کے سرہانے صافے بندھے تھے۔ جو اچھے لگ رہے تھے اور ہمارے لیے ایک نئی چیز تھی۔ اس سے ان کی عظمت اور شان نظر آتی تھی۔ مولانا رومی کے آگے عقیدت مند کھڑے تھے۔ دو عورتیں فرش پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔ لوگ آتے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے' لکڑی کی ریلنگ کو ہاتھ لگاتے اور چند لمحے تعظیم میں کھڑے رہتے۔

مزار کے سامنے ایک ہال تھا۔ جس میں قرآن کریم کے مختلف نمونے رکھے تھے۔ کیا خوبصورت کتابت تھی۔ یہ پرانے نسخے تھے۔ ان

کی تاریخ تھی برسوں سے سیاحوں کو حیران کر رہے تھے اور پھر ایک ایسی چیز جو دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ قیمتی تھی دوسرے ہال کے بیچوں بیچ چاندی کے ایک بند برتن میں رسالت مآب کی داڑھی کے بال رکھے تھے۔ ہم عقیدت سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ موئے مبارک تو نظر نہیں آئے لیکن تصور کی آنکھ نے دیکھ لیے دل بھر آیا..... اپنی صحت اور کامرانی کی دعا مانگنے لگے اپنے رب سے' اس ذریعے اور طفیل میں اپنے بے شمار خزانوں سے ایک ذرہ سمندروں سے ایک قطرہ ہمیں بھی دے اور گناہوں کو معاف کر' تیرے رحم کے طلب گار ہیں یہاں کھڑے ہوکر سکون آیا۔ مولانا رومی کیسے مقدر والے ہیں کہ ان کا آستانہ رسالت مآب سرور کونین کے موئے مبارک سے روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پر کرم کرتا ہے تو بے شمار عنایتیں کرتا ہے۔

ہم مزار سے نکلے تو دل مطمئن تھا۔ ترکی آنے کا مقصد پورا ہوا۔ ایک دربار میں حاضری ہوئی۔

کامران سرائے بنیں کاروان

ایک سیدھے سادھے آدمی نے کسی مسافر کو کھانا کھلایا۔ رات کو آرام دہ بستر دیا۔ صبح ناشتے پر دودھ شہد اور انڈے کھلائے اور پھر گاؤں کے کنوں میں ڈال دیا۔ اس میں زیادہ پانی نہیں تھا مسافر زخمی ہوا لیکن بچ گیا۔ کسی طرح باہر نکلا تو قاضی سے شکایت کی۔ اس نے جب سیدھے سادھے آدمی کو بلایا تو وہ بولا۔

''میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا نیکی کر کنویں میں ڈال۔'' اس لیے مسافر کے ساتھ نیکی کی اور اُسے کنویں میں ڈال دیا..... وہ دن تھا..... اور آج کا بزرگوں نے کہا۔

''نیک کام کرنا ہے تو پل بناؤ' کنویں کھدواؤ اور سرائے تعمیر کرو.....'' اس پر عام آدمی سے بادشاہ تک نے عمل کیا۔ جگہ جگہ کنویں کھد گئے پل بن گئے..... اور سرائے تعمیر ہوئیں۔ ترکی میں بھی نیک کام ہوتے تھے۔ اس لیے سرائے بنائی گئیں..... اور آج ہم ایک کاروان سرائے دیکھنے جارہے تھے۔ یہ کپاڈوکیہ کا علاقہ ہے۔ جہاں خوبصورت گھوڑے پیدا ہوتے ہیں اور آلو کی کاشت ہوتی ہے۔ ہمیں آلو اور گھوڑوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتی۔ لیکن کپاڈوکیہ والے آزاد ملک کے رہنے والے ہیں جو چاہیں اُگالیں' بنالیں۔ گھاس کے میدان نظر آئے۔ یہ تو چرواہ گاہ ہوئیں' پہلے زمانے میں جنگلوں میں گھوڑے بڑا کام کرتے تھے۔ ہمارے ملک میں تو تانگہ گھسیٹتے ہیں' ترکی میں ایک گدھا نظر آیا تھا جو گاڑی میں بندھا تھا۔ گھوڑے کے موجودہ کام کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

سڑک کے کنارے ایک عمارت کے سامنے کوچ روک دی گئی۔ پتھر کی بنی یہ عمارت چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتی تھی۔ مضبوط پتھروں سے تعمیر تھی' بڑے دروازے کے آگے بورڈ لگا تھا۔

''اڈا کاران سرائے۔'' یہ اس کاروان سرائے کا نام تھا۔ چٹانوں سے تعمیر دروازے سے اندر داخل ہوئے تو دونوں طرف دکانیں تھیں۔ یہ سرائے الدین نام کے ایک رئیس آدمی نے 12 ویں صدی میں تعمیر کرائی تھی۔

دروازے کے آگے کھلا میدان تھا۔ درمیان میں ایک عمارت تھی یہ مسجد تھی۔ چاروں طرف کمرے بنے تھے۔ جن کی چھتیں بہت اونچی تھیں..... بائیں طرف جو کمرے تھے وہ بے حد بڑے اور چھتیں بہت بلند تھیں۔ مراد نے بتایا اس

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

میں مسافروں کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ اس قسم کی سرائے میں مسافر ایک دن مفت قیام کر سکتے تھے۔ ان کے کھانے اور رہنے کا سارا خرچ حکومت برداشت کرتی تھی۔

کسی نے پوچھا۔

''اور دوسرے دن.....''

''ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔'' مراد نے بتایا۔

اس کی تو وہ مثال ہوئی کہ ''ایک دن مہمان دوسرے دن بلائے جان۔''

ہر سرائے اس طرح بنائی جاتی کہ جب کاروان یا مسافر کے سفر کے دوران رات آئے تو ایک سرائے مل جائے۔ یہ اونٹ کی رفتار ناپ کر تعمیر کی جاتی تھیں عام طور سے ہر ماہ گھنٹے کی مسافت پر ایک کاروان سرائے ہوتی تھی مسافر صبح کی نماز پڑھ کر سفر کا آغاز کرتے اور عموماً مغرب کی نماز کسی دوسرے سرائے میں پڑھتے۔ یہ قافلہ اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

کاروان سرائے میں مسافروں کے آرام کا خیال رکھا جاتا تھا..... مراد معلومات دے کر ایک بینچ پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ سیاح کمروں میں گھس گئے۔ اندھیرے سیلن سے بھرے بڑے بڑے کمرے، پتھروں کی دیواریں، فرش پر ریت، لیکن موسموں کی دسترس سے محفوظ یہی وہ جگہ تھی جہاں پالا گراتی سردی اور برف برساتی ہوا میں آگ کے گرد مسافر بیٹھ کر قصے کہانیاں سنتے سناتے ہوں گے۔ پھر کوئی زخمی دل رباب بجاتا ہوگا اور کہیں گھنگھروؤں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہوگی۔ کاروان سرائے رومانی داستانوں کا ایک کردار ہے۔ آج ایک ایسی ہی سرائے میں ہم کھڑے تھے۔ یہ بے جان پتھر کی دیواریں چپ تھیں 800 سال کی کہانیاں اس کے وجود میں چھپی ہوں گی۔ یہ چھت سب دیکھتی ہوگی..... یہ فرش کیسے مضبوط اور حسین قدموں کی دھمک سے محظوظ ہوا ہوگا۔ لیکن اب کیا ہے۔ ان دیواروں کے درمیان چینی بوش، بجھی ہوئی نازک سی لڑکی اپنے ساتھی سے تصویر بنوانے کی فرمائش کر رہی ہے۔ اجنبی زبان بولتے دو مرد گزر رہے ہیں۔

ہر کمرے کے آگے سے روشن اور اندر تاریک ہیں۔ 12 ویں صدی میں یہاں مشعلیں روشن ہوتی ہوں گی اور آج وہ بجھ چکی ہیں۔ دنیا بھر کے سیاح ماضی میں جھانکتے آتے ہیں۔ آئیڈیا تصویریں بنا رہی تھی۔ کلے دیواروں کو چھو کر دیکھ رہی تھی اور صالح میدان میں پریشان کھڑا تھا۔

''عباسی درمیان میں تو دیواریں اور ریت ہے مسجد کہاں ہے؟''

''اوپر کی منزل میں.....'' ہمارے منہ سے اچانک نکل گیا۔

اوپر جانے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں تھیں ایک طرف دیوار اور دوسری طرف کوئی ریلنگ نہیں تھی۔ صالح کا جذبہ ایمانی جوش میں تھا۔ رمضان تھا اس نے ہمیں دعوت دی۔

''عباسی اوپر چلتے ہیں۔''

''تم جاؤ اپنا کیمرہ دے جاؤ، ہم تصویر بنائیں گے۔''

مطلب تھا تم گرو تو کم از کم کیمرہ تو محفوظ رہے۔ صالح نے سوچے بغیر سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیں۔ بارہویں صدی میں جو لوگ اونٹ پر سواری کرتے اور پہاڑوں میں سفر کرتے تھے۔ ان کے اور صالح کے درمیان کچھ فرق ہونا چاہیے۔ چار سیڑھیوں کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ غلط کر گیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ لوٹنے کا کوئی

راستہ نہ تھا۔ کیونکہ صالح کے پیچھے دو اور باؤلے سیاح سیڑھیاں چڑھنے لگے تھے۔ وہ اوپر جانے لگا اور ہم ہر بار سے نیچے گرتے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اوپر والے کمرے میں پہنچ گیا اور چیخ کر بولا۔

''تم ٹھیک کہتے تھے عباسی اوپر مسجد ہے..... آجاؤ۔'' ہم نے کہا۔

''تم دیکھ لو..... اور سیدھے کھڑے ہو تمہاری تصویر اتارتے ہیں۔'' وہ سیدھا کھڑا ہوا' اس عرصے میں دو چار سیاح اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ صالح نے کہا۔

''عباسی نیچے سے لوگوں کو روکو میں اترنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں اترنا چاہتے ہو.....'' ہم نے پوچھا۔

ہمارا مطلب تھا اب اوپر ہی رہو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ دیواروں پر ہاتھ رکھ کر اترنے لگا۔ جو سیاح اوپر چڑھ رہے تھے رک گئے۔ صالح نے اترنے میں خاصی دیر لگائی۔ شاید چڑھنے سے زیادہ اترنا مشکل تھا۔ وہ نیچے آیا تو ادھر اُدھر فخر سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ہمالیہ کی چوٹی سر کر کے آیا ہے لیکن افسوس کسی نے اس کارنامے پر کوئی سوال نہیں پوچھا یہاں تک ہم نے بھی نہیں..... وہ خود ہی بتا رہا تھا۔

''اوپر مسجد ہے..... لیکن دیکھ بھال نہیں کی گئی ہے۔''

ہماری دیکھ بھال کرنے والے مراد نے ہانک لگائی۔

''چلو کوچ میں بیٹھو نئی منزل کی طرف روانگی ہے۔''

(جاری ہے)

غزل

عمر تھی رہن گریہ و ماتم
درد تھما تو چونک اٹھے ہم

موت ہی زیست پہ گہرا گھاؤ
موت ہی زخم زیست کا مرہم

بوجھل ہوگئیں نیند کی پلکیں
الجھا ہے خوابوں کا ریشم

رات دُروں میں شور بپا تھا
اور مزاج درد تھا برہم

کرب ملے ہیں ضبط سے بڑھ کے
لمحۂ عمر ہے عرصۂ ماتم

جیسے سوکھی شاخ کا نوحہ
جیسے پھول پہ گریۂ شبنم

کس کے دکھ کو جھیل رہا ہے
لمحہ لمحہ ہجر کا موسم

اس گھر میں اپنے ہونے کا
ایک یقیں اور وہ بھی مبہم

پروین حیدر

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو اِن وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، بِھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا وقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ ان صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ =/500 روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات ٹوکن منی =/500 روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اِس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1).....مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2).....منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کریں۔

(3).....اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II۔ خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

عزیز بچو!

اللہ تم سب کو اپنی اماں میں رکھے۔ شعبان کا محترم و مکرم ماہ ہم سب کو نصیب ہوا اللہ کا احسان ہے اور اب رمضان کی آمد آمد اللہ تمام مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان مبارک مہینوں کو صحت و تندرستی کے ساتھ اپنے درمیان پائیں تاکہ ان بابرکت مہینوں کا حق ادا کر کے اپنی دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہو پائیں۔ میں ہمیشہ نماز کی پابندی کی تاکید کرتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے اس پر صرف رمضان میں نہیں بلکہ پورا سال عمل کرتے ہیں، نہ صرف نماز کی پابندی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ قرآن کی تلاوت اور صدقہ خیرات بھی پورے سال جاری رکھتے ہیں۔ اللہ نیک عمل کرنے والوں کو بے حساب نوازتا ہے۔ کچھ وظائف بتا رہا ہوں جن کی سب کو اجازت ہے۔ نماز فجر اور عشا کے بعد 3-3 تسبیح سورۃ آلِ عمران آیت 8 پڑھو اور ربِ العزت سے ہدایت کی دعا مانگو جس کو ہدایت مل جاتی ہے اس کو سب کچھ عطا ہو جاتا ہے۔ سورۃ تحریم آیت 8 ہر نماز کے بعد ایک تسبیح ضرور پڑھو رزق، صحت کلی اور بچیوں کے لیے نیک رشتوں کا حصول دعا مانگنے والوں کو سب کچھ اور بہت جلد عطا ہو جاتا۔

☐ تابندہ غفور۔ لاہور

○ بابا جی! میں بڑی آس اور امید لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ میرے شوہر کا 6 ماہ قبل ٹریفک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ میں اَن پڑھ عورت ہوں۔ 5 چھوٹے چھوٹے بچے ہیں رشتے ناطے سب ہیں پر بابا جی غریب کا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ خط میں استانی جی سے لکھوا رہی ہوں انہوں نے ہی مجھے آپ کے بارے میں بتایا۔ بابا جی گزر بسر بہت مشکل ہے۔ بچے بہت چھوٹے ہیں انہیں چھوڑ کر کہیں کام بھی نہیں کر سکتی۔ کچھ رشتے دار مدد کر رہے ہیں مگر کب تک مدد کریں گے مجھے آپ سے مشورہ لینا تھا میں جس گھر میں رہتی ہوں وہ دو کمروں کا کوارٹر ہے جو میرے شوہر کے نام ہے کیا میں اس گھر کو بیچ کر رقم بینک میں رکھوا دوں تاکہ ہر ماہ کچھ رقم ہاتھ آسکے اور بچوں کے کھانے پینے اور اسکول فیس کا بندوبست ہو سکے۔ مدد کرنے والے مدد سے زیادہ طنز کرتے ہیں بھیک کی طرح امداد دیتے ہیں۔ مجھے بتایئے کیا یہ فیصلہ درست ہے؟

☆ بی تابندہ گھر بیچنے کے بارے میں سوچنا بھی مت تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ کتنا بڑا آسرا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ کڑا وقت ہے اور ایک بیوہ کو ان مشکلات کا سامنا ہمارے معاشرے میں کرنا پڑتا ہے یہ ہماری بدنصیبی ہے مگر بیٹی اللہ پر بھروسہ رکھو وہ بہترین اسباب پیدا کرے گا۔ جب تمہیں سہولت ہو کیونکہ بچے چھوٹے ہیں دن میں ایک بار سورۃ یٰسین

اطلاعِ عام

قارئین بھائی، بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ اس نئے ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: 88-C-II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893121-35893122

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

چہرے پر رونق نہیں ہے' کیل مہاسے' جھائیاں
ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے دو اچھی
کہانیاں کے دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

پڑھ کر پانی پر دم کیا کرو اور یہ پانی پی لیا کرو بھوک کم لگے گی اللہ تم پر اور تمہاری اولاد پر رحم فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بچوں میں سے کوئی تمہاری ذمہ داری اٹھالے گا بنا عزت نفس مجروح کیے۔

□ کلثوم۔کراچی

○السلام علیکم بابا صاحب! میں غریب عورت ہوں مگر سچی کہانیاں کسی نہ کسی طرح صرف آپ کے کالم کی وجہ سے خرید کر پڑھتی ہوں' بابا جی میں اور میری بیٹی سلائی کا کام کرتے ہیں۔ میرے شوہر معذور ہیں وہ بستر پر پڑے ہیں۔ بابا جی جن دکانوں پر میں کپڑے دیتی ہوں ان سے ایک دکاندار مجھے بہت تنگ کررہا ہے حالانکہ وہ عمر میں میری بیٹی کے برابر ہوگا مگر میرے لیے اس کی نظروں میں بالکل احترام نہیں۔ بابا صاحب دکانوں' دکانوں پھرنا میری مجبوری ہے گھر بھی نہیں بیٹھ سکتی مگر گندے رویے مجھے بہت دکھ دیتے ہیں۔ میں نے یہ بات بیٹی کو بھی نہیں بتائی اپنا نام بھی فرضی لکھ رہی ہوں آپ مجھے اس مسئلے کا کوئی حل بتادیں۔ میں بہت پریشان ہوں آگے رمضان بھی آرہا ہے گھر نہیں بیٹھ سکتی۔

☆بیٹی کلثوم! اللہ اس برباد ہوتے معاشرے پر اپنا رحم فرمائے جہاں ہر جانب لگتا ہے جیسے شیطان بستے ہیں' بیٹی میں جانتا ہوں شریف خواتین کے لیے باہر نکلنا کتنا بڑا عذاب ہے اور یقیناً یہی اُن کے لیے آزمائش ہے۔ تم گھر سے باہر نکلتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر حصار کیا کرو اور دل میں کہا کرو کہ اللہ میری عزت کی حفاظت فرما اللہ ضرور اپنا کرم فرمائے گا اور جلد تمہاری اس بے ہودہ آدمی سے جان بھی چھوٹ جائے گی اور روزگار میں بھی اضافہ ہوگا۔

□ نظر علی برمانی۔ دادو

○محترم بابا جی! السلام علیکم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے بابا جی میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ سے رہنمائی لیتا رہتا ہوں۔ آج بھی میں ایک مسئلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بابا جی میرا ایک بڑا بھائی ہے جس کا نام رفیق احمد ہے بابا جی اُن کو آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے دو ڈھائی سال ہوئے ہیں اور اب وہ پولیس میں ہیں بابا جی میرے بھائی کو کافی سالوں سے معدہ میں تکلیف ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ معدہ میں زخم ہے کافی عرصے سے دوائیاں کھا رہے ہیں لیکن تکلیف مکمل طور پر ختم نہیں ہورہی مکمل پرہیز بھی کرتے ہیں اور پابندی سے دوا بھی کھاتے ہیں لیکن اتنے سالوں بعد بھی دوا سے جان نہیں چھوٹ رہی بابا جی میرے بڑے بھائی بہن پریشان رہے ہیں اور ان کی وجہ سے سب گھر والے پریشان رہتے ہیں بھائی اب بھی ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں اور دوائیاں پابندی سے کھاتے ہیں لیکن تکلیف برقرار ہے۔ بابا جی ہم چاہتے ہیں بھائی کی یہ تکلیف ختم ہوجائے اور دوائیوں سے ان کی جان چھوٹے' بابا جی آپ ہماری رہنمائی کیجیے کہ یہ معدہ کی تکلیف ختم کیوں نہیں ہورہی اور اس کا کوئی حل تجویز کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے آمین۔

☆ بیٹے نظر! بھائی سے کہو زندگی کے معاملات اللہ کے سپرد کردے۔ مطمئن ہوجائے کسی بھی بات کو بہت اہمیت نہ دیا کرے۔ نماز کی پابندی رکھے درود شریف بہت پڑھے اور اپنی غذا بالکل سادہ کردے انشاء اللہ ضرور افاقہ ہوگا۔

□ بیٹا۔حیدر آباد

○محترم بابا جی! السلام علیکم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بہت بے چینی ہوتی ہے رات کو نیند نہیں آتی

آپ کوئی وظیفہ عنایت فرمائیں اور آپ مجھے بیٹا کہیں شکریہ۔

☆ بیٹے! نماز پابندی سے ادا کرو اور درود شریف بہت پڑھو رات کو باوضو لیٹنے کی عادت ڈالو اور اسماء الٰہی کا ورد کیا کرو فوراً نیند آجائے گی اور بہت پُرسکون آئے گی۔

□ سلمٰی خان۔ مقام نامعلوم

○بابا صاحب اللہ آپ کو لمبی عمر دے اچھی صحت کے ساتھ آپ کا سایہ ہم جیسے لوگوں پر سلامت رہے خط دیر سے لکھنے کے لیے معذرت خواہ ہوں اصل میں میری طبیعت خراب رہی ہے پچھلے مہینوں سے' میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اُس نے ٹیسٹ کروائے پھر کہا آپ کو بچے نہیں ہوسکتے 50% کا چانس ہے پھر دوائیاں لکھ کر دیں کہ مہینے کے بعد پھر ٹیسٹ ہوں گے۔ دوائیں کھانے سے میرا ڈپریشن بڑھ گیا دماغ کی کنڈیشن 3-4 مہینے خراب رہی اب جا کے کچھ بہتر ہوں ڈاکٹر کہتے ہیں بچے کے لیے جو دوائیاں ہوتی ہیں وہ دماغ پر اثر کرتی ہیں اور دماغ کے لیے جو دوائیاں ہیں ان سے بچے نہیں ہوتے میں ہر مہینے اللہ سے امید لگاتی ہوں آخر میں ٹوٹ جاتی ہوں میں مایوس نہیں ہونا چاہتی کہ مایوسی کفر ہے لیکن آپ بتائیں کیا کروں عمر بڑھتی جارہی ہے اس کے ساتھ بچے کی امید بھی کم ہوتی جارہی ہے میرے پاس اتنے پیسے بھی جمع نہیں ہورہے کہ میں ٹیسٹ ٹیوب کروالوں اور اگر کروا بھی لوں تو گارنٹی نہیں کہ ہوگا بھی یا نہیں۔ آپ مجھے روزے رکھنے کا طریقہ بتادیں 7 روزے جو رکھتے ہیں اس میں 7 دن کے بعد شوہر سے ملتے ہیں یا روز' بابا صاحب شاید بہت گناہ گار ہوں جو اللہ کی بارگاہ میں میری دعا قبول نہیں ہورہی ہر وظیفہ دم درود جو کہتے ہیں کہ لازمی قبول ہو لیکن میرے کرنے سے وہ قبول نہیں ہورہا میں نے

بالوں کا گرنا' خشکی' بے جان بال ان سب کے
لیے جڑی بوٹیوں سے تیار 150 سو سال پرانا
نسخہ..... اب آپ بھی حاصل کرسکتے ہیں۔رابطہ
35893121-35893122.....

عمرے میں بھی بہت دعائیں کی شاید اللہ ناراض ہوگیا کہ اس کے گھر جا کے میں نے گناہوں سے توبہ کی اتنی دعائیں نہیں مانگی جتنی اولاد کے لیے مانگی یہ بات مجھے لگتا ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک مجھ سے ناراض ہوگیا کہ یہاں بھی گناہوں کے بجائے اولاد کی دعا مانگ رہی ہے۔ بابا جی آپ تو اللہ تعالیٰ کے بہت خاص اور اچھے بندے ہو میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے لاوارث نہ چھوڑے اور وارث عطا کرے۔ بابا صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور آپ کا سایہ ہم جیسے گناہ گاروں پر سلامت رکھے جس سے ہماری بخشش کا سامان ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری سن لیتا ہے بس آپ سے التجا ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆بیٹی سلمٰی! تم اتنی تکلیف کیوں جھیل رہی ہو۔ اولاد نرینہ کے لیے مجھ سے تعویذ منگوالو' دعا اور دوا دونوں ضروری ہیں' بیٹی یہ بات دماغ سے نکال دو کہ اللہ تم سے ناراض ہے وہ اس کائنات کا خالق ہے ہمارا مالک ہے اس کی ناراضگی سے پناہ مانگا کرو۔ وہ جس بندے سے ناراض ہوتا ہے اس پر پھر اس کا قہر نازل ہوتا ہے آئندہ ایسا سوچنا بھی مت' تم نے اللہ سے وہی مانگا جو تم چاہتی ہو اور وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو' لہٰذا بیٹی صبر کرو اور ہمت سے کام لو' دکھی ہونا چھوڑ دو۔ تم خوش رہو گی تو سب اچھا ہوگا۔

□ صدف انوار۔کراچی

○بابا جی! میں بہت پریشان رہتی ہوں اپنے بیٹے کی طرف سے اس کی عمر 8 سال ہے وہ بہت

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

اندرونی اور بیرونی زخموں' آپریشن کے بعد ٹانکوں کا کچرہ جانا یا کسی بھی قسم کی چوٹ کے لیے دوا دستیاب ہے جن گھروں میں چھوٹے بچے ہیں وہاں اکثر کھیل کود کے دوران سر پر چوٹ لگ جاتی ہے ایسے میں یہ دوا سرنیں نہ جمنے نہیں دیتی' دوا حاصل کرنے کے لیے سچی کہانیاں کے دفتر فون کریں۔

کمزور ہے اپنی عمر سے کم دکھائی دیتا ہے قد بھی چھوٹا ہے رات کو سکون سے نہیں سوتا آدھی رات کو لازمی میرے پاس آ کر لیٹتا ہے ڈرتا ہے' وہ کبھی بولتا ہے وہ نظر آتا ہے ماما مگر کچھ نہیں ہوتا دو تین لوگوں کو دکھایا وہ کہتے ہیں اثرات ہیں گھر میں مگر اُسے ہی ڈر لگتا ہے نہ دودھ پیتا ہے نہ مچھلی وغیرہ لیتا ہے بابا آپ بتائیں کیا کروں اُس کے لیے اور کوئی دعا تعویذ وغیرہ بھی دیں میں آپ کو دعا دوں گی دوسرا مسئلہ میرے شوہر کا ہے بابا جی اُن کے لیے دعا کریں جس دکان میں بیٹھتے ہیں وہ کرائے کی ہے۔ **13** سال سے ان کے پاس ہے اس دکان کے مالک سے اس کا مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ بابا جی اُس دکان پر اُن کا بہت دل ہے دعا کریں وہ دکان ان کی اپنی ہو جائے خیر و عافیت کے ساتھ ساری زندگی دعائیں دوں گی۔

☆ بیٹی صدف! سب سے پہلے تو تم صبح و شام آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر بچے پر دم کر دیا کرو۔ فوری طور پر مجھ سے تعویذ منگوا کر اس کے گلے میں ڈال دو' میں تعویذ کے ہمراہ مزید علاج تجویز کروں گا جہاں تک شوہر کا تعلق ہے تو اُن سے کہو روزانہ ایک بار سورۃ الم نشرح ترجمہ کے ساتھ پڑھیں۔ پابندی سے چڑیوں کو دانہ اور پانی ڈالیں انشاءاللہ کرم ہو گا مدت **3** ماہ ہے۔

□ بیٹی عائشہ۔ کراچی

○ میرا نام عائشہ ہے بابا جان مجھے آپ سے استخارہ کروانا ہے بابا جان ہم لوگ بڑی مشکلوں سے گزارہ کرتے ہیں۔ گھروں میں کام کر کے بابا جان میں نے لیمبی ٹاری ہے جس سے میں ایک پلاٹ خریدنا چاہتی ہوں بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ استخارہ کر کے بتائیں کہ پلاٹ لینا صحیح ہو گا یا نہیں۔ میں جس گھر میں کام کرتی ہوں انہوں نے بتایا ہے کہ ایک زمین اسلام آباد میں اور ایک زمین کراچی میں بتائی ہے۔ بابا جان آپ استخارہ کر کے بتا دیں بابا جان یہ ہماری بڑی محنت کی کمائی ہے ہم نہیں چاہتے کہ نقصان ہو۔

☆ بیٹی عائشہ! میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ اپنے پیسے حفاظت کیساتھ رکھو فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی زمین خریدنے کی تمہارے ساتھ دھوکا ہو جائے گا۔ نماز کی پابندی رکھو اور درود شریف بہت پڑھو۔ عید کے بعد مجھے حالات سے آگاہ کرنا۔

□ قیصر شاہ۔ بیکیم۔

○ محترم بابا جی! السلام علیکم! کئی سال سے میری خواہش یہاں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے کی تھی اسی لیے میں نے آپ سے براہ راست وظیفہ منگوایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وظیفے کے دوران ہی یہ کام ہو گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ بابا جی! اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اجر عطا کرے اور لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ آپ اسی طرح لوگوں کے کام آتے رہیں۔ (آمین!)

☆ بیٹے قیصر! میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دلوں کی مراد پوری کرنے والی ذات باری تعالیٰ کی ہے' بس اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ نماز کی پابندی برقرار رکھو اور اپنے دوستوں کو بھی نماز کی تلقین کرنا۔

☆☆.....☆☆

آپ کی ڈائری

یہ ہے آپ کی پسند' آپ کا انتخاب

مرتب: اشعر جواد

میرا رب

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے اور ہر طرح کے ثمرات کے جوڑے دو دو بنائے وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

(الرعد۔3)

منتوں شریف

حضور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب اور مقرب بنی ہیں۔ اس لیے آپ افضلیت و اولیت کا معیار آخر قرار پائے۔ اس لحاظ سے حسن و جمال کا معیار آخر بھی آپ کی ہیں ذات مبارکہ ہے۔ کائنات کے حسن و جمال کا ہر ہر ذرہ دہلیز مصطفیٰ کا ادنیٰ سا بھکاری ہے۔ رب کائنات نے وہ آنکھ تخلیق ہی نہیں کی جو تاجدار کائنات کے حسن و جمال کا مکمل طور پر مشاہدہ کر سکے۔ اقلیم رسالت کے تاجدار حضور مسند محبوبیت پر یکتا و تنہا جلوہ افروز ہیں۔

جہاں نقطہ کمال کی انتہا ہے وہاں سے حسن و جمال مصطفیٰ کی ابتدا ہوتی ہے۔ آپ حسن و جمال کو بے مثل ماننا ایمان و ایقان کا بنیادی جزو ہے۔ حضور جدھر سے گزرتے وہ راستے بھی مہک اٹھتے راہیں قدم بوسی کا اعزاز حاصل کرتیں اور خوشبوئیں جسم اطہر کو اپنے دامن میں سمیٹ تھیں۔ مدینے کی گلیاں آج بھی حضور کی خوشبوؤں سے معطر ہیں۔ اظہار عشق کے انداز میں مختلف ہوتے ہیں۔ خوشبو وفا کے پیرائے بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی صحابی حضور سے چادر مبارک مانگ لیتے ہیں کہ میں اس سے اپنا کفن بناؤں گا اور کوئی حصول برکت کے لیے جسم اطہر کے پسینے کو شیشی میں جمع کر لیتا ہے۔

(بحوالہ بخاری' الصحیح' 1-429 کتاب الجنائز رقم 1218)

(بحوالہ مسلم' الصحیح 4-1814 کتاب الفضائل' رقم 2331)

فرمان حضرت علی وجیہہ الکریم

جو دکھ دے اس سے تعلق نہ رکھو اور جس سے تعلق رکھو اسے دکھ نہ دو۔

لوگ دو طرح کے ہیں۔ ایک سخی لیکن ان کے پاس پیسہ نہیں ہوتا دوسرے مالدار مگر وہ کسی کی حاجت روائی نہیں کرتے۔

ہمیشہ سچ بولو تاکہ تمہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جس کو تم سے سچی محبت ہو گی وہ تم کو فضول اور ناجائز کاموں سے روکے گا۔

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

لوگوں کو اسی طرح معاف کرو جیسے تم خدا سے امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کرے گا۔

گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔

تم پانی جیسے بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے پتھر جیسے نہ بنو جو دوسروں کا راستہ بھی روک لیتا ہے۔

اقوال زریں

بروں کی محبت نیکوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔ (حسن بصری)

اصل کمال علم اور عمل کو جمع کرنے میں ہے۔ (ابن جوزی)

کوئی گناہ کسی کی رضا مندی سے حلال نہیں ہوتا۔ (شقیق بلخی)

خلق چار چیزیں ہیں۔ سخاوت، الفت، نصیحت اور شفقت۔ (جنید بغدادی)

جب تک تم بھوک سے بے تاب نہ ہو جاؤ اس وقت تک کبھی کھانا نہ کھاؤ۔ (بقراط)

اپنی ضرورتوں کو کم کرو گے تو راحت پاؤ گے۔ (اویس قرنی)

انسان کو چار چیزیں بلند کرتی ہیں۔ علم، حلم، کرم اور خوش کلامی۔ (بایزید بطامی)

جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو ادب کی شرط گر جاتی ہے۔ (جنید بغدادی)

خاموش احتجاج

ایک بار اک پرانے ڈائجسٹ اسٹال سے گزرے تو اسٹال پر خریداروں کا کافی رش دیکھا۔ مختلف ناموں کے پرانے ڈائجسٹ کم قیمت پر فروخت ہو رہے تھے۔ ایک ڈائجسٹ جو ملکی حالات و ادب کے حوالے سے نامور حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے ایک شمارے پر صدر ممنون حسین کی تصویر سرورق پر موجود تھی۔ مگر ہجوم میں سے کوئی بھی اُس شمارے کو خریدنے پر تیار نہ تھا۔ اسٹال کے مالک نے صدر صاحب والے پرچے پر توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تو ہجوم میں سے کسی کی آواز آئی کہ ''یہ تو صدر صاحب ہیں۔ انہیں خریدو یا نہ خریدو یہ تو بس خاموش ہی رہیں گے۔'' یہ حقیقت پسندانہ بات سن کر ہمارے لبوں پر بھی بغیر کسی قہقہے کے ایک خاموش سی مسکراہٹ احتجاج کی صورت نمودار ہوئی۔

(اشعر جواد کی یادداشت سے اخذ)

استاد دامن

استاد دامن ایک مرتبہ بھارت گئے، وہاں امرتسر میں کوئی دربار (مشاعرہ) کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ایک معاون جب استاد دامن کو اسٹیج پر لے گئے۔ تو مشاعرے کا نظم و نسق دیکھنے والے معاون سے بولا۔

''تمہیں شاعر لانے کے لیے کہا تھا، تم پہلوان لے آئے ہو۔'' یہ بات استاد نے سن لی۔

جب اُن کی اسٹیج پر باری آئی تو کہنے لگے۔

''دوستو! ابھی ایک سردار جی کہہ رہے تھے کہ ہم نے شاعر بلایا تھا یہ پہلوان آ گیا ہے۔''

''میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں پنجاب کا شاعر ہوں، ہندوستان کا قلم دان نہیں۔'' اس پر پنڈال میں خوب قہقہے اچھلے۔

(استاد دامن کی یادداشت سے ماخذ)

غزل

جی رہا ہوں نہ مر رہا ہوں میں
عشق یہ کیسا کر رہا ہوں میں
لمحہ لمحہ گزر رہی ہے رات
ریزہ ریزہ بکھر رہا ہوں میں
اتنے دھوکے دیے ہیں دنیا نے
اپنے سائے سے ڈر رہا ہوں میں
ہو سکے تو سمیٹ لو مجھ کو
مثلِ خوشبو بکھر رہا ہوں میں

عشق سے زندگی کے خاکے میں
آتشیں رنگ بھر رہا ہوں میں
اک زمانے سے اک زمانے تک
اپنا ہی ہمسفر رہا ہوں میں

شاعر: الیاس شاداں۔ کتاب: تلافی

غزل

کاش ہم کھل کے زندگی کرتے
عمر گزری ہے خودکشی کرتے
بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے
کون دشمن تری طرح کا تھا
اور ہم کس سے دوستی کرتے
بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے
عشق اُجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے
اس تمنا میں ہو گئے رسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے
حسن اُس کا نہ کھل سکا محسن
تھک گئے لوگ شاعری کرتے

شاعر: محسن نقوی۔ کتاب: طلوع اشک

اشعار

چاندنی جاگتی ہے ستاروں کا تو ایک بہانہ تھا
میرے پاس تم نہ تھے باقی تو سارا زمانہ تھا

..........*

جب یاد تمہاری آتی ہے دل خون کے آنسو روتا ہے
بے درد زمانہ کیا جانے اس پیار میں کیا کیا ہوتا ہے

محمد دانیال جوئیہ۔ روڈہ تھل، خوشاب

اسلام

اسلام ایک ایسا مذہب و قیامت تک دھڑکتا چمکتا رہے گا۔

اسلام ایک ایسا رشتہ ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔

اسلام ایک ایسا ترازو ہے جس میں ایمان والوں کا وزن ہوگا۔

اسلام ایک ایسا لباس ہے جس کا اگر کوئی غیر علم بھی پہن لے تو مسلمان ہو جائے گا۔

اسلام ایک خزانہ ہے جس کا مسلمان کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد ندیم جوئیہ۔ روڈہ تھل، خوشاب

غزل

ہم ناراض ہیں تم سے
بہت ناراض ہیں تم سے
بہت مغرور ہو نا تم
بہت مصروف ہو نا تم
ہمیں تو یاد کرنے کا
وقت برباد کرنے کا
تمہیں تو وقت ہی کب ہے
نہ تم کو یاد آتے ہیں
تمہیں کتنا ستاتے ہیں
تمہیں نہ یاد آئیں گے
نہ تم کو یوں ستائیں گے
جب ہم دنیا سے جائیں گے
تب ہم سے ملنے آؤ گے
تو ہم بھی تم کو نا دیں گے
بہت مجبور ہیں ہم بھی
بہت مصروف ہیں ہم بھی
ہمیں بھی کام ہیں کتنے
تب ہم آنکھیں نہ کھولیں گے
کچھ تم سے نہ بولیں گے
کہ ہم ناراض ہیں تم سے
بہت ناراض ہیں تم سے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

..........*

لفظ لفظ موتی

غلطی ماننے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت کرو کیونکہ سفر جتنا طویل ہو جائے گا واپسی اتنی ہی مشکل ہوگی۔ جانور اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے لیکن انسان اپنے مالک کو نہیں پہچانتا۔

جب تین کیفیتیں ہوں فوری دعا کیا کرو کیونکہ اس وقت کی دعا رد نہیں ہوتی۔ جب جسم کانپ اٹھے' دل میں خوف آئے' جب آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ کھانے کے دوران لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر کے کھالو اسے شیطان کے لیے مت چھوڑو۔

خضر حیات۔ روڈہ تھل' خوشاب

گھر گھر روشنی

حقیقی طرز فکر یہ ہے کہ کسی سے کوئی توقع نہ رکھی جائے اور جو بندہ کسی سے توقع نہیں رکھتا وہ ناامید بھی نہیں ہوتا' امیدیں توازن کے ساتھ کم سے کم رکھنی چاہئیں جو آسانی کے ساتھ پوری ہو جائیں۔

..........*

پستی

روپے کی قیمت کتنی بھی گر جائے اتنی کبھی نہیں گر سکتی جتنا روپے کے لیے انسان گر چکا ہے۔

..........*

غزل

پھولوں میں اپنا رنگ دھنک چھوڑ جایئے
گلشن میں گیسوؤں کی مہک چھوڑ جایئے
جائیں تو اس طرح کہ رہیں دل کے آس پاس
جاں کی حویلیوں میں کسک چھوڑ جایئے
تنہا چراغ اور اندھیرے ہیں بے شمار
ہلکی سی انجمن میں دمک چھوڑ جایئے
آئے اگر خزاں بھی تو ویران نہ ہو چمن
اے چاند' ایسی چاندنی چھوڑ جایئے
حمید اک ذرہ ناچیز ہی تو ہے
ذرے میں کچھ تو اپنی چمک چھوڑ جایئے

عبدالحمید خان۔ حیدرآباد

اقوال زریں

کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب پانی پر رہتی ہے خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آجاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

تم گلاب کا پھول بن جاؤ کیونکہ یہ پھول اس کے ہاتھوں میں بھی خوشبو چھوڑ جاتا ہے۔ جو اسے مسل کر پھینک دیتا ہے۔

معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا تحریر میں لانے کے لیے سستی نہ کرو۔

حسن کرنے والا موت سے پہلے مر جاتا ہے۔

خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔

بوڑھا انسان وہ ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے۔

سفر جان جوکھوں کا ہے۔ مگر واپسی بہت آسان ہے۔

قرض مانگنا بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔

غزل

کرسی یہ تیری یاد کی خالی ہے آج بھی
دل میرا تیرا ایک سوالی ہے آج بھی
تیرے سوا تو کچھ نظر آتا نہیں مجھے
میری وفا تو دیکھنے والی ہے آج بھی
کرتی ہوں روز تجھ سے خیالوں میں گفتگو
دنیا میری نظر میں مثالی ہے آج بھی
وہ میرا منتظر ہے نہیں سچ تو بس ہے یہ
یہ کائنات ساری خیالی ہے آج بھی
سنتا نہیں ہے کوئی بھی پتھر کے شہر میں
خاموشیوں نے شکل نکالی ہے آج بھی

برسا کہاں ہے وہ مہر کا بادل' خبر نہیں
دیکھوں کہاں کہ رات تو کالی ہے آج بھی
زندہ رکھا ہے میرے خدا نے میرا ضمیر
خانم تو سچ ہی بولنے والی ہے آج بھی

فریدہ خانم۔ لاہور

تم کو مجھ سے محبت نہیں

تمہیں پتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جنوں کی حد تک محبت کرتا ہوں کیونکہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو بیشک تم نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں لیکن میں اتنا بھی پاگل نہیں کہ تمہاری خوبصورت آنکھوں میں اپنے لیے محبت نہ دیکھ سکوں تم چاہو بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتی کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔

رفعت۔ بہاولپور

عارفہ کاملہ

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے ایک عارفہ کاملہ کو حالت نماز میں دیکھا۔ ان پر اس درجہ محویت اور استغراق و انہماک کی کیفیت طاری تھی کہ ایک بچھو نے چالیس مرتبہ انہیں ڈنک مارا۔ لیکن باوجود سخت تکلیف و اذیت کے انہوں نے اسی حال میں نماز مکمل کی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو میں نے عرض کیا۔

''اماں جاں' آپ نے ناحق اتنی تکلیف برداشت کی آپ اپنے ہاتھ سے بچھو کو ہٹا دیتیں تو اس تکلیف سے بچ سکتی تھیں۔''

''بیٹا! ابھی تم چھوٹے ہو جب بڑے ہو گے تو تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ جب کوئی اللہ کے کام میں لگا ہو تو اسے اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی۔''

کتاب ارکان اسلام

انتخاب: فیضان حسین عثمانی حیدرآباد

حرف سے لفظ تک

زندگی میں کبھی نہ کبھی ہم اس مقام پر آجاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور 'اللہ' ہوتا ہے۔ کوئی ماں باپ کوئی بہن بھائی کوئی دوست نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے پیروں کے نیچے زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان بس صرف 'اللہ' ہے جو ہمیں اس خلا میں بھی تھامے ہوئے ہے۔

(پیر کامل' ص253)

جو لوگ دوسروں کے دلوں کو کانٹوں سے زخمی کرتے ہیں ان کے اپنے اندر کیکر اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں نہ چاہیں اُن کے وجود کو کانٹا ہی بننا ہوتا ہے وہ پھول نہیں بن سکتے۔

(لاحاصل' ص218)

بعض دفعہ چہرے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف آوازوں کی ضرورت ہوتی ہے کسی ایسی آواز کی جس میں آپ کے لیے ہمدردی ہو جو آپ کے وجود کے تمام ناسوروں کو نشتر کی طرح کاٹ پھینکے اور پھر بہت نرمی سے ہر گھاؤ کو سی دے۔

(آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں' ص327)

اے اللہ آپ کے فضل اور مہربانیوں کی کمی نہیں کوئی' میں قدم قدم پر آپ کو احسان کرتا ہوا پاتی ہوں مجھ سے آپ کی مہربانیوں کا شکر ادا نہیں ہو پاتا میری اس کمی کو درگزر فرما..... مجھے ہر درد اور تکلیف سے محفوظ رکھ' میرے دل کے سکون اور میری خوشیوں کی حفاظت فرما۔

(دربارِ دل' ص17)

تحاریر: عمیرہ احمد۔ انتخاب: مریم شاہ بخاری

محبت

چار لفظوں کو مجموعی طور پر جوڑنے کو محبت کا نام دیا جاتا ہے۔ مگر یہ انسانی خمیر میں شامل شکر سے

http://www.books.urdutube.net/
http://www.urdutube.net/

گندھا ہوا وہ انمول جذبہ ہے جو دل کی دھڑکن اور سانس کی ڈور سے کسی ٹوٹ اور دائمی رشتے کی مانند جڑا ہوا ہے۔

کہکشاں کے سبھی ستارے دھنک کے سارے رنگ اور قدرت کے سبھی نظارے، مناظر اور عجائبات اس کے مقابل ہیچ نظر آتے ہیں۔ اس کی خوشبو سے روح معطر، چاشنی سے دل و دماغ سرشار جبکہ اس پر ایقان بندے کو رب کریم کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ محبت ایک بے موسمی پھل ہے جو پت جھڑ، ساون، بسنت اور بہار کے سبھی ذائقے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ تو وہم و گمان، زیان و بیان اور زماں و مکاں کی قید سے آزاد خلائے بسیط کی وسعتوں تک میں پھیلی ایک لامحدود نعمت ہے جو ازل سے ابد شروع سے آخر اور زمین سے آسماں تک ہمیشہ موجود رہنے کے لیے بھادی گئی ہے۔

اکثر لوگ محبت کے مفہوم کو نہیں سمجھتے پر کس طرح دل پر وار کرتی ہے۔ کتنے رنگ بدلتی ہے اور کتنے رویوں سے گزرتی ہے۔ محبت وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرنے، غمگین نغمے سننے ناول یا افسانے پڑھنے کا نام ہی نہیں نا ہی یہ کوئی بازاری کھلونا ہے کہ پسند آنے پر دل بچوں کی طرح مچل اٹھے۔ محبت ہونا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں، یہ تو ایک عطا ہے گوہرِ نایاب ہے جو صرف نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔

محبت تو بابا بھلے شاہ، شاہ حسین اور خواجہ غلام فرید کی کافیوں میں نمایاں ہے جسے سنتے ہوئے دل وجہ سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

یہ تو ہما نامی پرندے جیسی ہے جس کے سر پر سوار ہو جائے اسے بادشاہ بنا دے۔ یا پھر اس پتھر کی طرح جو لوہے کو چھو کر بھی آسیر بنا دے۔

محبت آدم کی صورت نمودار ہوئی تو سر چڑھ کر بولی۔ کہیں آگ گل و گلزار ہوئی تو کہیں چشمے جاری ہوئے اور پھر جب حضرت امام حسین کے روپ میں جلوہ گر ہوئی تو کفر مٹا کر رہتی دنیا تک اسلام کا نام ہمیشہ کے لیے روشن کر گئی اور سچ تو یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے پیارے کے صدقے پوری کائنات کی تخلیق کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ پیارے کا نام منسوب کرتے ہوئے اپنی محبت کو سدا کے لیے امر کر دیا۔

ایمن حسن انصاری۔ قبولہ شریف

وہ جو کہتے تھے چاہیں گے تمہیں ہر پل

ساتھ تیرا نبھائیں گے ہر پل
دعویٰ عشق نبھانے کا تھا جن کا
حوصلہ زمانے سے ٹکرانے کا تھا جن کا
وہ لوگ کب کے ہمیں بھول چکے
ساتھ ہمارا چھوڑ چکے
وعدہ وفا، قسمیں اور ارادے.....!
جھوٹے تھے وہ سب دعوے
یہی حقیقت ہے دل ناداں.....!
سیاں ہمارے جھوٹے تھے

عابدہ منشل۔ کراچی

شعر

بارش غم نہ ہو آنکھوں سے آگر
دل وہ بستی ہے اجڑ جاتی ہے

شاعر: امین عاصم، انتخاب: علی رضا بھٹی۔ منچن آباد

اشعار

زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا کون جی کر دیکھتا
ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہروں کا ہجوم
پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا

شاعر: احمد فراز۔ انتخاب: حسین خواجہ۔ منچن آباد

http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/